معجزہ کیا ہے؟

مصنف: محمد باقر سعیدی روشن
مترجم: ادریس احمد علوی

تحقیقاتی مرکز برائے اسلامی افکار و ثقافت

بسم الله الرحمن الرحیم

معجزہ کیا ہے؟

محمد باقر سعیدی روشن

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

کتاب کا نام: معجزہ کیا ہے؟

مصنف: محمد باقر سعیدی روشن

مترجم: ادریس احمد علوی

نظر ثانی: ڈاکٹر سید راشد عباس نقوی

پیشکش: تحقیقاتی مرکز برائے اسلامی افکار و ثقافت

ناشر: نور الہدیٰ مرکز تحقیقات (نمت)

مطبع: عدن پرنٹرز/لاہور

ایڈیشن: اول

تاریخ اشاعت: اپریل ۲۰۱۲ء/

تعداد: ۱۰۰۰

ISBN: 964-2982-53-6

قیمت: 290 / روپے

ملنے کا پتہ

نور الہدیٰ مرکز تحقیقات (نمت)

نور الہدیٰ ٹرسٹ/سادات کالونی/بارہ کہو/اسلام آباد/فون نمبر: 051-2231937

Web: www.nooremarfat.com

Email: noor.marfat@gmail.com

تحقیقاتی مرکز برائے اسلامی افکار و ثقافت

Web: www.islamic.iict.org

Email: iict.ac.ir@gmail.com

فہرست

عرض ناشر _____ 11

سخن _____ 13

تعارف _____ 15

دیباچہ _____ 19

پہلا باب

معجزہ کی پہچان؟

وحی اور معجزہ کی آپس میں وابستگی _____ 23

معجزہ کا مفہوم: _____ 27

معجزہ کا اصطلاحی معنی _____ 28

معجزہ کی حقیقت اور اس کا دوسرے خارق عادت افعال سے فرق _____ 31

۱۔ اہداف _____ 32

۲۔ حدود _____ 33

۳۔ ماورائے طبیعت کے ساتھ ارتباط _____ 33

۴۔ خارق عادات کام انجام دینے والوں کا کردار _____ 34

۵۔ اسباب و وسائل _____ 35

معجزے اور اولیائے الٰہی کی کرامات کے درمیان فرق _____ 35

جدید و قدیم عیسائیت کی نگاہ میں معجزہ کی تعریف _____ 38

دوسرا باب

معجزہ کا وجود

کس طرح یقین کریں؟ _____ 43
مصنوعی نیند کا مشاہدہ _____ 45
دوسروں کے روحی اضطراب سے آگاہی _____ 46
ارواح کو حاضر کرنا _____ 48
ایک اور زاویے سے _____ 51
معجزہ کے بنیادی اصول _____ 54
معجزہ اور سائنس _____ 62
تنقیدی جائزہ _____ 64
معجزہ اور عقلی قوانین _____ 67
اشاعرہ کا نظریہ _____ 68
اشاعرہ کے نظریے پر ایک تنقیدی نظر _____ 72
قدرت خدا کا قبیح افعال سے ارتباط _____ 78
معجزات کے بارے میں نظریہ تأویل _____ 80
الف:۔ عوام کی جانب سے طلب کیے جانے والے معجزات کا انکار _____ 82
ب:۔ خدائی اصولوں کا ناقابل تبدیل ہونا _____ 84
تنقیدی جائزہ _____ 84
معجزے کا قرآنی اور عقلی تجزیہ _____ 88

قانون علیت اور قرآن _____ 88
علت کا مفہوم عام: _____ 89
قبولیت معجزہ کا عقلی امکان _____ 93
قانون علیت اور اس کے مصادیق کے مابین فرق _____ 94
ماوراء الطبیعت اور قانون علیت کا دائرہ کار _____ 95
معجزہ قانون کی خلاف ورزی یا قانون کا بیان؟ _____ 97
معجزہ، فعل خدا یا پیغمبر؟ _____ 100

تیسرا باب

معجزہ کا فلسفہ

معجزہ اور اثبات رسالت _____ 107
اثبات نبوت کے مختلف راستے _____ 109
اثبات نبوت کے مختلف نظریات کے فرق کا سرچشمہ _____ 113
اثبات نبوت میں معجزہ کا کردار _____ 117
فعل خدا کے بامقصد ہونے میں شک وتردید _____ 117
معجزہ قدرت کی علامت _____ 119
معجزہ اور نامعلوم مادی قوانین _____ 120
عوام کا معجزہ پر اظہار اطمینان _____ 121
دلالت معجزہ کی کیفیت _____ 123

چوتھا باب

معجزات کی ماہیت و حقیقت

انبیاء علیہم السلام کے معجزات کا باہمی فرق اور ان کا سرچشمہ _____ 131
قرآن پیغمبر خاتم ﷺ کا جاودانی معجزہ _____ 135
قرآن کریم اور تحدی _____ 138
عاقلانہ دعوت _____ 140
قرآن کی تحدی کی حدود _____ 141
بولتا معجزہ اور دائمی چیلنج _____ 143
قرآن کی مثل لانے میں بشر کی عاجزی _____ 146
صرفہ، ایک غلط نظریہ _____ 148
قائلین صرفہ کی دلیل _____ 149
نظریہ صرفہ کا تنقیدی جائزہ _____ 150
الف) دعویٰ _____ 150
ب) نظریہ صرفہ کے دلائل _____ 151
ج: ارادہ و قوت _____ 152
ناکام کوششیں _____ 153
وحی کا بے مثل ہونا _____ 154

پانچواں باب

قرآن کے اعجاز کی حدود

۱۔ قرآن کی ظاہری ساخت _____ 159

قرآن کا ظاہری حسن و زیبائی _____ 167

کلمات کا انتخاب _____ 171

بلاغت _____ 184

نظم و اسلوب _____ 190

تمثیل _____ 208

استعارہ _____ 210

کنایہ _____ 211

۲۔ پیغمبر امیؐ کے بے نظیر معارف _____ 214

خدائے کائنات، قرآن کریم کی نظر میں _____ 216

انسان، قرآن کی نظر میں _____ 219

نبوت، قرآن کی نظر میں _____ 222

اسرار خلقت کی طرف قرآن کے علمی اشارے _____ 225

قرآن اور فلسفہ تاریخ _____ 228

برترین اور اعلیٰ اقدار _____ 231

اعلیٰ ترین قرآنی اقدار کے چند نمونے _____ 233

قرآنی معارف کی خصوصیات _____ 238

الف) عقل و منطق کے مطابق ہونا _____ 238

ب) فطرت سے ہم آہنگی _____ 239
ج) حقیقت کی طرف رجحان اور میانہ روی _____ 239
۳۔ اختلاف اور تناقض سے دوری _____ 241

چھٹا باب

اسلامی تاریخ میں معجزہ کا تصور

پانچویں صدی ہجری _____ 251
چھٹی ہجری _____ 256
ساتویں ہجری _____ 259
دسویں ہجری _____ 268
تیرہویں ہجری _____ 268
چودھویں ہجری _____ 270
کتابیات _____ 285
کتابیات _____ Error! Bookmark not defined.

عرض ناشر

"نور الہدی مرکز تحقیقات" (نمت) "نور الہدیٰ ٹرسٹ" کا ایک ذیلی ادارہ ہے۔ اس ادارے کا نصب العین اسلام کی حقیقی تعلیمات کی ترویج کے ذریعے پاکستانی قوم اور بالخصوص ملت تشیع کو فکری پسماندگی سے نجات دلا کر اسلامی تہذیب کی تشکیل کی ٹھوس فکری بنیادیں فراہم کرنا ہے۔ پاکستان کی ملت مسلمہ کی بنیادی مشکل دینی آگہی اور اجتماعی شعور کی کمی ہے۔ لہٰذا دینی بصیرت وآگہی کو فروغ دینے اور اجتماعی شعور کو بیدار کرنے والی کتابوں کی تألیف، ترجمہ، اشاعت، سافٹ وئرز بنانا، الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے اسلامی تعلیمات کی ترویج، نیز انہی اہداف کے حصول کے لیے ایک سہ ماہی مجلہ (نور معرفت) کی اشاعت "نمت" کے عمدہ اہداف شمار ہوتے ہیں۔

"نمت" اس سے قبل نور الہدیٰ ٹرسٹ کے "شعبۂ ترجمہ و تحقیق" کی حیثیت سے کام کرتا رہا ہے اور اپنی فعالیت کے تقریباً پانچ سالوں میں اس ادارے نے قابل ذکر مطبوعات علمی حلقوں کی خدمت میں پیش کی ہیں۔

سہ ماہی" نور معرفت" کی چار سال سے مسلسل اشاعت ،حیات فاطمہ، تعلیم الاحکام، امام خمینی کی ایک مغربی دانشور سے ملاقات، حضرت زینب تاریخ کا ایک ناگزیر کردار، اسلامی پردہ،سول سوسائٹی ، امام خمینی کا سیاسی نظریہ، قرآن اور نفسیاتی دباؤ، شناخت معجزہ اور پیام قرآن کی آٹھویں ،نویں اور دسویں جلد کا اردو ترجمہ اس ادارے کی عمدہ قلمی کاوشیں ہیں۔

خداوند تعالیٰ سے دعا ہے کہ " نمت "کو اپنے اہداف کے حصول میں مزید کامیابیاں عطا فرمائے اور قارئین کو ہماری مطبوعات کے مطالعہ سے نورِمعرفت حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین!)

ڈائریکٹر

"نور الہدی مرکز تحقیقات"(نمت)

ڈاکٹر شیخ محمد حسنین

سخن

جدید فکری بنیادوں پر استوار "تحقیقاتی مرکز برائے اسلامی افکار و ثقافت" کا سنگ بنیاد اور کام کا آغاز ۱۳۷۳ھ ۔ ش بمطابق ۱۹۹۴ء میں ہوا۔ سوال یہ ہے کہ ایسے تحقیقاتی مرکز کی ضرورت کیونکر محسوس کی گئی؟'' اس سلسلہ میں ہم قارئین کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کرواتے ہیں کہ اسلامی دانشوروں کو تین اہم گروہوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے: ٹریڈیشنلسٹ یا قدامت پرست، جدت پسند اور روشن فکر۔

قدامت پرست دانشور ماڈرن طرز تفکر اور جدید مفاہیم و نظریات کے مقابلے میں سنت [1] کو اہمیت دیتے ہیں اور کسی بھی صورت میں سنت میں دخل اندازی سے پرہیز کرتے ہیں۔ اس طرز تفکر میں سنت کی حفاظت کے لئے ماڈرن طرز تفکر اور جدیدیت کو مسترد کردیا جاتا ہے اور عصری تقاضوں کی روشنی میں دینی متون کی جدید تفسیر، غور وخوض اور تجزیہ کرنے پر سخت پابندی ہے۔

جدت پسند اسلامی دانشور، روایتی و قدامت پرست دانشوروں کے بالکل برعکس ہیں؛ ماڈرن طرز تفکر اور جدید نظریات کو اہمیت دیتے ہیں اور روایتی اور قدامت پسندانہ افکار کو ماڈرن طرز تفکر اور جدیدیت کے قالب میں ڈھالنے کی کوشش کرتے ہیں۔

جس طرح روایتی طرز تفکر کا نتیجہ قدامت پسندی، بنیاد پرستی، علیحدگی اور رجعت پسندی کی صورت میں برآمد ہوتا ہے اسی طرح جدت پسندی کے نتیجہ میں تمام معاشرتی میدانوں میں

---

[1] سنت کا مطلب صرف احادیث نہیں بلکہ تمام اسلامی متون اور تعلیمات ہیں خواہ وہ کسی بھی صورت میں موجود ہوں۔

روایتی افکار و آداب نابود اور ہیومن ازم (بشریت محوری) اور سیکولرازم (جدائی دین از سیاست) کا بول بالا ہوتا ہے۔

جدید مذہبی روشن فکری کے حامل دانشور روایتی اور ماڈرن طرز تفکر کے باہمی ٹکراؤ کی صورت میں سنت کو اہمیت دیتے ہیں؛ لیکن اس کے ساتھ ہی ماڈرن طرز تفکر کے حامل مفاہیم کو روایتی طرز تفکر کی کسوٹی پہ پرکھ کر نئے انداز اور جدید تفکر کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ اس تیسرے طرز تفکر کے نتیجہ میں آزادی، ڈیموکریسی اور اجتماعی عدالت جیسے جدید نظریات کے مقابلے میں حریت، مساوات اور اسلامی جمہوریت جیسے الفاظ سامنے آتے ہیں۔

اسی انداز تفکر کے حامل افراد نے عقل کی روشنی میں حقیقت کی شناخت، حقائق تک پہنچنے اور اقدار (کیا کرنا چاہیے اور کیا نہیں کرنا چاہیے) کو بیان کرنے کے سلسلہ میں اسلامی طرز تفکر کو انتخاب کیا ہے اور اسی کی روشنی میں حکومتی، ثقافتی، معاشی، سیاسی اور معاشرتی شعبوں میں نئے نظریات پیش کیے ہیں۔ اس سلسلہ میں " تحقیقاتی مرکز برائے اسلامی افکار و ثقافت " کی جانب سے بین الاقوامی سطح پر اب تک آٹھ سو سے زیادہ کتب و تحقیقی مضامین شائع کیے جاچکے ہیں۔ ان کتب اور مضامین میں مغربی طرز تفکر پر حاوی ہیومن ازم (بشریت محوری) اور سیکولرازم (جدائی دین از سیاست) کے علاوہ روایتی طرز تفکر پر بھی کڑی نکتہ چینی کی گئی ہے اور اسلامی عقلانیت اور متفقہ منطقی دلائل کے دائرے میں رہتے ہوئے روایتی افکار و آداب کی روشنی میں جدید دینی تفکر کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے۔

والسلام

علی اکبر رشاد

تحقیقاتی مرکز برائے اسلامی افکار و ثقافت

تعارف

اسلامی دنیا میں انمول علمی خدمات انجام دینے والی تحقیقاتی مرکز برائے اسلامی افکار و ثقافت اور اس کی بنیاد رکھنے والی عظیم شخصیت حجۃ الاسلام والمسلمین علی اکبر رشاد کا تعارف پیش کیا جارہا ہے: حجۃ الاسلام والمسلمین علی اکبر رشاد نے ۱۳۴۶ھ ۔ ش بمطابق1967ء میں تہران کے دینی مدرسہ میں مذہبی تعلیم کا آغاز کیا۔ابتدائی تعلیم کے بعد۱۳۴۹ھ ۔ ش بمطابق1970ء میں قم تشریف لائے اور آیت اللہ حسن تہرانی، آیت اللہ صلواتی اراکی، آیت اللہ اشتہاردی، آیت اللہ حرم پناہی قمی، آیت اللہ اعتمادی تبریزی، آیت اللہ بنی فضل تبریزی، آیت اللہ یوسف صانعی، آیت اللہ سید علی محقق داماد اور آیت اللہ سبحانی تبریزی جیسے فاضل اساتذہ سے فقہ و اصول کے مختلف درجات میں کسب فیض کیا۔ اسلامی فلسفہ کی تعلیم کے لئے قم اور تہران میں استاد احمد بہشتی، محمدی گیلانی اور شہید مطہری جیسے اساتید کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ تہران اور قم ہی میں بیس سال سے زائد عرصہ تک آیت اللہ حسین وحید خراسانی، آیت اللہ علی مشکینی، آیت اللہ حسین علی منتظری، آیت اللہ سید علی خامنہ ای اور آیت اللہ مجتبی تہرانی کے فقہ و اصول کے دروس خارج میں شرکت کرتے رہے۔

استاد رشاد گذشتہ تین عشروں سے حوزہ علمیہ تہران میں فقہ و اصول اور فلسفہ و عرفان کی تعلیم دینے کے علاوہ مختلف یونیورسٹیوں میں فلسفہ دین، علوم قرآن اور روش فہم دین پڑھا رہے ہیں اور گذشتہ دس سال سے فقہ و اصول کے درس خارج کی تعلیم دینے کا فریضہ بھی ادا کر رہے ہیں۔ حجۃ الاسلام علی اکبر رشاد ثقافتی انقلاب کی سپریم کونسل، عالمی مجلس تقریب بین مذاہب اسلامی اور مکالمہ ادیان کی پالیسی ساز کمیٹی کے رکن ہونے کے علاوہ ''تحقیقاتی مرکز برائے اسلامی افکار و ثقافت'' کے بانی اور سرپرست بھی ہیں۔

''تحقیقاتی مرکز برائے اسلامی افکار و ثقافت'' کا شمار ایران کے غیر سرکاری اور عظیم تحقیقاتی و علمی مراکز میں ہوتا ہے۔ فلسفہ، معرفت شناسی (ایپیسٹمولوجی) [1]، عرفان، قرآن کریم، کلام و دین، منطق فہم دین، اخلاق، فقہ، قانون، سیاست، اقتصاد، اسلامی منیجمنٹ، مغرب اسٹڈیز، تاریخ و تمدن، کلچرل اسٹڈیز، اسلامی انقلاب اور ادبیات جیسے موضوعات پر ریسرچ میں مصروف عمل یہ ریسرچ یونیورسٹی چار ذیلی ''ریسرچ کالجز'' اور بیس ''بورڈ آف ایکسپرٹس'' پر مشتمل ہے۔

ہمعصر فکری مباحث اور مذکورہ بالا موضوعات کا تنقیدی جائزہ لینے اور نئے افق روشن کرنے کے لئے ۱۳۷۳ھ ۔ ش بمطابق ۱۹۹۴ء میں اس تحقیقاتی یونیورسٹی کا افتتاح کیا گیا۔ یونیورسٹی کی جانب سے محققین کے آٹھ سو سے زیادہ علمی شاہکار شائع کیے جاچکے ہیں اور اس وقت یونیورسٹی کی جانب سے فلسفہ دین کے بارے میں (علمی اور تحقیقاتی میدان میں انعام یافتہ) خصوصی جریدہ ''قبسات''، معرفت شناسی (ایپیسٹمولوجی) کے حوالے سے اسپیشل جریدہ ''ذہن''، اسلامی اقتصادیات کے موضوع پر (علمی اور تحقیقاتی میدان میں انعام یافتہ) سہ ماہی ''اقتصاد اسلامی''، اسلامی قوانین کے حوالے سے (علمی اور تحقیقاتی میدان میں انعام یافتہ) جریدہ ''حقوق اسلامی''، فکری اور تنقیدی میدان میں جریدہ ''کتاب نقد''، معاصر ایران کی تاریخ اور سیاسی سوشیالوجی کی شناخت کے لیے ''ماہنامہ زمانہ''، فلسفہ اور الہیات کی گتھیاں سلجھانے کے لئے انگریزی زبان میں سہ ماہی بین الاقوامی رسالہ ''حکمت'' اور اسلام کے اجتماعی نظام پر روشنی ڈالنے کے لئے عربی زبان میں سہ ماہی جریدہ ''الحکمۃ'' شائع کیا جارہا ہے۔

گذشتہ دس سال میں تحقیقاتی مرکز برائے اسلامی افکار و ثقافت کی طرف سے حجت الاسلام والمسلمین علی اکبر رشاد کی زیر سرپرستی مندرجہ ذیل چار انسائیکلوپیڈیا تحریر کیے جاچکے ہیں:

۱۔ دانشنامہ امام علی علیہ السلام (۱۳ جلدوں میں شائع ہوچکا ہے)

---

[1] Epistemology

۲۔ دانشنامہ قرآن شناسی (۳۵ جلدوں میں مکمل ہوگیا ہے)
۳۔ سیرہ نبوی (۱۵ جلدوں پر مشتمل یہ انسائیکلوپیڈیا تدوین کے مراحل میں ہے)
۴۔ فرہنگ فاطمی (۶ جلدوں میں مکمل ہو چکا ہے)

جناب علی اکبر رشاد حوزہ علمیہ امام رضا(ع) کے بانی اور سرپرست بھی ہیں جہاں تمام حوزوی دروس کی تعلیم دی جاتی ہے۔ نیز اسلامی نظام ثقافتی و اجتماعی مطالعات، انسائیکلوپیڈیا اور فلسفہ ودین فیکلٹیز کے علاوہ علمی روابط کو وسعت دینے کے لئے ایک بین الاقوامی تحقیقاتی ادارہ تشکیل دیا جارہا ہے۔

یاد رہے کہ اس وقت تک دو سو سے زائد پراجیکٹ، دنیا کی مختلف زبانوں میں ترجمہ و طباعت کے لئے منظور کیے جاچکے ہیں۔ اس کے علاوہ عالمی مسائل کے بارے میں بین الاقوامی شخصیات کے نظریات کا تنقیدی جائزہ لینے اور جدید نظریات کو منظر عام پر لانے کے لئے مزید کام انجام پارہے ہیں۔ تحقیقاتی ادارے کے زیر نظر متعدد مراکز اور سنٹرز نوجوانوں اور اسٹوڈنٹس کے لئے خصوصی علمی شاہکار تخلیق کرنے میں مصروف عمل ہیں۔

دیباچہ

ای جلوہ جمال تو برتر زھرثنا
عجز از ثنای ذات تو بھتر زھرثنا
چشم شھود نیست و گرھست
بیندتچون آفتاب در دل ھر ذرہ مبتلا

انسانی فطرت اور منطقی تفکر ہمیشہ سے کائنات کے حقائق اور اس کے علل و غائت کی جستجو میں مگن رہے ہیں۔اسی وجہ سے انسان نے کبھی بھی خود کو ظاہری حواس کے دائرے میں محدود نہیں کیا بلکہ ہمیشہ مادہ سے ماوراء کسی جہان کی تلاش میں سرگرداں رہا ہے۔ اس نظریے کی روشنی میں خدااور اس کی آیات و نشانیوں پر ایمان ایک با معنی اور معقول عقیدہ شمار ہوتا ہے۔ اس تفکر کی بنابر معجزہ، حقیقت پسند انسانوں کی فطرت کے لیے ایک غیبی آیت اور الٰہی جواب ہے جو تاریخ نبوت میں خداوند متعال کی طرف سے مبعوث رہنماؤں کے تعارف اوران کی تائید و تصدیق کی خاطر پیش کیا گیا۔

علم ودانش کے جدید وسائل نے ایک طرف انسان کے سامنے مادی دنیاکے دروازے کھول دیئے اور دوسری طرف اس راستہ کے مسافروں کی آنکھوں کے سامنے ایک ایسا عظیم حجاب حائل کردیا جس کی وجہ سے وہ برترین وجودی حقائق کے فہم وادراک سے عاجز ہوگئے۔ شناخت معرفت کے اس طلسماتی طریقہ کار نے اپنے معتقدین کو اس طرح لبھایا کہ عینی اور حقیقی واقعیات کو کمزور حسی اور تجرباتی وسائل کے آئینے میں دیکھنے لگے۔

اسی وجہ سے مکتب تجربہ کے بعض شاگردوں نے عصردین اور میٹافزکس (Metaphysics) کو اختتام پذیر خیال کیااور بعض نے ہر چیز کو تجربے کی کسوٹی پر پرکھااور غیر تجرباتی امور کو انکار یا تردید کی نگاہوں سے دیکھا۔ بنابریں تجرباتی حدود سے باہر رونما ہونے

والے معجزے کو سخت چیلنج کا سامنا کرنا پڑا اور یہ بات بھی واضح ہے کہ وجودی اور عینی حقائق کو بظاہر عالمانہ انداز کے ذریعے تبدیل نہیں کیا جاسکتا اور حقائق کو نیستی وعدم میں بدلا نہیں جاسکتا۔

اس کے علاوہ معنی میں سوء تفاہم، عینی اور حقیقی مصادیق، معجزات کی حقیقت، اعجاز کی شناخت وجودی کا طریقہ کار اور معجزہ کے ظہور کا غائی فلسفہ اور اس کے علاوہ دوسرے مسائل کو اس موضوع پر اضافہ کیا جاسکتا ہے۔کتاب حاضر تفکر دینی کے بنیادی اصولوں میں سے ایک اصل کے تجزیہ و تحلیل کے متعلق ایک کوشش ہے۔اس کتاب میں اسلامی نظریے اور تفکر کے مطابق معجزہ کے حقیقی مفہوم کی وضاحت کی کوشش کی گئی ہے۔کتاب کے دوسرے باب میں اعجاز کی حقیقت کی وضاحت کی گئی ہے کہ جس میں مخصوص دلائل کے ذریعے معجزات کے امکان اور وقوع کو ثابت کیا گیا ہے۔

تیسرا باب، ہدف معجزہ، مقام معجزہ اور اثبات نبوت پر اُس کی دلالت پر مشتمل ہے۔

چوتھے باب میں انبیاء علیہم السلام کے معجزات کا تنوع، ان کے درمیان فرق کا راز اور پیغمبر اسلام ﷺ کے دائمی معجزہ یعنی قرآن کے بارے میں اشارہ کیا گیا ہے۔

پانچویں باب میں آئین محمدی ﷺ کی حقانیت کی علامت یعنی قرآن کریم کے اعجاز کے افق وحدود پر ممکنہ حد تک نگاہ ڈالی گئی ہے۔

آخری باب میں قارئین کو مسلمان دانشوروں کے مختصر نظریات سے آگاہ کرنے کے لیے، مسلمان دانشوروں کی نگاہ میں معجزہ کی بحث کے آغاز اور علمی نشیب و فراز کا اجمالی جائزہ لیا گیا ہے۔ارباب معرفت کی طرف سے اصلاحی نکات کی یاد آوری، مصنف کے شکریے کا باعث اور دینی تفکر کے فروغ میں ایک قدم شمار ہوگی۔

محمد باقر سعیدی روشن

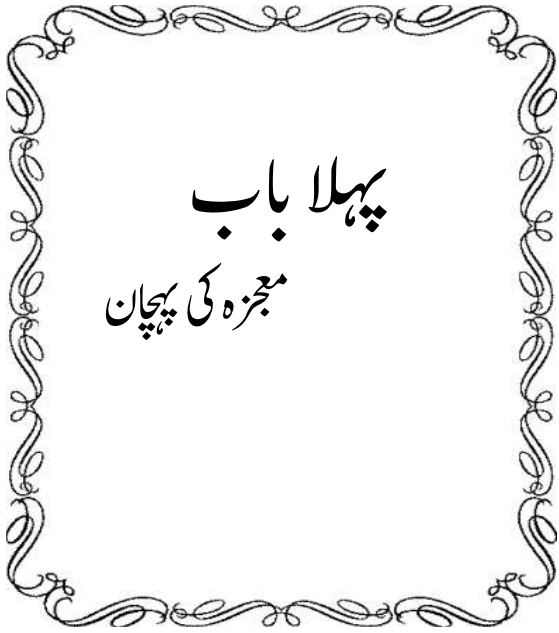

پہلا باب

معجزہ کی پہچان

وحی اور معجزہ کی آپس میں وابستگی

انسان ایک خود مختار، حس تجسّس رکھنے اور جستجو کرنے والی مخلوق ہے۔ انسان کی فطرت میں موجود صفت عقلانیت اور خود مختاری باعث بنتی ہے کہ وہ کائنات پر نظر دوڑائے، اس میں غور و فکر کرے، موازنہ کرے، فیصلہ کرے اور سب سے بہتر کا انتخاب کرے۔ دوسری جانب کرہ ارض پر حیات انسان کی تاریخ اس حقیقت کی عکاسی کرتی ہے کہ انسانی روح کے لیے دین اور عقیدہ اتنا ہی ضروری ہے جتنا اس کے بدن اور جان کے لیے غذا ضروری ہے؛ جس سے انسان کبھی بھی دستبردار نہیں ہوا۔

بنی نوع انسان حقیقت کی تلاش اور جستجو کی اسی خصوصیت کی وجہ سے وحی کے ذریعہ خدا سے ارتباط کے دعویداروں سے ان کی حقانیت کی دلیل کا تقاضا کرتی رہی ہے۔ انبیائے الٰہی بھی خداوند متعال کے ساتھ اپنے اس غیبی ارتباط کو ثابت کرنے کے لیے بوقت ضرورت اور اتمام حجت کے طور پر پروردگار عالم کی مشیت اور اذن کے مطابق واضح اور آشکار معجزات دکھاتے رہے ہیں۔ قرآن کریم نے بعض مقامات پر واضح طور پر اور بعض مقامات پر اشارہ کی صورت میں انبیاء اور سابقہ امتوں کے حالات زندگی کو بیان کرتے ہوئے بارہا انبیائے الٰہی کے معجزات کو بھی بیان کیا ہے: أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبَأُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ وَالَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ لا يَعْلَمُهُمْ إِلا اللهُ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ...[1]

---

[1] ۔ابراہیم (۱۴) آیت ۹۔

" کیا تمہارے پاس، تم سے پہلے والی قوم نوح، قوم عاد و ثمود اوران کے بعد آنے والے جنہیں خدا کے علاوہ کوئی نہیں جانتا ہے ،کی خبر نہیں آئی ہے کہ ان کے پاس اللہ کے رسول معجزات لے کر آئے تھے۔"

{ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلاً إِلَى قَوْمِهِمْ فَجَاءُوهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ... }[1]

"اور ہم نے تم سے پہلے بہت سے رسول ان کی قوموں کی طرف بھیجے ہیں جو ان کے پاس کھلی ہوئی نشانیاں لے کر آئے۔"

{لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ...}[2]

بیشک ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلائل کے ساتھ بھیجا ہے۔

مذکورہ آیات اس مطلب کو بیان کر رہی ہیں کہ ان واضح معجزات و "بینات" کا وحی سے چولی دامن کا ساتھ رہا ہے اور یہ دونوں نا قابل جدائی ہیں۔

اس پرآشوب دور اور بحرانوں سے لبریز دنیا میں آج بھی بہت سے ادیان اور عقائد، انسانوں کے اذہان اور زندگیوں میں گہرا اثر چھوڑ رہے ہیں۔ تمام ادیان کے پیروکار اپنے آئین کی تائید اور اپنے مسلک کی حقانیت کے اثبات کے لیے دلائل کے طور پر اپنے انبیاء کے معجزات کا تذکرہ کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر نمرود کی آگ کا ٹھنڈا ہونا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا صحیح وسالم رہنا، حضرت موسٰی علیہ السلام کے عصا کے حیرت انگیز کارنامے، جادوگروں کے جادو کو بے اثر کرنا، دریا کو چیر کر بنی اسرائیل کے لیے راستہ بنانا، پتھر پر عصا مار کر اس میں سے بارہ چشموں کو جاری کرنا، حضرت عیسی علیہ السلام کے ہاتھوں مردوں کا زندہ ہونا ، بیماروں کا شفا پانا۔۔۔ اس سلسلہ میں سبھی اعتراف کرتے ہیں کہ یہ غیر عادی امور، محسوس نشانیاں اور

---

[1] ۔روم (۳۰) آیت ۴۷۔

[2] ۔حدید (۵۷) آیت ۲۵۔

قابل مشاہدہ واقعات معجزات ہیں؛ البتہ یہ تمام معجزات وحی کی صنف سے نہیں ہیں ؛بلکہ صرف ایک خاص زمانے میں اس دور کے رسول کے ہاتھوں رونما ہوئے تھے اور آج ان کا کوئی اثر باقی نہیں ہے۔

تاریخ کے دامن میں ہمیشہ کے لیے محفوظ ان تمام معجزات میں خدائی آئین اور مشیت پر مشتمل صرف ایک معجزہ ایسا ہے جو بذات خود وحی پر مشتمل ہے اور جس کی حقانیت اور خدائی ہونے کی دلیل اس کے ہمراہ ہے۔ یہ معجزہ بہترین انداز میں ہمیشہ انسانوں کو غور وفکر کرنے کی دعوت اور ببانگ دہل اعلان کرتا چلا آ رہا ہے کہ اگر تمہیں اس معجزے کے خدائی ہونے کے بارے میں کوئی شک وتردید ہے تو تم سب مل کر اور اپنی پوری انسانی طاقت کو بروئے کار لا کر اس کی مانند پیش کرو۔ اگر تم ایسا نہ کرسکے اور ہر گز ایسا نہیں کر سکوگے تو پس جان لو کہ یہ کتاب انسانی سوچ کی پیداوار نہیں ہے؛ بلکہ کائنات کے خالق کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔

چون که قرآن نازل آمدز آسمان — اینچنین طعنه زدند آن کافران
که اساطیر است و افسانه نژند — نیست تحقیقی و تعمیقی بلند
گفت گر آسان نماید این به تو این — چنین آسان یکی سوره بگو
ظاهرش دیدی زمعنا غافلی — باطنش راکن نگه گر عاقلی[1]

[1] ۔ مولوی۔ جب قرآن کریم نازل ہوا تو کفار نے نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا کہ یہ افسانہ اور داستانیں ہیں۔ قرآن اپنے اندر اعلی وارفع معارف کو سموئے ہوئے نہیں ہے۔ اس نے جواب میں کہا کہ اگر تمہیں یہ آسان معلوم ہوتا ہے تو اس طرح کی ایک سورہ لے آؤ۔ تم نے فقط اس کے ظاہر کو دیکھا ہے اور اس کے معنی سے غافل ہو اور اگر تم عقلمند ہو تو اس کے باطن کی طرف نگاہ کرو۔

یہ جاوداں معجزہ و نشانی مسلمانوں کی آسمانی کتاب "قرآن مجید" ہے؛ جو اسلام اور پیغمبر خاتمؐ حضرت محمد ﷺ کی حقانیت کی سند شمار ہوتا ہے۔ یہ دنیا کے تمام دانشوروں کو تعقل اور عقلانی زندگی گزارنے کی دعوت دیتا ہے۔

{وَقَالُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَاتٌ مِنْ رَبِّهِ قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِنْدَ اللهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُبِينٌ أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَى عَلَيْهِمْ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَرَحْمَةً وَذِكْرَى لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ}[1]

"اور یہ کافر لوگ کہتے ہیں کہ (اگر وہ خدا کی طرف سے مبعوث ہوا ہے تو) آخر ان پر پروردگار کی طرف سے آیات اور معجزات کیوں نہیں نازل ہوتے ہیں؟ آپ کہہ دیجئے کہ آیات سب اللہ کے پاس ہیں اور میں تو صرف واضح طور پر عذاب الٰہی سے ڈرانے والا ہوں۔ کیا ان کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ پر کتاب نازل کی ہے جس کی ان کے سامنے تلاوت کی جاتی ہے اور یقیناً اس میں رحمت اور ایماندار قوم کے لیے یاد دہانی کا سامان موجود ہے۔"

قرآن مجید میں کئی مرتبہ ذکر ہونے والی آیات تحدی سے واضح ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ کی حقانیت کی سب سے بڑی نشانی قرآن، ایک ایسا فکری اور ثقافتی معجزہ ہے جو پیغمبر اسلامؐ کی ذات سے وابستہ نہیں ہے؛ بلکہ یہ کتاب انتہائی مستحکم اور خود اپنی حقانیت کی دلیل اور دیگر انبیاء کے دور میں رونما ہونے والے تمام معجزات سے مختلف ہے۔

بیان کردم کنون سحر جلالت
کزین سحر است جاویدان کمالت[2]

---

[1] ۔ عنکبوت (۲۹) آیت ۵۰۔۵۱۔

[2] ۔ میں نے اب فصیح و بلیغ کلام کو بیان کیا ہے جس سے تیرا جاوداں کمال اجاگر ہوتا ہے۔ (عطا نیشابوری)

معجزہ کا مفہوم

لفظ معجزہ، ''اعجاز'' سے ماخوذ ہے اور اعجاز ثلاثی مجرد کے مصدر ''عجز'' سے مشتق ہے جس کا معنی عاجزی، ناتوانی اور ہر چیز کا خاتمہ ہے۔ لغت کی کتابوں اور اس لفظ کے مختلف استعمالات کو دیکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ یہ لفظ در حقیقت قدرت اور طاقت کے مقابلے میں استعمال ہوتا ہے۔ جس طرح قدرت و طاقت کے مختلف مراتب ہیں اسی طرح عجز اور ناتوانی کے بھی مختلف مصادیق اور مراتب ہیں۔ معجز اور، معجزہ اسم فاعل مفرد کا صیغہ ہے جس کا مطلب "ناتوان کرنے والا" ہے اور اس کی جمع ''معجزات'' ہے۔

﴿... وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللهِ ...﴾[1]

''جان لو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے ہو۔''

اسی حقیقت کی طرف ایک اور آیت میں اشارہ کیا گیا ہے کہ دنیا کی کسی مخلوق کے بس کی بات نہیں ہے کہ وہ خداوند عالم پر برتری حاصل کرے اور اس پر غلبہ پالے۔

﴿... وَمَا كَانَ اللهُ لِيُعْجِزَهُ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ ...﴾[2]

''اور خدا ایسا نہیں ہے کہ زمین و آسمان کی کوئی شے اسے عاجز بنا سکے۔''

''معاجزہ'' مصدر سے ماخوذ فعل ''عَاجَزَ'' عجز و ناتوانی میں استمرار کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

﴿وَالَّذِينَ يَسْعَوْنَ فِي آيَاتِنَا مُعَاجِزِينَ أُولَئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُونَ﴾[3]

---

[1] ۔ توبہ (۹) آیت ۲۔

[2] ۔ فاطر (۳۵) آیت ۴۴۔

[3] ۔ سبأ (۳۴) آیت ۳۸۔

"اور جو لوگ ہماری نشانیوں کو مٹانے کے لئے دوڑ دھوپ کر رہے ہیں وہ جہنم کے عذاب میں جھونک دیئے جائیں گے۔"

یہ آیت شریفہ بیان کر رہی ہے کہ ایک گروہ حق کے خلاف مقابلے کی کوشش میں مصروف ہے؛ جبکہ وہ کامیاب نہیں ہوگا اور اس کوشش میں وہ ناتوان اور عاجز ہے۔ "عجوز" کی جمع "عجائز" اور "عُجُز" ہے اور لغت میں اس کا معنی جسمانی طاقت میں بہت زیادہ کمزوری ہے۔

﴿قَالَتْ يَا وَيْلَتَا أَأَلِدُ وَأَنَا عَجُوزٌ وَهَذَا بَعْلِي شَيْخًا إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ عَجِيبٌ﴾[1]

"(تو انھوں نے کہا) کہ ہائے مصیبت! اب میرے یہاں بچہ ہوگا جب کہ میں بوڑھی ہوں اور میرے میاں بھی بوڑھے ہیں؛ یہ تو بالکل عجیب سی بات ہے۔"

"عجز" کی جمع "اَعجاز" ہے۔ جو خاتمہ، انتہا اور درخت کی جڑ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے چونکہ درخت کی زندگی اور بقا اسی سے وابستہ ہے اور اس کی کمزوری درخت کی نابودی کا باعث ہے۔

{...فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعَى كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ﴾

"تو تم دیکھتے ہو کہ قوم بالکل مردہ پڑی ہوئی ہے جیسے کھلوکھلے کھجور کے درخت کے تنے۔"

معجزہ کا اصطلاحی معنی

علم کلام و علم تفسیر کی اصطلاح میں معجزہ سے مراد ایک ایسا حیرت انگیز، خارق عادت اور عالم مادہ کے قوانین سے متصادم کام ہے جسے انبیائے الٰہی اپنے دعوائے رسالت کے ثبوت کے طور پر پیش کرتے ہیں اور عام لوگ اس جیسا کام انجام دینے سے عاجز اور ناتواں ہوتے ہیں۔

---

[1] ۔ ہود (۱۱) آیت ۷۲۔

﴿الاعجاز امر خارق للعادۃ، مقرون بالتّحدی، سالم عن المعارضہ یُظھِر اللہ علی ید انبیائہ لیکون دلیلاً علی صدق رسالتھم﴾[1]

معجزے کے اصطلاحی معنی کے سلسلہ میں بعض قدیمی تالیفات کی طرف اشارہ کرتے ہیں جن میں قابل غور نکات بیان ہوئے ہیں۔

ابو الحسن علی بن عیسی الرمانی(386ھ) کا عقیدہ ہے کہ معجزہ؛ مادی قوانین سے متصادم اور تحدی پر مشتمل ایک ایسا ناقابل معارضہ فعل ہے جس کا مقابلہ نہ کیا جاسکتا ہو۔[2] یہی کلام ان کے ہم عصر ابو سلیمان الخطابی کی تالیفات میں بھی ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔[3]

ابوبکر محمد بن طیب باقلانی(403ھ) معجزہ زیادہ تر تحدی (چیلنج) اور دوسروں کے عجز و ناتوانی کے نمایاں ہونے پر دلالت کرتا ہے۔[4]

ابوبکر عبدالقاہر بن عبدالرحمٰن الجرجانی(471ھ) معجزہ قدرت بشری پر فوقیت اور چیلنج کی جہت کے واضح ہونے (کہ کس حیثیت سے اس کا مقابلہ کیا جائے) پر تاکید کرتا ہے۔[5]

---

[1] ۔ رجوع کریں: علم کلام کی کتب میں بحث نبوت اور علوم قرآن کی کتب میں بحث اعجاز۔ مثلاً تعریفات ص ۹۶، شرح اصول خمسۃ ص ۵۶۸۔ الفرق، ص ۳۴۴۔ الملل والنحل، ج۱، ص ۱۰۲۔ تلخیص المحصل ص ۳۵۰۔ الارشاد جوینی ص ۳۰۷، نہایۃ الاقدام، ص ۴۲۳، الاقتصاد غزالی ص ۱۷۴۔

[2] ۔ النکت فی اعجاز القرآن، ثلاث وسائل، ص ۱۰۱، تحقیق: محمد خلف اللہ و محمد زغلول سلام۔

[3] ۔ بیان اعجاز القرآن، ثلاث رسائل ص ۲۰، تحقیق محمد خلف اللہ و محمد زغلول سلام۔

[4] ۔ اعجاز القرآن، ص ۲۳۰۔

[5] ۔ الرسالۃ الشافیہ، ثلاث رسائل ص ۱۲۳۔

جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی (911ھ) معجزہ خارق عادت اور چیلنج پر مشتمل ہونے کے علاوہ مقابلے سے محفوظ ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ انھوں نے معجزات کو دو قسموں: حسی اور عقلی میں تقسیم کیا ہے۔[1]

خواجہ طوسیؒ معجزہ کی حقیقت کے بارے میں فرماتے ہیں: معجزہ ایک ایسا امر جو عالم مادہ کے اصولوں کے برخلاف ہو یا عادی چیز کی نفی کرے نیز دعوی کیساتھ مطابقت بھی رکھتا ہو۔[2]

آیت اللہ خوئی نے معجزہ کی درج ذیل خصوصیات بیان کی ہیں:

الف) معجزہ یعنی جسے منصب الٰہی کے دعوے کو سچ ثابت کرنے کے لیے پیش کیا جائے۔

ب) جس چیز کو معجزہ کے طور پر پیش کیا جائے وہ عقل و شرع کی رو سے ممکن ہو۔

ج) معجزہ دعوی کے مطابق ہونا چاہیے۔ مثلاً یہ نہ کہے کہ چشمے سے پانی نکالوں گا اور چشمہ خشک ہو جائے گا۔

د) تعلیم و تعلّم کے قابل نہ ہو۔

ھ) چیلنج کرنا اور اس کا جواب لانے والوں کا عجز واضح ہو۔[3]

گزشتہ تعریفوں سے معلوم ہوتا ہے کہ معجزہ درج ذیل بنیادی صفات کا حامل ہوتا ہے:

ا۔ معجزہ ایک عادی فعل نہیں ہوتا؛ بلکہ ایسا امر ہے جو عالم مادہ کے رائج قوانین کے برخلاف اور بشری طاقت سے خارج ہوتا ہے۔ یہ خصوصیت انبیاء علیہم السلام کے معجزوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے؛ بلکہ عاملوں، جادوگروں، پراسرار علوم رکھنے والوں اور اولیاء کی کرامات کو بھی شامل ہے۔

---

[1]۔ الاتقان فی علوم القرآن ج ۲، جزء ۴۔

[2]۔ کشف المراد فی شرح تجرید الاعتقاد، ص ۲۲۷۔

[3]۔ البیان فی تفسیر القرآن ص ۳۳۔

۲۔ نبوت کی علامت شمار ہونے والا معجزہ خارق عادت، ناقابل تعلیم و تعلّم ہونے کے علاوہ کبھی مغلوب واقع نہیں ہوتا ہے۔

۳۔ معجزہ ہمیشہ نبوت کے دعوی کے مطابق اور اثبات نبوت کے لیے پیش کیا جاتا ہے۔ چیلنج اور مثل لانے کے دعوت سے عاری بہت سے خارق عادت کے برعکس معجزہ چیلنج اور اس کی مثل لانے کی دعوت عام پر مشتمل ہوتا ہے۔

معجزہ کی حقیقت اور اس کا دوسرے خارق عادت افعال سے فرق

معجزہ کی حقیقت کیا ہے؟ اس کا سببِ وجودی کیا ہے؟ معجزہ اور جادو، کہانت، ہپناٹزم، مائناٹزم، [1]علم نجوم، دیگر پراسرار قوتوں، عاملوں اور پراسرار علوم کے مالک افراد کے افعال، نابغہ

---

[1]۔ سحر، یعنی جادو، فریب، کسی کی عقل کو نگاہ، کلام یا کسی ایسی چیز کے وسیلے سے اپنے کنٹرول میں کرنا کہ جس کا مأخذ لطیف اور دقیق ہو۔ (لغت نامہ دھخدا ج ۸ طبعہ دانشگاہ) خلاصہ یہ کہ سحر، ایسا خارق عادت امر ہے جو لوگوں کے اندر مختلف آثار وحالات کا موجب بنتا ہے۔ یہ عمل کبھی صرف نظر بندی، شعبدہ بازی اور انتہائی چابکدستی کے ذریعے انجام پاتا ہے اور کبھی روحانی اور پراسرار علوم کے ذریعے ہوتا ہے۔ سحر، تاریخ بشریت کے قدیم ترین آثار میں سے ہے؛ اسی وجہ سے قرآن کریم فرماتا ہے:«كذلك ما اتي الذين من قبلهم من رسول الاّ قالوا ساحراو مجنون»؛ قرآن میں سحر اور اس سے مشتق الفاظ کا تقریباً ۵۰ مرتبہ ذکر ہوا ہے۔ بعض آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ سحر کا اثر، نظر بندی، قوہ خیال اور فریب کی وجہ سے ہوتا ہے:«فاذاحبالهم و عصيهم يخيّل اليه من سحرهم انها تسعي..... فلمّا القوا سحروا اعين الناس واسترهبوهم» بعض آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ سحر کا اثر حقیقی ہے:مايضرهم ولا ينفعهم فيتعلمون منها مايفرقون به بين المرء وزوجه.»

کہانت: سے مراد ارواح بشری کا مادہ سے عاری روحوں یعنی جن اور شیاطین کے ساتھ رابطہ ہے اور اس کا مقصد عالم مادہ میں پیش آنے والے واقعات کے بارے میں مطلع ہونا ہے۔ کہانت زیادہ تر عربوں کے درمیان رائج تھی۔ "شق" اور "سطیح" دو مشہور کاہن تھے جن کی داستانیں سیرت کی کتابوں خصوصاً ماوردی کی کتاب "اعلام النبوہ" میں مذکور ہیں۔ پیغمبر اسلامؐ کی بعثت کے بعد آنے والے کاہن نورِ نبوت کے غلبہ کی وجہ سے غیبی امور کے بارے میں آگاہی حاصل کرنے سے محروم ہوگئے۔ بعض روایتوں کی بناء پر نبوت کے بعد کہانت ختم ہو گئی۔ فخر رازی کی کتاب "سرّ المکتوم" میں مذکور ہے کہ کہانت کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی قسم بعض نفوس کے خواص میں سے ہے اور یہ اکتسابی نہیں ہے۔

دوسری قسم اکتسابی یعنی مضرات اور ستاروں سے مدد طلب کرنے اور ان کی طرف منتقل ہونے پر مشتمل ہوتی ہے۔ اسی لیے شریعت اسلام میں یہ راہ اختیار کرنا حرام اور اس کا علم حاصل کرنے سے پرہیز واجب ہے۔ پہلی قسم علم "العرافہ" شمار ہوتی ہے۔ (کشف الظنون ج ۲، ص ۱۵۲۴۔)

افراد کی علمی ایجادات کے درمیان کیسے فرق تلاش کیا جائے؟ مذکورہ امور میں سے ہر ایک اگرچہ عام انسانوں کی طاقت سے بالاتر اور ایک قسم کے خارق عادت کام پر مشتمل ہے؛ لیکن انبیاء علیہم السلام کے معجزوں میں کچھ ایسی بنیادی خصوصیات پائی جاتی ہیں جو انہیں اُن کے مشابہ دوسرے افعال سے جدا کرتی ہیں۔ مندرجہ ذیل امور کے ذریعے ان کے درمیان پائے جانے والے فرق کو ملاحظہ کیا جاسکتا ہے:

ا۔ اہداف

انبیاء علیہم السلام کے معجزوں اور دیگر لوگوں کے افعال میں ایک بنیادی فرق ان کے اہداف اور مقاصد میں پوشیدہ ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی جانب سے پیش کیے جانے والے معجزے کا مقصد لوگوں کو خدا کی طرف ہدایت کرنا، سعادت اور اعمال صالح کی طرف دعوت دینا ہوتا ہے؛ جبکہ کاہنوں، جادوگروں، عاملوں اور ان جیسے دیگر افراد کے پراسرار اعمال میں کسی قسم کا کوئی اعلی ہدف و مقصد نہیں ہوتا بلکہ شخصی اور نفسانی فوائد و اہداف، مادی مقاصد کا حصول، حتی کہ اختلاف و تفرقہ ایجاد کرنا اور دوسرے بُرے مقاصد ان کے مورد توجہ ہوتے ہیں۔ البتہ یہ

کہانت کو "جبت" کہا گیا ہے اور خدا کے علاوہ جس شئے کی بھی پرستش کی جائے اسے طاغوت کہا جاتا ہے۔ (لغت نامہ دہخدا، ج ۱۱ طبعہ دانشگاہ۔)

ہپناٹزم: ایسا علم جو ہپنوز یعنی مقناطیسی نیند اور اس کی کیفیت کے بارے میں بحث کرتا ہے۔ ہپنوز یعنی ایسی مصنوعی، غیر طبیعی یا مقناطیسی نیند جو کسی شخص کی توجہ کے توسط سے دوسرے شخص پر طاری کی جاتی ہے اور نیند میں جانے والا شخص ہپنوٹیزر کے ارادے اور اختیار کے زیر اثر چلا جاتا ہے۔

مائنٹزم: (Maynatisme)، مقناطیس، انسانی بدن کی قوت جاذبہ، انسانی مقناطیسیت: انسان اور بعض حیوانات کے بدن میں پائی جانے والی ایک طاقت جس کی ذات اور حقیقت نامعلوم ہے لیکن اس کے آثار اور خاصیتوں کے ذریعے اس کی موجودگی کا پتہ چلایا جاتا ہے۔ انسان کے بدن سے نکلنے والی موج یا مائع چیز جو دوسرے شخص پر اثر کرتی ہے اور مخصوص حالات و شرائط میں جذب و دفع کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے اور اس کا مرکز زیادہ تر آنکھیں ہوتی ہیں اور ایسی قوت کے مالک افراد دوسروں کو تحت تاثیر قرار دے سکتے ہیں اور ان کو اپنے ارادے کے مطیع بنا سکتے ہیں یا ان پر مقناطیسی نیند طاری کر سکتے ہیں۔ اس فن کے بارے میں بہت زیادہ لکھا گیا ہے۔

فرق دونوں گروہوں کے نفسانی خواص سے پیدا ہوتا ہے۔ جیسا کہ بوعلی سینا نے اپنی کتاب "اشارات" میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے[1]۔

۲۔ حدود

انبیاء علیہم السلام کے معجزات اور دیگر خارق عادت اعمال کے درمیان دوسرا قابل توجہ فرق یہ ہے کہ معجزے کے علاوہ دیگر کاموں میں سے ہر ایک کی مخصوص حد ہوتی ہے۔ جادو، علم نجوم، علم رمل، جفر، کہانت، عاملوں اور نوابغ کے اعمال وغیرہ کی ایک خاص حد ہوتی ہے اور یہ اسی دائرے میں محدود رہتے ہیں اس طرح کہ اس حد سے باہر کارگر ثابت نہیں ہوتے۔ جبکہ اعجاز انبیاء کا دامن بہت وسیع ہوتا ہے اور اس میں مندرجہ ذیل کسی قسم کی محدودیت نہیں پائی جاتی: خاص موضوعات کے گرد نہیں گھومتا۔ مخصوص حالات اور وسائل کا محتاج نہیں ہوتا۔

تعلیم وتربیت، تمرین و ریاضت کے وسیلے سے حاصل نہیں ہوتا۔ گزشتہ دور کے ایک اسلامی دانشوراس بارے میں کہتے ہیں: «احداً من العقلاء لایجوّز انتهاء السحر و الطلسم وغیرہ من الصنائع الی فلق البحر و احیاء المیّت و ابراء الاکمه و الابرص»[2]

۳۔ماورائے طبیعت کے ساتھ ارتباط

ہپناٹسٹوں، عاملوں، جادوگروں اور کاہنوں وغیرہ کے افعال واعمال، علمی جدوجہد یا عملی تمارین اور دشوار ریاضتوں پر مشتمل ہونے کی وجہ سے قابل تعلیم و تعلم ہوتے ہیں جبکہ اعجازِ نبوی، غیبی نصرت ومدد اور بے انتہا الٰہی قدرت کے ساتھ مرتبط ہوتا ہے جو کہ مرضیِ

---

[1] ۔ شرح اشارات، ج ۳، ص ۴۱۷۔

[2] غایۃ المرام، ص ۳۳۲، سیف الدین آمدی نقل از لآمد وآراؤہ الکلامیہ "ڈاکٹر حسن الشافعی" ص ۴۸۷۔

پروردگار کے مطابق انبیاء کے ذریعے ظہور پاتا ہے۔ اسی خاصیت کی بناء پر پراسرار علوم اور خارق عادت افعال کے مالک افراد میں سے کوئی بھی اپنی قدرت اور حاصل شدہ طاقتوں کے حوالے سے بے مثال ہونے کا دعوی نہیں کرتا جبکہ اعجاز انبیاء، تحدی، مقابلے کی دعوت پر مشتمل اور نا قابل تسخیر ہوتا ہے۔ انبیائے الٰہی لامحدود الٰہی قدرت پر اعتماد کرتے ہوئے سبھی کو اپنے معجزے کے مقابلہ کی دعوت دیتے ہیں؛ جبکہ دوسری طرف عام لوگوں کے خارق عادت اعمال کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے بلکہ ممکن ہے کہ ان کے علاوہ دوسرے خارق العادہ کام ان سے بہتر اور زیادہ طاقتور بھی ہوں۔ اعجاز انبیاء عملی میدان میں اور مخالفین کے ساتھ مقابلے کے موقع پر ان کے لیے کوئی عذر باقی نہیں چھوڑتا؛ کیونکہ معجزہ نبوی، خدا کی لامحدود اور ناقابل شکست قدرت سے متصل ہوتا ہے؛ جبکہ بشری خارق عادات کام، محدود بشری قدرت کے ساتھ وابستہ ہوتے ہیں۔

۴۔ خارق عادات کام انجام دینے والوں کا کردار

انبیاء علیہم السلام کے معجزات اور دیگر لوگوں کے عجیب وغریب افعال کے مابین ایک فرق دونوں گروہوں کی عملی سیرت اور ذاتی صفات ہیں۔ انبیائے الٰہی علیہم السلام پاک طینت افراد، نورانی کردار کے مالک، انسانی فضائل اور اخلاقی و معنوی اعلی صفات سے آراستہ ہوتے ہیں جبکہ دیگر خارق عادت امور انجام دینے والے افراد کی عملی زندگی میں ایسی کوئی خصوصیت نہیں پائی جاتی؛ بلکہ ممکن ہے ان صفات کے برعکس بدکرداری، حیوانی صفات اور روحانی پستی ان افراد کے اندر دکھائی دے۔ قاضی عبدالجبار معتزلی اس حوالے سے لکھتے ہیں: ''پیغمبرؐ کی صفات حسنہ اور ان کا بہترین اخلاق آنحضرتؐ کو حیلہ بازوں سے ممتاز کرتا ہے۔''[1] یہی کلام، دیگر اسلامی مصنفین کی عبارات میں بھی ملتا ہے: ''انبیاء علیہم السلام کا اپنے دعوی میں ہمیشہ سے اتفاق واتحاد رہا ہے اور

---

[1]۔ المغنی، ج ۱۵، ص ۲۷۴۔

ان کے اعمال کی بنیاد تقوی اور پرہیزگاری پر ہے درحالانکہ جادوگر مسلسل اختلافات اور مقابلے کی حالت میں رہتے ہیں اور ان کے افعال کی بنیاد دھوکے اور فریب وغیرہ پر قائم ہوتی ہے۔"[1]

۵۔ اسباب ووسائل

پیغمبروں کی حق کی طرف دعوت، مہربانی، انسان کو الٰہی شریعت، عظیم ترین راہ اور انسانی کرامت وعزت کی طرف ہدایت کے لیے ہوتی ہے؛ لہٰذا وہ مقدس ہستیاں ہدف حق تک رسائی کے لیے باطل وسائل سے ہرگز استفادہ نہیں کر سکتیں۔ اسی بناء پر تاریخ کے کسی موڑ پر یہ ثابت نہیں ہوتا کہ منتخب الٰہی سفیروں نے اپنے معجزے کے لئے دھوکے، چالاکی اور لوگوں کی قوت خیالیہ کو اپنے کنٹرول میں کرکے فائدہ حاصل کیا ہو بلکہ ان کی کوشش ہوتی تھی کہ دلیل وبرہان کے ذریعے انسانوں کی فکر کو بیدار کریں تاکہ وہ حقیقت کو پہچانیں اور اس کی طرف مائل ہوں درحالانکہ غیر عادی امور پر دسترسی رکھنے والے افراد غالباً فریب، روح انسانی پر غلط تاثیر اور ان کو بے وقوف بنا کر اپنے مقاصد تک پہنچتے ہیں۔

معجزے اور اولیائے الٰہی کی کرامات کے درمیان فرق

مذکورہ بالا علامتوں اور خصوصیات سے انبیاء علیہم السلام کے خارق عادت معجزاتی افعال اور دیگر افراد کے عجیب وغریب کاموں کے درمیان فرق واضح طور پر ظاہر ہو گیا ہے۔ بحث کے خاتمہ کے عنوان پر ایک نکتہ ذکر کیا جارہا ہے اور وہ یہ کہ اعجاز اور کرامات وافاضات اولیائے الٰہی کے مابین کیا فرق ہے؟ کرامت کیا ہے؟ اور کیا کرامت کا کوئی وجود ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں اسلامی فرقوں کے اندر مختلف آراء ونظریات پائے جاتے ہیں۔ بعض اشاعرہ کرامت نام کی کسی حقیقت کو قبول نہیں کرتے اور اس کی نفی کرتے ہیں؛ لیکن کتاب وسنت کے ظواہر سے بخوبی

---

[1] ۔ شرح الطحاویہ، ص ۶۷، منقول از "الآمدی وآراؤہ الکلامیہ" ص ۴۸۷۔

معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ بھی دیگر انسان موجود ہیں جو اپنے وجود کی ظرفیت و قابلیت کے مطابق پروردگار کے خاص لطف و فیض کا وسیلہ اور ذریعہ بن سکتے ہیں:

﴿وَقُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ...﴾ [1]

"اور کہہ دیجئے: اے لوگو! عمل کرو کہ تمھارے عمل کو عنقریب اللہ اور اس کا رسول اور مومنین دیکھیں گے۔"

آن که واقف گشت بر اسرار هو سِرّ مخلوقات چه بُوَد پیش او
پاسبان آفتابنداولیادر بشر واقفـزاسرارخدا

﴿كَلَّا لَوْ تَعْلَمُونَ عِلْمَ الْيَقِينِ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيمَ﴾ [2]

نوافل کے ذریعہ قرب خدا حاصل کرنے کے سلسلہ میں منقول حدیث قدسی میں آیا ہے:

﴿وانّه ليتقرب اِلىّ بالنّافلة حتّى اُحبُّه فاذا اَحبَبْتُه كنتُ سمعَه الّذى يَسمعُ به و...﴾ [3]

اس راہ پر قدم بڑھانے اور معنوی و ایمانی سیر وسلوک کے ذریعے قدرتی طور پر انسان، چشمۂ قدرت الٰہی سے نزدیک ہو جاتا ہے اور آخرکار وہ پروردگار کے فیض کا وسیلہ اور مظہر بن جاتا ہے۔ قرآن کریم بھی نمونہ کے طور پر ان لوگوں کا ذکر کرتا ہے جو خداوند متعال کے خاص فیض و

---

[1]۔ توبہ (۹): آیت ۱۰۵۔

[2]۔ تکاثر (۱۰۲) آیت ۵، ۶۔

[3]۔ الکافی، ج ۲، ص ۳۵۲، روایت ۷۔ (ترجمہ) جو نافلہ کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا ہے تاکہ میں اس سے محبت کروں پس جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔

برکات کا مظہر تھے: ﴿وَقَالَ الَّذِی عِنْدَهُ عِلْمٌ مِنَ الْكِتَابِ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ﴾[1]

"جس کے پاس کتاب میں سے کچھ علم تھا وہ کہنے لگا؛ میں آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے اسے آپ کے پاس حاضر کیے دیتا ہوں۔"

عبدالرحمٰن بن کثیر روایت کرتے ہیں کہ امام صادقؑ نے مندرجہ بالا آیت کی تلاوت کے بعد اپنی انگلیوں کو کھولا اور اپنے سینہ مبارک پر رکھا اور فرمایا:

«وعِندَنَا وَ اللهِ علمُ الكتابِ كُلِّهِ»[2] "خدا کی قسم! پوری کتاب کا علم ہمارے پاس ہے"

اب ہم اس سوال کے جواب کی طرف آتے ہیں کہ معجزے اور کرامت میں کیا فرق ہے؟

بعض اوقات معجزہ کی اصطلاح کو عمومیت دے دی جاتی ہے اور اسے ایسے عمل کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جو الٰہی مقام و منصب کی دلیل ہوتا ہے؛ چاہے وہ مقامِ الٰہی نبوت ہو یا امامت۔ اگر معجزہ، دعوئ امامت کے ساتھ ہو تو امامت کی دلیل اور اگر دعوئ نبوت کے ہمراہ ہو تو نبوت کی دلیل بن جاتا ہے لیکن اگر معجزہ کے ساتھ کوئی دعوی نہ کیا جائے جیسے اولیائے الٰہی کی جانب سے پیش کی جانے والی کرامات۔ تو یہ مقام نبوت یا امامت کی دلیل نہیں ہوتیں اور اصطلاح میں اس عمل کو معجزہ نہیں کہا جاتا۔ بنابریں اولیاء کی طرف سے انجام دی جانیوالی کرامتیں صرف لطف پروردگار ہے جسے وہ اپنے شائستہ بندوں کو عطا کرتا ہے۔ البتہ خداوند یہ لطف انھیں عنایت کرتا

---

[1]۔ نمل (۲۷): آیت ۴۰۔

[2]۔ الکافی، ج۱، ص۲۲۹، روایت ۵۔

ہے جو اپنی کرامات سے سوء استفادہ نہ کریں۔ برخلاف عاملوں، جادوگروں اور عجیب وغریب قدرتوں کے مالک تمام افراد کے جن کے افعال میں یہ شرط نہیں پائی جاتی [1]۔

جدید وقدیم عیسائیت کی نگاہ میں معجزہ کی تعریف

معجزے کے متعلق بعض اعتراضات، مغربی دنیا میں کی جانیوالی معجزہ کی ناقص اور نارسا تعریف سے مربوط ہیں؛ لہٰذا مناسب ہے کہ ان بعض تعریفوں کو اجمالی طور پر ذکر کریں۔ عرف عام میں لفظ معجزہ ''Miracle'' کا اطلاق خارق عادت اور حیران کن واقعات پر ہوتا ہے جو غیر مادی سبب رکھتے ہوں۔ قدیم عیسائیت میں بھی اسی قسم کے حوادث و واقعات کو معجزہ کہا جاتا تھا۔ عیسائی مدرسی عصر کے فلسفی قدیس توماس اکونیس کی نگاہ میں معجزہ کا مفہوم کائنات میں موجود معیّن اور قدرتی نظم کے طریقہ کار میں ایک قسم کی مداخلت کرنا ہے اگرچہ ایسی مداخلت بابِ خلقت میں خدا کے کلی طریقۂ کار اور سنت کے مخالف شمار نہیں ہوتی۔

''بطور کلی معجزے کا اطلاق ایسے واقعات پر ہوتا ہے جو ایک الٰہی عامل کے وسیلے سے ظاہری مادی نظام سے ہٹ کر متحقق ہوتے ہیں۔'' قرون وسطی کے بہت سے متکلمین کی طرح اکونیس بھی مادہ پر اعتقاد رکھنے کے ساتھ ساتھ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ خداوند کے ارادۂ مختار سے اشیاء میں پیدا ہونیوالے مادی نظام کے علاوہ ایک اور نظام وجود رکھتا ہے جسے نظم الٰہی یا ناموس اعلی کہا جاتا ہے اور اسی نظام کے سائے میں معجزے کی تفسیر کی جاتی ہے [2]۔

کتاب مقدس میں نقل ہونے والے قدیم کیتھولک نظریہ کے مطابق معجزے کی مثالیں بہت زیادہ ہیں: جسمانی وروحانی شفا، زندہ کرنا، دعا کے وسیلے سے ارواح خبیثہ کو باہر نکالنا، الہام

---

[1] ۔ راہنما شناسی، ص ۲۱۱۔ (یعنی وہ اپنے خارق عادت کاموں سے سوء استفادہ کرتے ہیں) (مترجم)

[2] ۔ رجوع کریں، توماس اکونیس، فلسفہ نظری، ترجمہ منوچھر بزرگمہر، ج ۱، ص ۷۹۔

و مناجات کے ذریعے خداوند سے رابطہ برقرار کرنا، پانی کے اوپر مسیح کا چلنا، طوفان کو روکنا، تھوڑی غذا سے بہت بڑی جماعت کو سیر کرنا، پیش گوئی کی قدرت وغیرہ۔ اس مفہوم کی بنیاد پر دینی تفسیر پر استوار اور خداوند کی رضایت اور خیر خواہی سے پیدا ہونے والے خارق عادت اور اچانک رونما ہونے والے واقعہ کو معجزے کا نام دیا جاتا ہے۔ حالانکہ دینی نگاہ نہ رکھنے والے افراد ،ان واقعات کو قسمت اور مقدر کا نام دیتے ہیں جیسے ریل کی پٹڑی پر گرے ہوئے ایسے بچے کا معجزانہ طور پر نجات پا جانا جس کی طرف ٹرین کا انجن تیزی سے آرہا ہو۔[1]

معجزے کے منکرین اور قائلین میں سے ہر ایک نے معجزے کے بارے میں جدید نظریات بیان کرتے ہوئے اسے مادی قانون اور نظم کائنات کے خلاف جانا ہے۔اس سلسلہ میں مشہور ترین نظریہ ہیوم کا ہے جو واضح طور پر اس معنی پر تاکید کرتے ہیں: ''معجزہ مادی قوانین کی خلاف ورزی کا نام ہے۔مادی قوانین راسخ اور ناقابل تغییر تجربات کی بنیاد پر ثابت ہیں۔ یہی ناقابل تغییر تجربات درحقیقت معجزے کے وقوع پذیر نہ ہونے اتنی پختہ دلیل ہے جتنا ہر برہان تجربہ کو تصور کیا جاسکتا ہے۔ معجزہ کی دقیق تعریف اس طرح ہو سکتی ہے: خدا کے خاص ارادے یا ایک اَن دیکھے سبب کے ذریعے ایک مادی قانون کی خلاف ورزی کرنا۔''[2]

رچرڈ سوین برن معجزے کو عالم مادہ کے حقیقی قانون کا مخالف شمار کرتے ہیں۔اُنہوں نے معجزہ کی تعریف میں تین چیزوں کو بنیادی عناصر میں سے قرار دیا ہے۔ان میں سے ایک یہ ہے کہ معجزہ ایک ایسا عمل ہے جو خارق عادت ہو، دوسرا یہ کہ خداوند متعال کے وسیلے سے وجود میں

---

[1] ۔رجوع کریں۔ (R.F.Holland(American Philosphical Quarterly,1965)

[2] ۔مقالہ "معجزات کے بارے میں "ترجمہ محمد امین احمدی

آئے اور تیسرا یہ کہ اس میں دینی معنی اور دلالت پائی جائے۔[1] (یعنی خداوند کے مقدس ہدف کی مدد کرے)

پروٹسٹنٹ متکلمین میں سے پال ٹیلک (۱۹۶۵ء) معجزے کو ایسا پیش آنے والا واقعہ شمار کرتے ہیں جس میں تین چیزیں پائی جائیں؛پہلی یہ کہ خارق عادت ، جھنجھوڑ دینے والااور حیران کن ہونے کے علاوہ عقل کے مخالف نہ ہو۔ دوسری یہ کہ رازِ وجود کی طرف اشارہ کرےاور ہمارے ساتھ اُس کی نسبت کوآشکار کرے۔ تیسری یہ کہ اس رونما ہونے والے واقعہ کا سرچشمہ ایک اتفاق ہو۔[2]

---

[1]۔ Richard Swinburne, Miracle,P.7-8

[2]۔ (Paul Tillich. (Revelation and Miracle)P.71-74

دوسرا باب

معجزہ کا وجود

گذشتہ بحث میں ہم نے معجزے کی ماہیت و حقیقت کے بارے میں چند نکات کی وضاحت کی تھی اوراب اس باب میں اس مطلب کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں کہ کیا بنیادی طور پر معجزہ نام کی کوئی چیز موجود ہے یا نہیں؟ بالفاظ دیگر ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ کس طرح معجزے کے وقوع اور وجود کو قبول کیا جاسکتا ہے؟ کیا معجزہ قابل تحقق فعل ہے؟ کیا عقل کی رو سے قابلِ قبول ہے؟ کیا معجزہ قانون علیت جیسے عقلی قوانین کی نفی تو نہیں کرتا؟ کیا معجزہ کا معنی، بے نظمی، انار کی اور بشر کے علم و تجربہ کیساتھ ناسازگاری تو نہیں ہے؟ اسی طرح کیا معجزہ، خدا کے ناقابل تغییر اور قطعی اصولوں کے منافی تو نہیں ہے؟ کس طرح معجزے پر ایمان لایا جا سکتا ہے جبکہ قرآن مجید پیغمبرؐ کے مخالفین کی طرف سے معجزے کی درخواست کو مسترد کر رہا ہے؟ بنیادی طور پر کیا معجزہ شانِ خدا سے دور نہیں؟ معجزات کے وقوع پر واضح دلیل کیا ہے جس کا دعوی ہر دین کے پیروکار کرتے ہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔

یہ سوالات وابہامات بعنوان نمونہ ذکر کئے گئے ہیں جو معجزات کے امکان میں شک وتردید کا باعث ہیں مطلب کی وضاحت کے لیے ان تمام سوالات میں سے ہر ایک کا جداگانہ تجزیہ پیش کریں گے[1]۔

کس طرح یقین کریں؟

معجزات کے وقوع پذیر ہونے کا یقین کیسے کیا جائے؟ کیسے قبول کیا جائے کہ دریا کسی کے عصا کے اشارے سے شگافتہ اور خشک ہو جائے؟ مردوں کو زندہ کرنا کیسے تسلیم کیا جائے؟ آگ کا ٹھنڈا ہونا کیسے مانا جائے؟۔

---

[1]۔اس باب کو تحریر کرنے میں آیت اللہ شہید مطہری کی نبوت کی ابحاث سے مدد لی گئی ہے مجموعہ آثار، ج۴، ص۴۲۷۔

واضح سی بات ہے کہ یہ سوالات علمی شمار نہیں ہوتے؛ بلکہ یہ سوالات، ان امور کو غیر معمولی اور بعید شمار کرنے کی وجہ سے سامنے آتے ہیں۔ آج دانشور اعتراف کرتے ہیں کہ علمی تجربات اور چشم دید شواہد کے پیش نظر انسانی روح کی پراسرار طاقت کے بارے میں اس قسم کے سوالات بے معنی ہیں۔ اگر ہم اس حقیقت اور ضابطے کو مان لیں کہ انسان کے اندر ایک ایسی طاقت پائی جاتی ہے جو خارق العادہ قوت شمار ہوتی ہے تو یہ معجزہ کے ممکنہ اثبات کے لیے ایک بنیاد بن جائے گا اور اس کا بعید از عقل ہونا ثابت نہ ہو سکے گا۔ اگرچہ عام اور غیر انبیاء افراد کا یہ فعل معجزہ نہیں کہلا سکتا لیکن اسی کی جنس سے ہوتا ہے۔

جیسا کہ بیان ہو چکا ہے کہ بشری زندگی میں غیر معمولی واقعات کا پایا جانا قابل انکار نہیں ہے۔ اس قسم کے واقعات سے تاریخ بھری پڑی ہے اور آج بھی یہ امور وسیع پیمانے پر رونما ہوتے ہیں۔

انسان کے لیے روحانی طاقتوں سے ارتباط ہمیشہ قابل توجہ امر رہا ہے۔ متفکر اور فیلسوف بو علی سینا، طبیب ہونے کے اعتبار سے ان امور کو نقل اور کبھی کبھار ان پر عمل بھی کیا کرتے تھے۔ محمد بن زکریا کے توسط سے حمام کے اندر امیر سامانی کے فالج کے علاج کا واقعہ مشہور و معروف ہے؛ جب تمام طبیب اس کے علاج سے اپنی عاجزی کا اظہار کر چکے تو انھوں پہلے سے طے شدہ منصوبہ کے تحت ننگی تلوار لے کر امیر سامانی پر حملہ کر دیا اور اس طرح ظاہر کیا کہ گویا اس کی جان لینا چاہتے ہیں۔ اچانک وہ فالج زدہ امیر اپنے دفاع کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ محمد بن زکریا فرار ہو گئے اور ایک کاغذ پر لکھ کر چھوڑ گئے کہ مجھے معاف کرنا! میری دانست میں تنہا راہِ علاج یہی تھا۔ بیماروں کو تلقین روحی یا بیمار کے ارادے کو تحریک کرکے علاج معالجے میں کامیابی، اس فکر کا باعث بنی کہ انسان کے اندر بدنی اور مادی طاقتوں کے علاوہ، ایک مستقل طاقت موجود ہے جو قوتِ ارادی کہلاتی ہے۔

سال ہا سال یہ گمان کیا جاتا رہا کہ مصنوعی نیند دھاتی یا حیوانی مقناطیسیت کا نتیجہ ہے لیکن بعد میں پتہ چلا کہ روح انسانی کی طاقت اور قوت فکر کے علاوہ کچھ نہیں ہے جو ارتکاز اور توجہ کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ اس انکشاف نے ثابت کر دیا کہ یہ قوت، خارق العادہ ہے۔ مصنوعی نیند

میں ایک شخص اپنی روحانی قدرت اور ارادے کے ذریعے کسی دوسرے کو سُلا دیتا ہے۔ سُلانے والا، سونے والے کی روح وبدن کو اس قدر اپنے کنٹرول میں کرلیتا ہے کہ اگر اس کے بدن کے اعضاء کو کاٹ دیا جائے تب بھی وہ مکمل بے حسی کی حالت میں رہتا ہے اور نیند سے بیدار نہیں ہوتا۔

اسی نیند کی ایک دوسری قسم میں شخص کے اندر عجیب وغریب احساسات پیدا ہو جاتے ہیں اور وہ متحرک ہو جاتا ہے اور اس کے اندر دور سے دیکھنے اور سننے کی قوت (ٹیلی پیتھی) پیدا ہو جاتی ہے جبکہ عادی حالات میں اسے اس طرح کا کوئی احساس نہیں ہوتا۔

مصنوعی نیند کا مشاہدہ

یہاں پر مناسب ہے کہ ہم ایرانی ہم عصر دانشور ڈاکٹر معین کی زبانی ایک واقعہ نقل کرتے ہیں؛ وہ کہتے ہیں:

ایک فرانسیسی بچے کو میرے سامنے سُلا دیا گیا اور مجھ سے کہا گیا کہ میں اس سے جو چاہوں پوچھوں؟

میں نے کہا: ''اسے تہران بھیج دیں۔''

بچے نے جواب دیا: ''میں تہران میں ہوں۔''

میں نے پوچھا: ''جس جگہ ہو؟''

بچہ کبھی بھی ایران نہیں آیا تھا اس نے جگہ کا مکمل نقشہ بیان کیا تو میں نے کہا: ''ژالہ اسکوائر جاؤ۔''

اس نے کہا: ''پہنچ گیا ہوں۔''

اسی طرح اس جگہ کو بھی بیان کیا یہاں تک کہ میں نے اس کو اپنے گھر روانہ کیا اس نے گھر کی ہو بہو صورتحال بیان کی اور اندرون خانہ کی خبر دی اور کہا: ''ایک سوئی ہوئی خاتون کو دیکھ رہا ہوں۔''

میں نے کہا: ''اسے میری لائبریری کے اندر بھیجو جو کہ سامنے والا کمرہ ہے۔''

وہاں پہنچا تو میری سوچ کے برعکس اس نے کہا: ''کمرہ خالی ہے کمرے میں کچھ بھی نہیں ہے فقط الٹے رکھے ہوئے دو فوٹو فریم دکھائی دے رہے ہیں۔''

میں نے تعجب ! کیا کیونکہ میری لائبریری اس طرح سے نہیں تھی اپنے گھر واپس آیا اور بلافاصلہ اپنی اہلیہ کو خط لکھا کہ فلاں وقت اور فلاں دن میں اپنے بارے میں بتاؤ اور مخصوصاً میری لائبریری کی حالت سے آگاہ کرو۔ ایک ہفتے کے اندر خط کا جواب آیا۔ تو معلوم ہوا کہ اس روز میری اجازت کے بغیر کمروں کی صفائی یا رنگ کرنا چاہ رہے تھے اور دو فوٹو فریم کے علاوہ تمام کتابوں اور اشیاء کو میری لائبریری سے باہر نکال رکھا تھا۔ اس موضوع کے بارے میں مجھے بھی علم نہیں تھا۔ اس لیے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ہپیناٹسٹ میری فکر پر قابض تھا اور اسے اس بچے کو منتقل کر رہا تھا۔ جیسا کہ مادہ پرست حضرات اس کی یہی وجہ بیان کرتے ہیں۔[1]

دوسروں کے روحی اضطراب سے آگاہی

انڈیا اور امریکہ میں تعلیم حاصل کرنے والے مرحوم انجینئر تناوش، ایران سے سترہ سالہ دُوری کے بعد واپس آنے کے بعد کہتے ہیں: میں بلادِ کفر میں سترہ سال زندگی گزارنے کے بعد ایران لوٹ آیا اور تہران پولی ٹیکنکل یونیورسٹی میں استاد مقرر ہوا۔ میرا گھر تہران کے صباباغ نامی علاقہ میں واقع تھا۔ جب امریکہ سے واپس آیا سابقہ عادت کے مطابق نماز نہیں پڑھتا تھا۔ ایک رات میں اپنے ماموں حضرت حجۃ الاسلام والمسلمین حاج مرزا ابوالقاسم لواسانی کے ہاں مہمان تھا۔

انھوں نے مجھے صبح طلوع آفتاب سے ذرا پہلے بیدار کیا اور فرمایا کیا تم نماز نہیں پڑھتے ؟ سورج طلوع ہونے کے قریب ہے، میں شرمندگی کی حالت میں اٹھا وضو کیا اور نماز صبح بجالایا۔ انھوں نے مجھے وعظ نصیحت کے ذریعے قائل کیا کہ آئندہ نماز پڑھا کروں اور ساتھ ہی مجھے چند ذکر تلقین فرمائے اور تاکید کی کہ انہیں ضرور پڑھوں اور اقامہ نماز کے لیے میری رہنمائی کی کہ

---

[1] ۔ استاد مطہریؒ سے منقول۔

جس مسجد میں علامہ تہرانی امام جماعت اور خطیب ہیں وہاں جاؤں ۔ تھوڑے عرصے کے بعد میرے ماموں فوت ہو گئے لیکن میں پھر بھی علامہ تہرانی کا درس سننے جاتا اور ان کی گفتگو نے مجھ پر گہرے اثرات ڈالے ؛ ایک شب ان کا کلام میری روح پر اس قدر اثر انداز ہوا کہ جب میں گھر واپس آیا شام کے کھانے کو ہاتھ تک نہ لگایا ایک کونے میں بیٹھ گیا اور ضائع ہو جانے والی زندگی پر کفِ افسوس ملنے لگا ، بہت زیادہ گریہ کیا اور اپنی زندگی کے ضائع ہونے کا احساس اتنا زیادہ ہوا کہ میں نے جان چھڑانے کے لیے اپنے آپ کو گھر کے ٹیرس سے نیچے گرا دینے کا فیصلہ کر لیا تاکہ اس طرح روح کے عذاب سے چھٹکارا پاسکوں، اس فیصلے کے ساتھ ہی ٹیرس کی طرف گیا کہ ایک مرتبہ احساس ہوا کہ سفید لباس میں ملبوس ایک بلند قامت شخص دور سے آرہا ہے اور پلک جھپکتے ہی وہ شخص ٹیرس کے اوپر آگیا اور اُس نے مجھے پکڑ کر زمین پر بٹھا دیا اور جب میں اپنے ہوش و حواس میں آیا تو دیکھا وہ شخص وہاں موجود نہیں تھا لیکن اپنے اندر مجھے ایک نئی روح کا احساس ہوا اور اپنا آپ ہلکا محسوس ہونے لگا۔

اگلی رات جب علامہ تہرانی کی مسجد میں گیا تو نماز کے بعد علامہ تہرانی حجۃ الاسلام حاج آقا معین شیرازی کے ساتھ محوِ گفتگو تھے۔ میں متوجہ ہوا کہ ان کی گفتگو ہمدان کے ایک ولی اللہ کے بارے میں ہے اور جناب آقا معین ان کی قدم بوسی کے لیے جانا چاہتے ہیں۔ جب میں آقا معین کو گاڑی میں بٹھا کر لے جارہا تھا تو میں نے عرض کی کہ میرا بھی دل چاہتا ہے کہ میں آپ کے ساتھ ہمدان میں اس شخص کی خدمت میں حاضری دوں۔ انھوں نے کہا ٹھیک ہے اور ہم ہمدان پہنچے ، دروازے پر دستک دی۔ آقا انصاری نے خود آکر دروازہ کھولا دروازہ کھلتے ہی میں نے دیکھا کہ یہ وہی شخص ہے جس نے مجھے اس رات نجات دلائی تھی۔ اسی ملاقات میں انجینئر تناوش ، آقا انصاری کے عاشق ہو گئے اور بعد میں ان کی تعلیمات کے نتیجہ میں زمانے کے اولیاء میں سے ہو جاتے ہیں۔[1]

---

[1] ۔ در کوی بی نشانہا، ص ۱۰۰۔

ارواح کو حاضر کرنا

ارواح کو حاضر کرنے کی بھی ایک الگ داستان ہے۔ سالوں پہلے بلکہ صدیوں پہلے مردہ انسانوں سے رابطہ، ان سے سوال و جواب، ان کی خبر گیری وغیرہ ایک حیران کن دنیا ہے۔ کیا مردہ انسان کی روح آتی ہے یا روح کو حاضر کرنے والے کی روح جاتی ہے یا ایک اور واسطہ ہے جو یہ معلومات دیتا ہے؟ بہر صورت اصل موضوع، انسان کے اندر موجود ایک قسم کی فوق العادہ روحی طاقت کی حکایت کرتا ہے جو اس واقعے کا باعث بنتی ہے اور معلومات حاصل کرتی ہے۔

یورپی ماہرین نے ۱۸۴۶ء میں جرمن نژاد میکس مولر کے ذریعے سنسکرت زبان کو سیکھنے اور (۱۸۲۰ء میں فرانسسی شامپولین کی کوششوں سے) پراسرار علوم سے واقفیت اور مصری کتبوں کو پڑھنے کے بعد اظہار کیا کہ انسان کا روحوں سے رابطہ اور ان سے استفادہ کرنا بہت ہی پرانی بات ہے۔ موجودہ دور میں "لئون دنی" کے بقول ارواح کے ظہور اور ان سے رابطے کا پہلا انکشاف ۱۸۴۸ء میں امریکہ میں ہوا۔ شروع شروع میں بہت سارے گھروں میں آوازیں سنائی دیتی تھیں اور چیزیں ایک نامعلوم اور ان دیکھی قوت کے زیر اثر حرکت کرتیں یا زمین پر گر جاتیں تھیں۔ ناظرین میں سے ایک کے ذہن میں ایک فکر ابھری اس نے حروف تہجی کی ترکیب کے ذریعے سے میز پر پڑنے والی چوٹوں سے ایک قسم کا روحی ٹیلی گراف تشکیل دیا اور اس طرح جو روح ان چوٹوں کی صورت میں ظاہر ہوتی تھی اس نے اپنا تعارف کرایا اور اپنی زندگی و موت کی تفصیلات بتا کر حاضرین کا شک و تردید ختم کر دیا۔ اس واقعے کے بعد جستجو کی حس نے دوسری ارواح سے ارتباط برقرار کرنے اور ان سے صحیح جواب سننے کے لئے لوگوں کو اُکسایا کہ دیگر روحوں سے رابطہ کر کے ان سے صحیح جواب حاصل کیا جائے۔ گفتگو کے اختتام پر روحوں نے اظہار کیا کہ وہ ایک بہت ہی زیادہ لطیف بدن کی مالک ہیں جنہیں ہم نہیں دیکھ سکتے۔

اس رپورٹ کے منتشر ہونے سے پورے امریکہ میں ایک ہنگامہ کھڑا ہو گیا۔ ناچار ۱۸۵۲ء میں واشنگٹن کانگرس پر لازم قرار دیا گیا کہ وہ باقاعدہ ان واقعات کے صحیح ہونے کا اعلان کریں اور نیویارک سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کے ہمراہ پارلیمنٹ کے اسپیکر، نیشنل اکیڈمی کے رکن اور علم کیمیا کے پروفیسر کو بھی تحقیق پر لگا دیا گیا۔ انھوں نے دقیق مطالعہ اور آزمائش کے بعد ان

واقعات اور روحوں کے ساتھ رابطے کی تائید کر دی اور خود اس کے بارے میں اہم کتابیں بھی تحریر کیں۔

انگلینڈ، فرانس اور تمام یورپی ممالک میں روح کے متعلق انجمنیں تشکیل دینے اور بڑے بڑے اسکالروں، سینئر ججوں، ایجادات و انکشافات کرنے والوں کو ساتھ شریک بنانے کے بعد ''لئون دنی'' کہتے ہیں: بہت سے اسکالر بنیادی طور روح اور عوالم روحی کے منکر تھے لیکن ان محفلوں میں شریک ہونے یا امتحان کرنے اور خود رابطہ برقرار کرنے کے ذریعے موت کے بعد روح کی بقاء اور جزا وسزا کے قائل ہو گئے ہیں۔ ان منکرین میں سے ایک برمنگھم یونیورسٹی کے چانسلر "سرالیوڈلاج" ہیں جنہوں نے انجمن علمی برطانیہ کے سربراہ کی حیثیت سے ۱۰ستمبر کو ایک تقریر کے دوران کہا کہ اگرچہ مجھے رائج علوم کے اس عہدے پر فائز ہونے کے لحاظ سے ایسی باتیں ہر گز نہیں کہنی چاہئیں مگر اس کے علاوہ کوئی چارہ بھی نہیں ہے کہ روح کے متعلق تحقیق کے دوران اپنے تیس سالہ تجربے کا خلاصہ آپ کے سامنے بیان کروں۔ انھوں نے کہا کہ اس میں کوئی شک وتردید نہیں کہ ہم موت کے بعد بھی باقی رہیں گے۔ میں نے اپنے مرے ہوئے دوستوں سے اس طرح گفتگو کی ہے جیسے میں آپ حاضرین کے سامنے اس کانفرنس میں تقریر کر رہا ہوں۔ دانشور حضرات کی روحوں نے میرے لئے یقینی دلائل سے ثابت کیا کہ خود انھوں نے میرے ساتھ کلام کیا ہے۔ اس اسکالر کی زندگی میں پیش آنے والے واقعات اس کے لیے مزید اطمینان بخش ثابت ہوئے۔ منجملہ واقعات میں سے ایک ان کا اپنے بیٹے سے رابطہ برقرار کرنا تھا۔

ڈیمن کا بیٹا انجینئر تھا اور رضاکارانہ طور پر جنگ میں شریک ہوا اور ۱۹۱۵ء میں ۲۶سال کی عمر میں مارا گیا، اس واقعہ کے بعد باپ بیٹے کے درمیان روحی ارتباط برقرار ہوا۔ بیٹے نے عالَم ارواح کی زندگی کے بارے میں بہت زیادہ معلومات باپ کو دیں جو اس کے باپ اور جنگ کے دیگر مصیبت زدہ لوگوں کی ذہنی تسلی اور خوشی کا باعث بنیں۔ ان دونوں کے مابین گفتگو کے نتیجہ

میں بہت ہی مفید کتاب "ڈیمن یا موت وزندگی" کے عنوان سے سامنے آئی جس میں عالم ارواح پر روشنی ڈالی گئی ہے[1]۔

یہاں پر مناسب ہے کہ مشہور دانشور "موریس میٹرلنگ" کے کلام کا کچھ حصہ ان کی کتاب "نامعلوم میزبان" سے ذکر کریں:

..... موجودہ دور میں ہر دانشور، ان رپورٹوں میں مذکور شواہد کو ان کی نوع وصفت کے لحاظ سے ترتیب، تقسیم اور تدوین کر سکتا ہے۔ اب بہتر ہے کہ مخفیانہ واقعات کو ترتیب دیں۔ سب سے پہلے ان میں گھومنے والی میز، طیّ الارض، بدون لمس رابطہ، حلقہ نور، روح کا مادی شکل میں مجسم ہونا، بھوتوں کو لمس کرنا، قدرت سیالہ، ہپیناٹزم اور مقناطیسی قوتیں آتی ہیں۔ ہندوستانی جوگیوں کے بعض عجیب قسم کے کام مثلاً الہام، واقعہ کو وقوع سے پہلے سمجھنا، پیش گوئی، ارواح کو حاضر کرنا وغیرہ بھی ان میں شامل ہیں۔ مزید یہ کہ دنیا میں آسیب کے سائے والے گھر بھی پائے جاتے ہیں۔ یہ چیزیں ہمیں اس فکر میں مبتلا کر دیتی ہیں کہ ہم روحوں کے مجسّم اور ظاہر ہونے اور آسیب کے سائے والے گھروں کا یقین کر لیں۔ سبھی جانتے ہیں کہ انجمن تحقیقات روحی کے زیر نظر انگلینڈ، فرانس، بیلجیم، سوئٹزر لینڈ اور امریکہ میں زندہ اور مردہ لوگوں کی روحوں کے ظاہر ہونے کے بارے میں مخصوص کتابیں تصنیف کی گئی ہیں۔ پس کثرت شواہد کی بناء پر ان چیزوں کا انکار کرنا مضحکہ خیز ہوگا۔[2]

---

[1] ۔اس بارے میں بہت زیادہ کتابیں موجود ہیں کہ جن کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے منجملہ روحی امور سے مربوط معتبر ترین اور بہت بڑی کتاب ۲۸ جلدوں پر مشتمل " پروسیڈنیگ" ہے؛ سترہ جلد روزانہ کی گزارشات اور انجمن روحی کے سالانہ کاموں پر مشتمل ۲۵ جلدیں سب کی سب علمی اہمیت کی حامل ہیں۔

[2] ۔وحی ونبوت، ص ۹۳۔۱۰۱

اب یہاں پر ماہر نفسیات ولیم جیمز کی رائے بیان کرنا مناسب ہو گا، وہ انسان کی پوشیدہ قوتوں کو بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں: ''یہ مقامات اور دوسرے تمام مقامات جن کا یہاں ذکر کرنا مطلب کو طول دینے اور ذہنی تھکان کا موجب بنے گا، کافی حد تک ثابت کرتے ہیں کہ ہماری افکار اور روح میں ایک ایسی حسّ پائی جاتی ہے جو حقیقت اور واقعیت کو محسوس کر سکتی ہے۔ یہ حسّ دوسری تمام معمولی حسّوں سے زیادہ وسیع اور عمیق ہے۔''[1]

موجودہ دور کے اسکالر اور دینی فیلسوف جان ہیک کہتے ہیں:

''آج کی ترقی یافتہ مغربی دنیا میں خارق العادہ امور اور ماورائے نفسیات کے بارے میں تحقیق کرنا ایک خاص اہمیت کا حامل ہے۔''[2]

ایک اور زاویے سے

علوم تجربہ کے ماہرین کے نظریات کو پرکھنے اور تجرباتی نگاہ سے ملاحظہ کرنے کے بعد مناسب ہے کہ ہم اس موضوع پر ایک اور زاویے اور بہتر افق سے نگاہ ڈالیں:

قرآن کریم، وحی الٰہی کی بنیاد پر ارشاد فرماتا ہے: بنی اسرائیل کے درمیان ایک شخص قتل ہو گیا، انھوں نے ایک دوسرے پر قتل کا الزام لگانا شروع کر دیا۔ قاتل کی شناخت کے لیے حکم دیا گیا کہ ایک گائے ذبح کی جائے اور اس کا کچھ حصہ مقتول کے بدن پر ماریں تاکہ وہ زندہ ہو کر قاتل کی پہچان کرائے اور واضح کرے کہ خداوند متعال کیسے مردوں کو زندہ کرتا ہے:

﴿وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادَّارَأْتُمْ فِيهَا وَاللهُ مُخْرِجٌ مَاكُنْتُمْ تَكْتُمُونَ فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ بِبَعْضِهَا كَذَلِكَ يُحْيِي اللهُ الْمَوْتَى وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ﴾[3]

---

[1]۔ دین و روان، ترجمہ مہدی قائنی ص ۴۳۔

[2]۔ فلسفہ دین، ترجمہ مراد فرہاد پور ص ۲۶۰ سے بعد۔

[3]۔ سورہ بقرہ (۲) آیت ۔ ۷۲۔ ۷۳۔

"اور جب تم نے ایک شخص کو قتل کر ڈالا پھر ایک دوسرے پر اس کا الزام لگانے لگے لیکن جو بات تم چھپا رہے تھے اللہ اسے ظاہر کرنے والا تھا تو ہم نے کہا: گائے کا ایک حصہ اس (مقتول) کے جسم پر مارو یوں اللہ مردوں کو زندہ کرتا ہے اور تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو۔"

اسی طرح قرآن حضرت عُزیر علیہ السلام کی داستان اور ان کی زندگی اور موت کو لوگوں کے لیے ایک آیت اور نشانی کے طور پر پیش کرتا ہے کہ کس طرح بدن سے روح کی جدائی کے بعد دوبارہ ان کے درمیان اتصال برقرار ہوتا ہے:

﴿أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَىٰ قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا قَالَ أَنَّىٰ يُحْيِي هَٰذِهِ اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ قَالَ بَل لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانظُرْ إِلَىٰ طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ وَانظُرْ إِلَىٰ حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِّلنَّاسِ وَانظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ [1]

"یا اس شخص کی طرح جس کا ایک ایسی بستی سے گذر ہوا جو اپنی چھتوں کے بل گری ہوئی تھی؟ تو اس نے کہا: اللہ اس (اجڑی ہوئی آبادی کو مرنے کے بعد کس طرح دوبارہ زندگی بخشے گا؟ پس اللہ نے سو (۱۰۰) برس تک اسے مردہ رکھا پھر اس کو دوبارہ زندگی دی اور اس سے پوچھا: بتاؤ کتنی مدت (مردہ) رہے ہو؟ اس نے کہا: ایک دن یا اس سے کم اللہ نے فرمایا: نہیں بلکہ سو (۱۰۰) برس (مردہ) پڑے رہے ہو ذرا اپنے کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھو جو سڑی نہیں اور اپنے گدھے کو بھی دیکھو ہم نے اس لیے کیا ہے کہ ہم تمہیں لوگوں کے لیے نشانی بنائیں، پھر ان

---

[1] ۔ سورہ بقرہ (۲) آیت ۲۵۹۔

ہڈیوں کو دیکھو کہ ہم انہیں کسی طرح اٹھاتے ہیں پھر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں۔ یوں جب اس پر حقیقت عیاں ہو گئی تو اس نے کہا: میں جانتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔"

اسی طرح قرآن کریم میں اصحاب کہف کا واقعہ روح بشر کی صلاحیت کے حوالے سے ایک عبرت آمیز حکایت ہے۔[1]

قرآن مجید میں بیان ہوا ہے کہ شیاطین اور گناہ کار بھی خارق العادہ قدرت سے استفادہ کرنے اور اثر انداز ہونے کی استعداد رکھتے ہیں:

﴿وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَىٰ أَوْلِيَائِهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ﴾[2]

"اور شیاطین اپنے دوستوں کے دلوں میں یقیناً شکوک پیدا کرتے ہیں تاکہ وہ تم سے بحث کریں اور اگر آپ نے اُن کی اطاعت کی تو آپ بھی مشرک بن جائیں گے۔"

﴿هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيَاطِينُ. تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ﴾[3]

"کیا میں تمہیں خبر دوں کہ شیاطین کس پر اُترتے ہیں؟ ہر جھوٹے پر (اُترتے ہیں)"

حضرت سلیمان اور ملکہ سبا کی داستان کا کچھ حصہ بھی اسی مطلب کو بیان کرتا ہے کہ جب جنوں میں سے ایک عیار نے کہا کہ آپ کے اپنے مقام سے اُٹھنے سے پہلے تخت بلقیس کو یہاں لانے کی قدرت رکھتا ہوں۔

«قَالَ عِفريتٌ من الْجِنِّ اَنَا اٰتيكَ بِهِ قَبْلَ اَنْ تَقُومَ مِنْ مَقَامِكَ وَ اِنِّي عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِينٌ.»[1]

---

[1]۔ سورہ کہف (۱۸) ۹۔۲۶۔

[2]۔ سورہ انعام (۶) آیت ۱۲۱۔

[3]۔ سورہ شعراء (۲۶) آیت ۲۲۲۔۲۲۱۔

"جنوں میں ایک عیار نے کہا: میں اسے آپکے پاس حاضر کر دیتا ہوں قبل اس کے کہ آپ اپنی جگہ سے اُٹھیں اور میں یہ کام انجام دینے کی طاقت رکھتا ہوں امین بھی ہوں۔"

اسی طرح بلافاصلہ دوسرے مقام پر جن کی طاقت سے بھی زیادہ قدرت کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے اور اس کے فعل کی بنیاد کو علم قرار دیتا ہے:

«قَالَ الَّذِيْنَ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ...» [2]

"جس کے پاس کتاب کا کچھ علم تھا اس نے کہا: میں آنکھ جھپکنے سے پہلے اُسے آپ کے پاس لے آؤں گا۔"

اس قسم کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب داستانیں افراد بشر کے اندر بے انتہا طاقت اور غیر معمولی استعداد کے وجود پر دلیل ہیں۔ کیا یہ سب ہمارے لیے کافی نہیں کہ ہم انبیاء سے منسوب خارق عادات اور معجزات پر تعجب نہ کریں اور انہیں محال تصور نہ کریں؟

معجزہ کے بنیادی اصول

گزشتہ بحث کی بناء پر کہا جا سکتا ہے کہ اعجاز دو بنیادی عناصر سے تشکیل پاتا ہے۔ اگر یہ دو عناصر عقلی تجزیہ کے قابل ہوں اور مورد قبول واقع ہوں تو اعجاز کو تسلیم کرنا ایک قابل دفاع امر ہو گا۔

پہلا عنصر: انسان کا نفس اس کی قدرت اور استعداد کا سرچشمہ ہے۔

دوسرا عنصر: عالم غیب اور ملکوت وجود رکھتا ہے۔ یہ دونوں عنصر عقل و فلسفہ کی نگاہ میں قابل قبول ہیں اس طرح کہ ان کے آثار اور علائم کے ذریعے انہیں ثابت کیا جا سکتا ہے۔ اسی لیے

---

[1] سورہ نمل ص (۲۷) آیت ۳۹

[2] ۔ سورہ نمل ص (۲۷) آیت ۳۹

اشراقی اور مشّائی اسلامی فلاسفہ نے ان دو مطالب کی بناء پر معجزات ، کرامات اور خارق عادات کی وضاحت کی ہے۔

شیخ کے نظریے کے مطابق انسان کے پاس دو قوتیں ہیں :

ایک عقل نظری کی قوت جس میں مادہ سے عاری عالَم کے معقولات کی صورتیں منعکس ہوتی ہیں اور دوسری عقل عملی کی قوت جو عالم میں تصرّف کرنے پر قادر ہوتی ہے۔ قوت عاقلہ کا معجزہ، غیب کی خبر دینا ہے اور قوت عملی کا معجزہ، خارق عادت اور عجیب و غریب افعال کا بجالانا ہے۔

اس عالم کائنات کے تمام امور کا علم پروردگار، فرشتوں اور مادہ سے عاری نفوس کے پاس ہے۔ دوسری جانب انسانی نفس ناطقہ کے پاس ان سرچشموں سے اتصال و ربط قائم کرنے کی صلاحیت موجود ہے تاکہ ان منابع کے اندر منعکس صورتوں کو اخذ کرے۔ اس حالت کے حاصل نہ ہونے کی وجہ ان مقدس ذوات کا عطا نہ کرنا اور نفس ناطقہ میں قابلیت کا نہ ہونا نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ نفس، محدود بدن کے اندر قید ہو جاتا ہے اس طرح کہ جب بھی نفس کو بدن کی محدودیت سے چھٹکارا حاصل ہوتا ہے وہ ان ذوات عالیہ سے متصل ہو جاتا ہے اور ان ذوات کے پاس حاضر صورتیں اس کے اندر منعکس ہو جاتی ہیں پھر یہی صورتیں حسّ مشترک میں قابل مشاہدہ ہوتی ہیں۔

نفس ناطقہ جب کمال حاصل کر لیتا ہے (یعنی جب اس کے لیے مادہ سے عاری ذوات کے ساتھ وصل ہونے میں بدن کی محدودیت رکاوٹ نہ بن سکے) تو اس کے لیے حالت بیداری میں ایسی معلومات کا حصول دور از قیاس نہیں ہے جو دوسروں کے لیے نیند کے دوران حاصل ہوتی ہیں۔ پس وہ غیبی کلام کو سنتا ہے اور غیبی مناظر مشاہدہ کرتا ہے.....

بنابریں نفس کامل کا اس عالم کے مادہ اور ہیولیٰ میں موثر واقع ہونا محال نہیں ہے؛ کیونکہ اس نفس میں ایک خاص صفت پائی جاتی ہے جس کی مدد سے وہ معجزات اور کرامات کو انجام دینے پر قادر ہوتا ہے۔ [1]۔

[1]۔ نقل از فخر رازی، المطالب العالیہ، ج ۸، ۹، ص ۱۲۷، نیز تھوڑے فرق کے ساتھ شرح اشارات ج ۳ ص ۳۷۱۔

معجزات اور خوارق عادات کے باب میں شیخ اشراق سہروردی کا نظریہ ، وہی مشائی فلاسفہ کی طرح ہے۔اس میں بھی مسئلہ کا آغاز نفس انسانی سے ہوتا ہے اور بدن پر نفس کی مختلف تأثیرات کے بیان کے بعد اس سے بھی ایک قدم آگے پیغمبر اکرم ﷺ کے کمال یافتہ نفس کی دیگر موجودات پر تاثیر کو بیان کرتا ہے۔

چونکہ نفس انسانی میں صورتیں پیدا ہوتی ہیں، ہو سکتا ہے کہ اس صورت میں حرارت یا بعض اعضاء کی حرکت سے بدن میں قدرتی اثر ظاہر ہو مثلاً جس صورت سے غصہ ظاہر ہوتا ہے اس کی وجہ سے اس کے بدن میں حرارت اور رنگ ظاہر ہو، اسی طرح شہوت کی صورت میں ہوس پیدا ہوتی ہے اور شہوت انگیز صورت دیکھنے سے ہو سکتا ہے عضو خاص میں اثر ظاہر ہو۔ یہ سب جوہر نفس کے قدرتی آثار ہیں؛اور اگرچہ نفس کے آثار ایک مادہ سے عاری ذات ہونے کے باوجود بدن میں ظاہر ہوتے ہیں لیکن ممکن ہے جب نفس، شرافت میں کمال کے انتہائی درجے پر پہنچ کر اس طرح ہو جائے ، تو جیسے ہم نے پہلے عرض کیا ہے ،تو اس عالم عنصر میں قوت نبوت موثر واقع ہو سکتی ہے۔[1]

البتہ یہ نظریہ ،اس عالم اور مادہ سے عاری عقول کے نظام مراتب کی ایک دوسری تفصیل ہے۔ یہ صورتیں،مادہ سے عاری عقول میں پائی جانے والے معقولات کی کلیات شمار کی جاتی ہیں۔ انسانی نفوس ناطقہ (کہ نفس انبیاء علیہم السلام بھی انہی میں سے ہے) سبب و مسبّب کے تناسب کے حوالے سے مادہ سے عاری عقول کے ساتھ مساوی ہے کیونکہ کائنات کی گذشتہ اور آئندہ جزئیات کی صورت ان میں موجود ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے غیبی امور کی خبر دینا آسان کام شمار ہوتا ہے۔

یہاں ہم نامور مسلمان عالم دین، فیلسوف اور مفسّر قرآن علامہ سید محمد حسین طباطبائیؒ کے کلام کا خلاصہ پیش کرتے ہیں۔ جو خود بھی خوارق عادات اور نفس کی عظیم قدرتوں کے راز سے

---

[1]۔ مجموعہ مصنفات شیخ اشراق، تصحیح ہنری کربن، ج ۳، ص ۴۴۷۔

واقف تھے۔ یہ بزرگوار اس آیت شریفہ کے ذیل میں نفس آدمی کی قدرت اور اس کے حیران کن اندرونی آثار و نتائج کے بارے میں فرماتے ہیں:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ...﴾[1]

"اے ایمان والو! اپنی فکر کرو اگر تم خود راہ راست پر ہو تو جو گمراہ ہے تمھارا کچھ نہیں بگاڑے گا....."

جس طرح خوف وغیرہ کی حالت میں خارجی امور سے وقتی بے توجہی، نفس کی طرف توجہ اور عارضی نفسانی حالات کی پیدائش کا موجب بنتی ہے۔ اسی طرح مسلسل ارادی طور پر اور منظّم انداز میں یہ بے توجہی باعث بنتی ہے کہ نفس انسانی میں مستقل حالت پیدا ہو۔ مختلف امتوں کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ "توجہ نفس" ایک لمبے عرصے سے تمام امتوں کے درمیان رائج تھی۔ گویا کہ تمام الٰہی اور غیر الٰہی ادیان اپنے تمام اختلافات کے باوجود اس نکتے پر متفق تھے کہ "نفس پر قابو پانا" معرفت، قدرت، کمال اور سعادت کے حصول کا سرچشمہ ہے۔ تمام ادیان کا انسان کے لیے یہی پیغام تھا کہ مطلوبہ منزل اور کمال کی دستیابی کے لیے ہر آدمی کے لیے ضروری ہے کہ اپنے نفس کی لگام اپنے ہاتھوں میں لے لے اور اس کی طرف متوجہ رہے۔ اس بناء پر معلوم ہوتا ہے کہ تمام اقوام و ملل میں ایک قسم کا عرفان پایا جاتا تھا اور اس کے اثرات بھی ظاہر ہو چکے ہیں لیکن آئین توحید اور دوسرے تمام ادیان کے مابین دو جہت سے فرق ہے:

ایک ہدف کی جہت سے اور دوسرا وسیلے کی جہت سے۔

دین توحید انسان کے لیے جو ہدف اور غایت بیان کرتا ہے اور معرفت نفس کو اس کی طرف ہدایت کرتا ہے وہ ایک عظیم اور اعلیٰ ترین غایت و مقصد ہے، یعنی ذات باری تعالیٰ اور کمال مطلق ہستی کا قرب حاصل کرنا ہے۔ جبکہ دوسروں کی ریاضت اور کوشش و سعی فقط قدرت

---

[1]۔ سورہ مائدہ (۵) آیت ۱۰۵۔

نفسانی کے حصول کے لیے ہے جو ایک قسم کی نفس پرستی کے مترادف ہے اور وہ خود انسان سے ہٹ کر کسی دوسرے ہدف کی تلاش میں نہیں ہیں۔ دوسری طرف تحریف سے منزّا توحیدی آئین انسان کی عادی زندگی میں خلل ڈالنے والی ہر قسم کی نفسانی خواہش کو ممنوع قرار دیتا ہے اور عظمت وبلندی پر فائز انسان کا کمال اس چیز میں قرار دیتا ہے کہ وہ معاشرے کے اندر رہ کر اس طرح اپنی حفاظت اور اپنے اوپر کنٹرول رکھے کہ بیرونی عوامل اور سازشیں خودسازی کی راہ میں رکاوٹ نہ بن سکیں۔

ایک دیگر بیان کے ساتھ کہ نفس پر جلد قابو پانے والے اہل ریاضت اور درویش لوگ دو گروہوں پر مشتمل ہیں:

ان میں سے ایک گروہ اس مقصد کے تحت اس راہ میں قدم اٹھاتا ہے تاکہ اس کے ذریعے نفس کے خارق العادہ اثرات کو حاصل کر سکے اور ان سے فائدہ اٹھائے، جیسے جادوگر اور جن و روحوں کو تسخیر کرنے والے حضرات، دوسرا گروہ وہ ہے جن کی معرفت نفس اور نفس پر کنٹرول کرنے، نفس اور اس کے حالات کی حقیقت کا مشاہدہ کرنا ہے؛ جیسے مختلف فرقوں سے تعلق رکھنے والے صوفیاء۔ پھر خود اس گروہ کی بھی دو قسمیں ہیں: ان میں بعض کی معرفت نفس کا مقصد فقط اور فقط معرفت نفس ہوتا ہے اور بس۔

البتہ کامل معرفت حاصل کرنے کے بغیر یہ گروہ بھی اپنی کوشش اور خواہش کا نتیجہ حاصل کر لیتا ہے کیونکہ یہ لوگ صانع اور مبدائے نفس (یعنی وجود وآثار کے لحاظ سے جو نفس کا مالک ہے) سے غافل ہیں درحالانکہ ایک شے کے خالق وجود کی طرف توجہ کیے بغیر کیسے اس کی کامل معرفت حاصل کی جاسکتی ہے؟ بہتر ہے کہ ہم اس قسم کی معرفت کو کہانت کا نام دیں۔

لیکن دوسرا گروہ، معرفت نفس کو معرفت پروردگار کے حصول کا ذریعہ قرار دیتا ہے۔ یہی وہ راہ ہے جس کی آئین الٰہی اور دیگر آسمانی دین تبلیغ کرتے آئے ہیں اور نفس کو آیات پروردگار میں

سے ایک آیت اور نشانی کا نام دیتے ہیں اور اپنے نفس کی معرفت کو خدا کی معرفت (جو کہ آخری ہدف ہے) کا ذریعہ اور وسیلہ قرار دیتے ہیں۔﴿أَنَّ إِلَى رَبِّكَ الْمُنْتَهَى﴾ [1]

"اور یہ کہ (منتھائے مقصود) آپ کے رب کے پاس پہنچنا ہے۔" [2]

پس اس بحث کی بنیاد دو ارکان پر قائم ہے : ایک ، نفس کی اندرونی قابلیت اور اس کی استعداد، دوسرا قابل اور باصلاحیت نفس کے متناسب علمی اور عملی طاقت کا فیض پہنچانے والا بیرونی اور غیبی سرچشمہ۔ دینی منابع ، بشمول آیات و روایات میں یہ موضوع کاملاً ایک خاص توجہ اور اہمیت کا حامل ہے کہ اگر انسان اپنے جسم و روح کو ایک خاص نظم اور پروگرام کے تحت قرار دے اور تقوی ، پاکیزگی اختیار کرے اور گناہوں سے اجتناب کرے۔ اس کے لیے ایسے غیبی حقائق کشف ہوں گے جو انسان کی عادی فکر کے لیے ناقابل تصور ہیں :

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَتَّقُوا اللهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا﴾ [3]

"اے ایمان والو : اگر تم اللہ سے ڈرو تو وہ تمہیں (حق و باطل میں) تمیز کرنے کی طاقت عطا کرے گا۔"

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام ذکر و یاد خدا کے بارے میں فرماتے ہیں :

«ان الله سبحانه و تعالى جعل الذكر جلاءً للقلوب» [4]

"بے شک اللہ سبحانہ و تعالی نے ذکر کو دلوں کے لیے جلاء قرار دیا ہے۔"

---

[1]۔ سورہ نجم (۵۳) آیت ۴۲۔

[2]۔ المیزان سے اقتباس، ج ۶، ص ۱۷۸ الی ص ۱۹۴۔

[3]۔ سورہ انفال (۸) آیت ۲۹۔

[4]۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۱۱، ص ۱۷۶۔

(بیرونی دنیا سے بے توجہی اور اندرونی دنیا کی طرف توجہ کی وجہ سے روح خارق العادہ قدرت کی حامل ہو جاتی ہے) اسی حقیقت کی بناء پر جب محفل میں بیٹھے بعض صحابہ نے آخری نبیؐ سے عرض کیا کہ حضرت عیسیٰؑ کے بعض ساتھی پانی پر چلتے تھے تو آنحضرتؐ نے جواب میں فرمایا:

«لوكان يقينُه اشدُّ مِن ذَلِكَ لَمَشٰى عَلى الهواء» [1]

"اگر اس کا یقین اور زیادہ کامل ہوتا تو ہوا پر بھی چل سکتا تھا۔"

معجزات تو شود آن آب و آتش زان كه تو
چون خليل وچون كليم ازآب و آتش بگذری[2]

اسی بارے میں حضرت امام صادق علیہ السلام نے بھی بیان فرمایا ہے:

«مَا ضَعُفَ بَدَنٌ عَمَّا قَوِيَت عَلَيه النِيبةُ» [3]

"جس چیز کے بارے میں انسان کی نیت پختہ ہو بدن کمزور نہیں ہو سکتا۔"

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

«مَعرِفَةُ النَفسِ اَنفَعُ المَعَارَفِ» [4] "معرفت نفس تمام معرفتوں میں زیادہ نفع بخش ہے۔"

«نَالَ الفَوز الاَكبَرُ مَن ظَفَرَ بِمَعرِفَةِ النَّفس» [1]

---

[1] ۔ بحار الانوار، ج ۷۰، ص ۱۷۹۔

[2] ۔ پانی اور آگ کے معجزے تمہارے بھی ہو سکتے ہیں اگر تم حضرت خلیل اور کلیم کی طرح پانی اور آگ سے گذر جاؤ۔

[3] ۔ امالی صدوق، ص ۲۹۳۔

[4] ۔ غرر و درر آمدی۔

"جس نے نفس کی معرفت پالی اسے بہت بڑی کامیابی مل گئی۔"

هر که خود را چنان که بود، شناخت
تا ابد سر به زندگی افراخت
فانی آن شد که نقش خویش نخواند
هرکه این نقش خواند، باقی ماند
و آن کسان کز وجود بی خبرند
زین در آیندو زان دگر گزرند[2]

بنابریں ان دو ارکان کے پیش نظر (۱۔انسان کے نفس و روح کی حیران کن استعداد، ۲۔علم اور قدرت عطا کرنے والی ملکوتی ذات) معجزات اور خوارق عادات امور کو قبول کرنا دشوار نہیں ہو گا۔ جب انسانی روح اس قوت کی مالک ہے کہ غیبی سرچشمے، رحمانی یا کبھی شیطانی، سے رابطہ برقرار کر سکتی ہے تو ایک مستعد روح کے لیے عالی منبع سے خارق العادہ قوت کے حصول، اور پھر اپنی اسی ارادی قوت و قدرت کے ذریعے اس عالم میں تکوینی اور وجودی تصرف کرنے میں کیا رکاوٹ ہے؟ سورہ نجم کی آیات میں منبع الٰہی وحی کے بارے میں تذکرہ ہوا ہے اور نیز عنصر "علم و قدرت" پر بھرپور توجہ دلائی گئی ہے: ﴿وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَى، مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَ مَا غَوَى گ گ عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَى﴾[3]

"قسم! ہے ستارے کی جب وہ غروب کرے تمہارا رفیق نہ گمراہ ہوا ہے نہ بہکا

---

[1]۔ غرر و درر آمدی۔

[2]۔ جس نے اپنی اصل حقیقت کو پہچان لیا وہ زندگی میں تا ابد سربلند ہو گیا۔ وہ شخص فنا ہو گیا جس نے اپنا کردار نہ سمجھا اور جو سمجھ گیا وہ بقا پا گیا اور جو لوگ اپنے وجود کے علاوہ بے خبر ہیں وہ اس بے خبری سے چھٹکارا حاصل کریں اور اس سے باہر نگاہیں دوڑائیں۔

[3]۔ سورہ نجم (۵۳) آیت ۱ تا ۵۔

ہے..... شدید قوت والے نے انہیں تعلیم دی ہے۔"

اس کلام کا مقصد یہ ہے کہ جو بھی عالم غیب کے ساتھ متصل اور مرتبط ہو جاتا ہے اور غیبی حقائق کو اس عالم سے لیتا ہے وہ قدرت اور قوت بھی وہیں سے لیتا ہے اور یہ سب عطا کرنے والا ایسا سرچشمہ ہے کہ جو طاقت قدرت، اور قبضے کے لحاظ سے سب سے زیادہ قوی ہے؛ کیونکہ علم عین قدرت ہے اور قدرت کا سرچشمہ علم ہوتا ہے۔

البتہ گذشتہ بحث کے ہدف اور مقصد پر ہماری گہری توجہ ہے وہ مقصد یہ ہے کہ افراد بشر کے اندر موجود خارق العادہ صلاحیتوں کے اثرات اور علامتیں، ہر قسم کے عقلی محالات اور انبیاء کے معجزات اور خوارق عادات میں شک وشبہ دور کرنے کے لیے کافی ہیں؛ وگرنہ (جیسا کہ ہم بیان کریں گے) خوارق عادات فقط جنس کے لحاظ سے معجزہ کے ساتھ مشترک ہیں لیکن نوع کے لحاظ ایک دوسرے سے جدا ہیں؛ کیونکہ ایک مرتبہ قوت، شدت اور بے بدل ہونے کی وجہ سے معجزہ، اولیاء کی تمام کرامات اور معمولی خوارق عادات سے ممتاز اور جدا ہوجاتا ہے اور دوسری مرتبہ سرچشمۂ الٰہی سے اتصال اسے اور کرامات کو تمام خوارق عادات کاموں پر برتری دیتا ہے۔ انبیاء اور اولیاء کے کاموں کی برتری کا راز، ایمان اور خداوند کی بے انتہا قدرت پر مکمل بھروسہ کرنا ہے اسی طرح وہ اپنے آپ کو خدا کی بیکران قدرت کے سائے میں دیکھتے ہیں؛ جبکہ دیگر افراد اپنے نفس پر اعتماد کرتے ہیں اور ان کے الہام اور قدرت کے حصول کا سرچشمہ شیطانی طاقتیں ہوتی ہیں۔

معجزہ اور سائنس

بعض افراد کا خیال ہے کہ معجزے کو قبول کرنا، علم و دانش کے مخالف ہے؛ کیونکہ علم نے اپنے تکامل کی راہ میں جتنی ترقی کی ہے اور اس عالم ہستی کے نت نئے رازوں کو کشف کیا ہے اس سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ اس عالم ہستی میں کوئی بھی حادثہ اور واقعہ علل واسباب اور اپنی خاص شرائط کے بغیر وجود میں نہیں آسکتا، پس اس کے باوجود کس طرح یقین کیا جائے کہ مثلاً آگ، جس کی قدرتی خاصیت جلانا ہے، کسی کو نہ جلائے اور اسے کسی قسم کا نقصان نہ پہنچائے؟ کس طرح دنیا میں تازہ جنم لینے والا بچہ کسی قسم کی تیاری اور شرائط تکلم کے بغیر کلام

کرے؟ کیا مگر کلام کرنے کے لئے ایک قسم کے اسباب مثلاً پھیپھڑوں، نرخرہ اور زبان و عقل و سمجھ بوجھ وغیرہ کا ہونا ضروری نہیں ہے؟

اس نظریے میں، معجزے کو انارکی اور بے نظمی کے مترادف اور انسان کے علمی تجربے اور قوانین تجربہ کے مخالف شمار کیا گیا ہے۔

اس بارے میں ہیوم کی مشہور رائے یہ ہے "کہ معجزہ" مادی قوانین کے توڑ کا نام ہے اور کیونکہ پختہ اور ناقابل تغییر تجربہ ان قوانین کو ثابت کر چکا ہے لہٰذا یہ معجزے کے خلاف اتنی پختہ دلیل ہے جتنی ہر تجربی برہان کو تصور کیا جا سکتا ہے۔ معجزات کی تشخیص کے لیے ہمارے پاس واحد دلیل مادی کائنات میں موجود نظم سے حاصل ہونے والا ہمارا کلی تجربہ ہے۔ اگر ہم آج تک رونما ہونے والے تمام معجزات کا انکار کر دیں تو یہ ہمارے عادی تجربے کے ساتھ زیادہ سازگار ہے"[1] یہ نظریہ علم طبیعیات اور مکتب تجربہ کے بعض دیگر ماہرین سے بھی نقل ہوا ہے۔

ایران کے مشہور مادہ پرست ڈاکٹر ارانی ابتداء سے ہی معجزے کو اتفاقی حادثے کے مترادف سمجھتے اور بغیر علل و اسباب کے ایک حادثے کی پیدائش سے تعبیر کرتے اور پھر اس پر تنقید کرتے تھے[2]۔ البتہ یہ نظریہ، قرون وسطی کے بعض عیسائی متکلمین کی فکر کا رد عمل ہے؛ کیونکہ وہ ہر اس واقعے کو جو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتا اسے خدا کے ارادے کی بلا واسطہ تاثیر کا نتیجہ قرار دے دیتے تھے اور آسانی کے ساتھ اسے معجزے سے تعبیر کر دیا کرتے تھے[3]۔

اس نظریے نے دانشوروں کی افکار پر بہت ہی برا اثر ڈالا اور ان کو رد عمل پر مجبور کر دیا۔ مثلاً فرانسیسی ریاضی دان "پوآنکارہ" معجزے کے بارے میں لکھتے ہیں: "عوام الناس کا اپنے خدا

---

[1]۔ فلسفہ دین ہاسپرز، ص ۸۲، ترجمہ محمد رضائی۔

[2]۔ ماخوذ از استاد شہید مطہری، مجموعہ آثار ج ۴، ص ۴۲۷۔

[3]۔ قرون وسطی میں روح فلسفہ سے اقتباس، جیلسن، ص ۵۷۱۔

سے یہ تقاضا ہے کہ اپنے وجود کو معجزات کے وسیلے سے ثابت کرے، اتفاقاً، اعجاز ازلی یہ ہے کہ اس میں معجزہ درکار نہ ہو اور یہی دلیل ہے کہ دنیا خدا کی بنائی ہوئی ہے کیونکہ اس میں ایک متوازن نظام برقرار ہے اگر دنیا ہوا و ہوس کی بنیاد پر ہوتی تو کون ثابت کر سکتا تھا کہ دنیا اتفاقی اور حادثاتی نہیں ہے؟"[1]

انتہائی افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ یہ غلط فہم "مالبرانش" جیسے عظیم فیلسوف اور دانشور شخص کو بھی دامنگیر ہو گیا، موصوف ایک مقام پر کہتے ہیں: "خدا اپنے عمومی نظام و قانون کو دوسری چیزوں سے زیادہ پسند کرتا ہے لہٰذا اس عام اور رائج قانون کو توڑنے والے معجزے کو خدا ناپسند کرتا ہے؛ لیکن کبھی کبھار ضرورت کے تحت معجزے کو پیش کرنے میں مجبور ہو جاتا ہے۔"[2]

اور اسی تصور کا بعض مسلمان مصنفین نے بھی اظہار کیا ہے اور معجزہ کو نظم عالم میں ایک قسم کا خلل اور اس سے مستثنیٰ شمار کیا ہے۔[3]

تنقیدی جائزہ

مندرجہ بالا نظریہ پر پہلا اعتراض یہ ہے کہ معجزہ کو اتفاقی حادثہ، بے نظمی، کائنات میں رائج قوانین کی خلاف ورزی قرار دینا ایک قسم کا مغالطہ اور ایک واقعے کے انکار کی وجہ سے اس کی نادرست تفسیر ہے۔ اگر ضابطہ اور بناء یہ ہو کہ ہر قسم کا حادثہ جو اس عالم کے معمول و متعارف نظام سے باہر ہو ایک لحاظ سے انار کی اور بے نظمی کے برابر ہے، اور اس پر انکار کا لیبل چپکا دیا جائے، تو پھر ضروری ہے کہ وہ تمام امور جو خرق عادت شمار ہوتے ہوں ان کو بھی منفی اور انکار

---

[1]۔ مجموعہ آثار باز رگان سے منقول، ج ا، ص ۸۹۔

[2]۔ خدا محوری ص ۱۷۲۔

[3]۔ سر سید احمد خان ہندی اپنی تفسیر میں۔

کی نگاہ سے دیکھیں، حالانکہ ان میں سے بہت سارے امور نا قابل انکار ہیں حتیٰ کہ تجربی علوم ان کو ایک خاص مقام دینے پر مجبور ہیں۔

دوسری جانب، ہیوم نے اپنی معرفت کائنات کی بنیاد، محض تجربے پر استوار کر رکھی ہے۔

"حقیقی امور کے بارے میں استدلال کرنے اور تمام اختلافات کے حل کے لیے ہمارے پاس واحد دلیل اور آخری مرجع تجربہ ہے۔"

یہ ایک فطری بات ہے کہ اگر کسی کی معرفت کی بنیاد تجربہ ہو تو حس اور تجربہ، وجود کی تمام واقعیات پر حاوی نہیں ہو سکتا؛ لیکن ایک نکتے کو مورد توجہ قرار دینا لازمی ہے وہ یہ کہ اگر کسی کی معرفت کی بنیاد فقط حس اور تجربہ ہو تو وہ کائنات میں موجود قانون اور نظم کے بارے میں اظہار عقیدہ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے؛ کیونکہ حِس و تجربہ کے وسائل فقط محسوس واقعات کے وجود اور ان کے آپس میں ارتباط او رملے ہوئے ہونے کو منکشف کر سکتے ہیں۔ معرفت کی اسی روش کی بناء پر ہیوم کامادی فلسفہ، قانون علیت اور سبب اور مسبّب کے درمیان لازمہ کا منکر ہے جبکہ یہ نفی وانکار بھی ایک نادرست اور غیر علمی کوشش ہے کہ جس کے بارے میں ہم گفتگو کریں گے۔

یہاں جس نکتہ کی جانب توجہ کرنا لازمی ہے وہ یہ کہ حسی و تجربی معرفت کے نتیجہ میں فقط محسوسات کے دائرہ کار میں مشاہدہ ہونے والے واقعات کو معلوم کیا جا سکے گا۔ اگرچہ حِس اور تجربہ، انسان کو پے در پے محسوسات کے ایک سلسلے کے علاوہ کچھ نہیں دیتا۔ (ہم ایک موجود A کو ہمیشہ موجود B کے ہمراہ دیکھتے ہیں)۔ اس لحاظ سے کائنات میں "موجود قانون"، "لزوم"، "ضروری" ہے کے بارے میں گفتگو کرنا حِس و تجربے کا کام نہیں ہے، بلکہ ضرورت ولزوم اور قانونیت اور نا قابل تغیر ہونا کہ جس کا ہیوم کے کلام میں ناخواستہ طور پر ذکر ہوا ہے ایک مفہوم عقلی اور انسانی عقل کا محصول ہے۔ کائنات میں موجود قانون کے بارے میں بات کرنے کا فقط اس شخص کو حق پہنچتا ہے جو معرفت کو حس و تجربہ میں محدود نہ کرے بلکہ "عقل یا وحی و یا ہر دو" کو بھی معرفت کے منابع کے عنوان سے قبول کرتا ہو۔ فطری طور پر ایسے شخص کے لیے یہ سوال پیش آسکتا ہے کہ کائنات میں رائج قطعی و ضروری قوانین کے عمل میں ایک ماورائے

طبیعت امر کے عنوان سے معجزات کا مقام کہاں ہے؟ اس صورت میں اس سوال کے لئے ایک مستحکم جواب اور اساسی تحلیل کی ضرورت ہے لیکن مکتب تجربہ اوریوزٹیویسٹ (وہ جو صرف قابل مشاہدہ چیزوں کو مانتا ہو) اپنی روش اور طریقے کی بناء پر قانونیت عالم اور اس کے ناقابل تغییر ہونے کے بارے میں حق سخن نہیں رکھتا چہ جائیکہ ان معجزات کو اس کے منافی و مخالف قرار دے۔ مکتب تجربہ کی علمی روش نے اپنے معتقدین کو مادی فکر میں ہرج و مرج اور تناقص گوئی سے دوچار کر دیا ہے کہ ناخواستہ طور پر معجزے جیسی ایک ماوراء الطبیعۃ حقیقت کے انکار کے لیے ایک ایسے عقلی قانون کی مدد لیں جس کے وہ خود منکر ہیں!

ایک دوسرا نکتہ جس سے چشم پوشی نہیں کی جاسکتی وہ یہ کہ حس اور تجربہ کا کردار فقط ایجابی (مثبت) ہو سکتا ہے نہ سلبی (منفی)۔ حس اور تجربہ صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے اپنے وسائل کے ذریعے فلاں چیز کا مشاہدہ اور تجربہ کیا ہے پس وہ چیز موجود ہے لیکن اپنی حدود سے خارج کسی موجود چیز کا انکار کرتے ہوئے ہر گز نہیں کہہ سکتے فلاں چیز کو میں نے نہیں دیکھا پس وہ وجود نہیں رکھتی یا موجود نہیں ہو سکتی۔ اس نکتے کی طرف توجہ کرتے ہوئے تجربی نگاہ اپنے وسائل کی بناء پر ہر گز معجزات کی نفی نہیں کر سکتی۔ یہاں مناسب ہے کہ فکر تجربہ کے نظریے پر نقد کرنے کے لیے ایک مغربی دانشور کے کلام کو نقل کریں۔ یہ دانشور کہتے ہیں:

"جس چیز کا وقوع علمی (تجربی) لحاظ سے ممنوع جانا جائے از لحاظ فلسفی اس کا وقوع ممکن ہے۔ موصوف معتقد ہیں کہ علمی قضایا کی قدر و منزلت اتنی نہیں ہے کہ ہم انہیں قطعی معیار کے طور پر تسلیم کر لیں اور اس کے ذریعے اعجاز آمیز واقع کی حکایت کرنے والی ہر دلیل و تجربہ کو رد کر دیں[1]۔

آخر کار ہم شیوہ علمی کی پیروی کرتے ہوئے احتیاطاً اس نکتے کا اضافہ کرنے پر مجبور ہیں کہ "ایان باربر" کی تعبیر کے مطابق جب ایک فیلسوف کا دینی تجربہ، اعجاز آمیز واقعات یا ان سے

---

[1] (R.F.Hollond, Themiraculous'in miraclrs, Editedby Richard.Swinburne, P.53.)۔

حکایت کرنے والی اخبار اور علوم تجربی کے قوانین جیسی مختلف حقیقتوں سے واسطہ پڑتا ہے تو ایک جامع راہ حل اور معرفتی اور فلسفی نظام کی تلاش کرنے میں مجبور ہے تاکہ ان مختلف واقعات کو ایک جامع تفسیر کے ذیل میں قرار دے سکے اور بنیادی طور پر تاریخ میں تمام افکار کا علمی طریقۂ کار یہ تھا کہ نئے جنم لینے والے واقعات اور تجربوں کی وجہ سے ایسے جامع ترین نظریات پیش کیے جاتے تھے جو ان تمام واقعات کی تفسیر کر سکیں۔[1]

معجزہ اور عقلی قوانین

عقلی قانون کی نظر میں، قانون علیت (ایک چیز کا دوسری چیز سے وابستہ اور اس پر موقوف ہونا) ایک عقلی اور نا قابل تغییر قانون ہے۔ ہر وابستہ چیز یا واقعہ جو علت کا محتاج ہے بغیر علت کے اس کا وجود میں آنا محال ہے۔ اسی طرح سبب و مسبّب کے درمیان مناسبت اور سنخیت بھی ایک مسلّمہ اور نا قابلِ تخلّف عقلی قاعدہ ہے[2]۔ یعنی ہر علت اپنے وجود کے ہم سنخ خاص معلول کو ایجاد کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے اور مقابلے میں ہر معلول بھی فقط ایک خاص ہم سنخ علت سے وجود میں آنے کا امکان رکھتا ہے۔

یہیں پر ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ عالم وجود میں رائج ایک قانونی اور سلسلہ وار نظام کے باوجود معجزات اور خوارق عادات کا وقوع (حوادث کا اپنے منبع کے بغیر وجود میں آنا) کیسے ممکن ہے؟ نظام کائنات کے قانون کے برعکس معجزات اور خوارق عادت واقعات کا متحقق ہونا کیا قانون علّیت سے مستثنیٰ اور اس کی مخالفت اور معلول کا علت کے بغیر وجود میں آنا نتیجتاً خلاف عقل نہیں؟ یہ ایک سنجیدہ و پیچیدہ فکری مسئلہ ہے۔ اسی وجہ سے یہ مسئلہ اسلامی متکلمین کے مابین مختلف بلکہ متعارض نظریات کی پیدائش کا موجب بنا ہے۔

---

[1]۔ "علم ودین" سے انتخاب شدہ، ترجمہ خرمشاہی، ص ۱۵۵۔ ۱۶۵۔

[2]۔ یعنی جس کی خلاف ورزی نہ کی جاسکے۔

اشاعرہ کا نظریہ

اشاعرہ کی نگاہ میں مذکورہ موضوع کا افعال الٰہی اور قدرت و مشیت الٰہی کے ساتھ بہت ہی گہرا ارتباط ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ اشاعرہ ظواہر قرآن سے تمسک کرتے ہوئے قدرت و مشیت نیز افعال الٰہی کو کسی بھی (عقلی) قید و شرط سے مقید نہیں مانتے۔ اسی بناء پر انھوں نے معجزہ اور نظام کائنات کی قانونیت کے درمیان ارتباط کے مسئلے میں معجزہ کو قبول اور قانونیت نظام کا انکار کیا ہے۔

نظام کائنات کے بارے میں انکا نظریہ ہے کہ اس قسم کا نظام ضروری نہیں بلکہ "عادت اللہ" کے مطابق جاری ہے اگرچہ کائنات ایک منظّم سلسلہ ہے جس کے حوادث یکے بعد دیگرے رونما ہوتے ہیں لیکن یہ ایسے قوانین ہیں جن کو خداوند نے اس عالَم کے لیے قرار دیا ہے۔[1] ہم چونکہ ان قوانین کے تابع ہیں اس لیے اس منظّم سلسلے کی خلاف ورزی ہمارے لیے ناممکن ہے؟ لیکن خداوند اس قانون کا بنانے والا ہے اور قانون اس کے ارادے کے تابع ہے اور یہ قانون خود اس پر لاگو نہیں ہوتا، بنابریں معجزہ، خرق عادت اور ایک قانون کے بارے میں الٰہی مشیّت کی تبدیلی کو اس نے خود قرار دیا ہے۔ خداوند خود ذاتی طور پر اشیاء کو ایک دوسرے سے متناسب خلق فرماتا ہے، وہ چاہے تو ان کو غیر متناسب خلق کرسکتا ہے بہ الفاظ دیگر ہمارے خیال کے مطابق معجزہ جن مادی قوانین کے برخلاف ہوتا ہے عقل ان کی ضرورت و لزوم کو کشف کرنے پر ہرگز قادر نہیں ہوتی؛ یعنی عقل کے پاس اتنی قدرت نہیں کہ وہ ایک چیز کے بارے میں قاطعیت کے ساتھ حکم لگائے کہ ضروری اور لازمی ہے کہ اس چیز کا وجود ایک خاص شکل و

---

[1]۔ یعنی طے کردیا ہے (مترجم)

صورت میں ہو اس کے علاوہ نہیں ہو سکتا۔ یہ قرآن سے استناد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ خدا قادر مطلق اور جو چاہتا کرتا ہے: ﴿إِنَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ [1] "اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔"

{إِنَّ اللهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ } [2] "یقیناً اللہ جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے۔"

اس لحاظ سے اگر ہم نظام کائنات میں ایک قطعی قانون کے پابند ہو جائیں تو قدرت وارادہ الٰہی محدود ہو جائے گا۔ یعنی خدا بھی اس قانون کی پیروی کرنے پر مجبور ہے۔ ان کے خیال کے مطابق جب آیات الٰہی پر نگاہ ڈالتے ہیں تو دو قسم کی آیات ملتی ہیں۔

پہلی قسم کی آیات فقط خداوند متعال کی ذات کو امور کائنات میں موثر جانتی ہیں اور تمام افعال کو خدا کی طرف منسوب کرتی ہیں جیسے:

﴿وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ﴾ [3] "اور ہر چیز کو اس نے پیدا کیا ہے۔"

﴿بَلْ لِلَّهِ الأَمْرُ جَمِيعًا﴾ [4] "بلکہ یہ سارے امور اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔"

﴿أَفَرَأَيْتُمْ مَا تُمْنُونَ أَأَنْتُمْ تَخْلُقُونَهُ أَمْ نَحْنُ الْخَالِقُونَ﴾ [5]

"کیا تم نے سوچا ہے کہ جس نطفے کو تم (رحم) میں ڈالتے ہو کیا اس (انسان) کو تم بناتے ہو یا بنانے والے ہم ہیں؟"

---

[1]۔ سورہ حج (۲۲)، آیت ۶۔

[2]۔ سورہ حج (۲۲) آیت ۱۸۔

[3]۔ سورہ انعام (۶) آیت ۱۰۱۔

[4]۔ سورہ رعد (۱۳) آیت ۳۱۔

[5]۔ سورہ واقعہ آیت ۵۸۔۵۹۔

﴿وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ﴾ [1]

"اور تو جسے چاہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہے ذلیل کر دیتا ہے۔"

﴿أَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيعًا﴾ [2] "ساری قوت صرف اللہ کے لیے ہے۔"

﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ﴾ [3]

"حالانکہ خود تمہیں اور جو کچھ تم بناتے ہو سب کو اللہ نے پیدا کیا ہے۔"

﴿ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ فَعَّالٌ لِمَا يُرِيدُ﴾ [4]

"بڑی شان والا عرش کا مالک ہے۔ جو چاہتا ہے اسے خوب انجام دینے والا ہے۔"

﴿كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ﴾ [5] "وہ ہر روز ایک (نئی) کرشمہ سازی میں ہے۔"

دوسری قسم کی آیات میں خدا کے علاوہ مادی علل واسباب کی تاثیر کو بیان کیا گیا ہے، جیسے:

﴿أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا﴾ [6]

"اور آسمان سے پانی برسایا پھر اس سے تمہاری غذا کے لیے پھل پیدا کیے۔"

---

[1]۔ سورہ آل عمران (۳) آیت ۲۶۔

[2]۔ سورہ بقرہ (۲) آیت ۱۶۵۔

[3]۔ سورہ صافات (۳۷) آیت ۹۶۔

[4]۔ سورہ بروج (۸۵) آیت ۱۵۔۱۶۔

[5]۔ سورہ الرحمٰن (۵۵) آیت ۲۹۔

[6]۔ سورہ بقرہ (۲) آیت ۲۲۔

﴿هُوَالَّذِی جَعَلَ لَکُمُ النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا بِهَا فِی ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ﴾[1]

"اور وہی ہے جس نے تمھارے لیے ستارے بنائے تاکہ تم ان کے ذریعے خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں راستہ معلوم کرو۔"

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا کَسَبَتْ أَیْدِی النَّاسِ ﴾[2]

"لوگوں کے اپنے اعمال کے باعث خشکی اور تری میں فساد برپا ہو گیا۔"

﴿مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ۔ الَّذِی یُوَسْوِسُ فِی صُدُورِ النَّاسِ﴾[3]

"پس پردہ رہ کر وسوسہ ڈالنے والے (ابلیس) کے شر سے جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے۔"

﴿قَدْ جَاءَکُمْ مِنَ اللهِ نُورٌ وَکِتَابٌ مُبِینٌ. یَهْدِی بِهِ اللهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلامِ﴾[4]

"بتحقیق تمہارے پاس اللہ کی جانب سے نور اور روشن کتاب آچکی ہے جس کے ذریعے اللہ ان لوگوں کو امن وسلامتی کی راہیں دکھاتا ہے جو اس کی رضا کے طالب ہیں۔"

انھوں نے مندرجہ بالا دونوں قسم کی آیات کے درمیان اتحاد و وحدت ایجاد کرنے کے لیے پہلی قسم کی آیات سے حقیقی معنی مراد لیا ہے اور دوسری قسم کی آیات سے مجازی معنی مراد لیا ہے،

---

[1]۔ سورہ انعام (٦) آیت ۹۷۔

[2]۔ سورہ روم (۳۰) آیت ۴۱۔

[3]۔ سورہ ناس (۱۱۴) آیت ۴۔ ۵۔

[4]۔ سورہ مائدہ (۵) آیت ۱۵۔ ۱٦۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ تاثیر کو ذات خدا میں منحصر سمجھتے ہیں اور کائنات کے نظام سبب و مسبّب کو صرف تقارن اور متناسب جانتے ہیں جو کہ "عادت اللہ" کے مطابق جاری وساری ہے[1]۔

اس بنا پر ان کی طرف سے "عادت اللہ" کا عنوان پیش کرنا، اسی مقصد کے تحت ہے کہ ایک طرف خدا کی قدرت مطلقہ کو محکم ثابت کریں دوسری طرف معجزہ کے ممکن ہونے کو اثبات کریں۔ اسی وجہ سے ان کے کلام کا مقصد نظام سبب و مسبّب اور نظام کائنات میں موجود قانون کی قانونیت کی نفی کرنا ہے۔

اس بارے میں غزالی کہتے ہیں: "(فلاسفہ) مادی اسباب پر انحصار کرتے ہوئے، عصا کے اژدھا بن جانے یا مردوں کے زندہ ہونے اور اس قسم کے دوسرے افعال کو ناممکن شمار کرتے ہیں۔ جبکہ ہم اس نظریہ کے مخالف ہیں۔ ضروری ہے کہ ہم معجزات کے اثبات اور مسلمانوں کے مسلّمہ قاعدے کہ (خداوند تمام اشیاء پر قادر ہے) کی حمایت کرتے ہوئے اس مسئلہ "سببیّت" کے متعلق بحث کریں۔"[2]

اشاعرہ کے نظریے پر ایک تنقیدی نظر

ا۔ جیسا کہ ہم نے دیکھا کہ کائنات کے حتمی نظام کی نفی کے لیے اشاعرہ کی اصلی دلیل ظواہر آیات ہیں۔ انھوں نے دو قسم کی آیات کی پیش کرتے ہوئے کائنات میں مخلوقات کی تأثیر کو بیان کرنے والی آیات کو مجازی شمار کیا ہے اور ان کی تأویل کی ہے۔ یہاں ایک سوال سامنے آتا ہے کہ کیا ہم مجبور ہیں کہ دو قسم کی آیات میں سے ایک گروہ کو مجازی شمار کریں اور ان کی تاویل کریں؟ کیا توحید افعالی اور فقط خدا کے حقیقی مؤثر ہونے سے قانون علیت، دوسرے مادی اسباب کی تاثیر اور اور کائنات میں موجود قانون کی نفی لازم آتی ہے؟ بہت ساری آیات صراحت کے ساتھ مختلف

---

[1]۔ رجوع کریں، شرح مواقف ایجی، ج ۸، ص ۱۵۸۔

[2]۔ تہافت الفلاسفہ، مسألہ ۱۷، ص ۲۳۶۔

اشیاء کی تاثیر کو تسلیم کرتی ہیں اور اسباب ومسبّبات کی تاثیر کو بشر کے علم تجربہ کے ذریعے حاصل شدہ مقامات سے بھی بڑھ کر بیان کرتی ہیں کس دلیل کی بناء پر ہم آیات کی تاویل کریں اور ان کا ظاہری معنی مراد نہ لیں؟ ہم یہاں پر نمونے کے طور پر بعض آیات کو پیش کرنا مناسب سمجھتے ہیں:

﴿وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ﴾ [1]

"اور تمام جاندار چیزوں کو ہم نے پانی سے بنایا ہے۔"

﴿إِنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِنْ طِينٍ لَازِبٍ﴾ [2]

"اور ہم نے انہیں لیس دار گارے سے پیدا کیا۔"

﴿جَاعِلِ الْمَلَائِكَةِ رُسُلاً﴾ [3] "نیز فرشتوں کو پیغام رساں بنانے والا ہے۔"

﴿إِنْ تَنْصُرُوا اللهَ يَنْصُرْكُمْ﴾ [4] "اگر تم خدا کی مدد کروگے تو وہ تمہاری مدد کرے گا۔"

﴿وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَى آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ﴾ [5]

"اور اگر ان بستیوں کے لوگ ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان وزمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔"

---

[1]۔ سورہ انبیاء (۲۱) آیت ۳۰۔

[2]۔ سورہ صافات (۳۷) آیت ۱۱۔

[3]۔ سورہ فاطر (۳۵) آیت ۱۔

[4]۔ سورہ محمد (۴۷) آیت ۷۔

[5]۔ سورہ اعراف (۷) آیت ۹۶۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ يَهْدِيهِمْ رَبُّهُمْ بِإِيمَانِهِمْ﴾[1]

"جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال بجالائے بے شک انکا رب ان کے ایمان کے سبب انکی ہدایت کرے گا۔"

﴿إِنِّي جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوا أَنَّهُمْ هُمُ الْفَائِزُونَ﴾[2]

"آج میں نے ان کے صبر کا انہیں یہ بدلہ دیا کہ وہی لوگ کامیاب ہیں۔"

علامہ طباطبائیؒ سورہ طلاق کی آیات کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "(قدر) سے متعلق قرآنی آیات اس بات کی تائید کرتی ہیں کہ خدا نے ہر چیز کو ایک خاص اندازے کے مطابق قرار دیا ہے اور اس کا مرتبہ اور معین مقام معلوم ہے کہ وہ شے اس کی خلاف ورزی نہیں کر سکتی اور وہ چیز اپنی علل، شرائط اور روابط سے قائم ہے۔" وہ اس سورہ مبارکہ میں پہلے "توکل" کی وضاحت کرتے ہیں:

مَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ فَهُوَ حَسْبُهُ "جو بھی خدا پر توکل کرتا ہے خدا اس کے لیے کافی ہے۔"

﴿إِنَّ اللهَ بَالِغُ أَمْرِهِ﴾ "بیشک خدا اپنے حکم کا پہنچانے والا ہے۔"

پھر فرماتے ہیں:

قَدْ جَعَلَ اللهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا۔ "اس نے ہر شے کے لیے ایک مقدار معین کر دی ہے۔"

خداوند جب ایک چیز کو ایجاد کرنا چاہتا ہے تو اسے اس کی حد کے مطابق اور اسے اپنے وجود کی برکت سے انجام دیتا ہے؛ حالانکہ وہ قادر مطلق ہے اور جس کام کو چاہے انجام دے سکتا ہے:

---

[1]۔ سورہ یونس (۱۰) آیت ۹

[2]۔ سورہ مومنون (۲۳) آیت ۱۱۱۔

﴿وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلاعِنْدَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنَزِّلُهُ إِلا بِقَدَرٍ مَعْلُومٍ﴾ [1]

"اور کوئی چیز ایسی نہیں جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں پھر ہم اُسے مناسب مقدار میں نازل کرتے ہیں۔"

آیات قرآن کے ظواہر پر عمل کرنے والا شخص عقلی یا واضح نقلی (قرآنی وحدیثی) دلیل کے بغیر کس طرح اپنے آپ کو اجازت دیتا ہے کہ وہ کائنات میں مخلوقات کی تاثیر والی آیات کی تأویل کرے اور اُن کے ظاہری معنی سے ہٹ کر کوئی اور معنی بیان کرے؟ حالانکہ ان دو قسم کی آیات کی تبیین کرتے وقت ہم اپنی پسند کی تفسیر کرنے پر مجبور نہیں ہیں کہ ایک گروہ کا حقیقی معنی اور دوسرے کا مجازی معنی کریں۔

۲۔ عادت اللہ ہے یا کہ سنت اللہ؟ جس طرح کہ بیان ہو چکا ہے کہ اشاعرہ اور ان کے پیروکاروں کا یہ عقیدہ ہے کہ نظام کائنات میں رائج قوانین ایک حتمی اور ناقابل تغییر نظام کو بیان نہیں کر رہے بلکہ فقط واقعات کے درمیان تناسب اور اُن کے یکے بعد دیگرے وقوع کو بیان کرتے ہیں ان کے نزدیک یہ قوانین عالم صرف "قرار دادی" ہیں جو مشیّت یا عادت الٰہی کے مطابق جاری ہوتے ہیں۔ دن، رات کے اور رات، دن کے بعد آتی ہے۔ حرارت، آگ کے ساتھ ہوتی ہے، یعنی ایسا نہیں ہے کہ آگ مؤثر اور حرارت، آگ کا واقعی اثر ہو۔ ہم اپنے خیال میں ایک کو مؤثر اور دوسرے کو اثر کا نام دیتے ہیں جبکہ واقعیت اس طرح نہیں ہے۔

ایک قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ جب ان سے سوال کیا جائے کہ "خداوند متعال نے ایسی" کیفیت کو کیوں ایجاد کیا؟ تو کہتے ہیں:

"مصلحت کا تقاضا یہی تھا اگر خداوند متعال اس کیفیت اور موجودہ نظام کو خلق نہ فرماتا تو نظام ہستی میں بد نظمی اور خلل واقع ہو جاتا!"

---

[1] ۔ حجر (۱۵) آیت ۲۱۔

یہاں پر دو اور سوال پیش آتے ہیں:

پہلا یہ کہ اس نظام کی بد نظمی سے کیا مشکل پیش آتی اور خدا کی ذات پر کس اعتراض کا موجب بنتی؟ یقیناً انہوں نے ایک مفروضہ قائم کیا ہوا ہے وہ یہ کہ نظام میں خلل اور خرابی ایک نامطلوب امر اور خدا کی خدائی سے دور ہے۔ اس ضابطے کو قبول کرنے سے اشاعرہ نہ چاہتے ہوئے بھی افعال الٰہی کے بارے میں اسلامی فلاسفہ کے مسلّمہ اصولوں میں سے ایک کو قبول کرنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ افعال الٰہی بے ہودہ اور حساب وکتاب کے بغیر نہیں بلکہ قانون کے دائرے میں مصلحت اور حکمت کے مطابق انجام پاتے ہیں۔

دوسرا یہ کہ اساساً حکمت و مصلحت کے بارے میں کب بات کی جاتی ہے؟ کیا ایسا نہیں ہے کہ مصلحت اور حکمت اُس وقت معنی و مفہوم رکھتی ہے جب اشیاء کے درمیان ذاتی طور پر حقیقی رابطہ برقرار ہو بالفاظ دیگر جب اشیاء اور افعال کا حسن و قبح ذاتی مورد قبول واقع ہو؟ وگرنہ "حکمت" کا کیا معنی ہوگا؟

آیات قرآن کے ظواہر کی بناء پر خداوند حکیم ہے اور لغو اور بے ہودہ کام انجام دینے سے اس کی ذات منزہ ہے۔ خدا کی حکمت کا معنی یہ ہے کہ وہ مصلحت وہدف و مقصد پر مشتمل کام کو اپنے خاص وسیلے اور اسباب کے ذریعے انجام دیتا ہے۔ بنابریں خدا کی حکمت و مصلحت کا مطلب یہ ہے کہ ہم "اسباب ومسببات" کے درمیان رابطہ تسلیم کرتے ہوں۔ حکمت، اس وقت بامعنی ہو گی جب اشیاء کے درمیان حقیقی پیوند برقرار ہو۔ یہ جو کہتے ہیں کہ خداوند نے ان قوانین کو اپنی عادت کے مطابق قرار دیا ہے تاکہ بد نظمی نہ ہو "تو ہم سوال کرتے ہیں کہ بد نظمی وانارکی سے کیا مراد ہے؟ اور کس طرح ظاہر ہوتی ہے؟ مجبوراً ہمیں اس بات کو قبول کرنا پڑے گا کہ بد نظمی اس وقت پیش آتی ہے جب ہم وسیلے کے ذریعے ہدف تک نہ پہنچیں۔

۳۔ کیا خدا کی قدرت محدود ہو جاتی ہے؟ اشاعرہ نے خدا کی قدرت پر خصوصی توجہ کی ہے یہاں تک کہ خداوند کی قدرت مطلقہ کو بچاتے بچاتے دوسرے اسباب اور حتمی قوانین کی نفی کردی ہے۔ یہاں پر زیادہ دقت کرنے کی ضرورت ہے کہ کیا اگر ہم کائنات میں قانون کے موجود ہونے کے قائل ہو جائیں تو قدرت پروردگار کا دائرہ محدود ہو جاتا ہے؟

مقصود کی وضاحت کے لیے ہم ان سوالات کو سرنامہ کلام قرار دیتے ہیں کہ خداوند کی ذات و صفات ذاتی کے نامحدود ہونے کے پیش نظر افعال الٰہی کیسے ہیں؟ کیا وہ محدود ہیں یا نامحدود؟ اگر محدود ہیں تو یہ محدودیت اندرونی ہے یا بیرونی؟ اور بہر حال اس کا لازمہ نقص ہے یا نہیں؟

یہ جو قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے خدا جو چاہتا ہے انجام دیتا ہے "یفعل ما یشاءُ" یہ سوال پیش آتا ہے کہ کیا خدا ایک محال یا قبیح فعل انجام دے سکتا ہے یا نہیں؟ اگر انجام دے سکتا ہے تو اس کا لازمہ یہ ہے کہ خداوند عالم سے محال یا قبیح کام کا صدور ممکن ہے اور اگر نہیں دے سکتا تو قدرت خدا کی محدودیت لازم آتی ہے؟ یہاں پر ایک مناسب جواب تک پہنچنے کے لیے محال کے معانی بیان کرنا ضروری ہیں:

محال ذاتی: ایک ایسا مفروضہ جو تناقض پر مشتمل ہو، جیسے سمندر کے چھوٹے ہوئے اور کوزہ کے بڑے ہوئے بغیر سمندر کو کوزے میں بند کرنا، یہ مفروضہ، دو نقیض (ایک دوسرے کے مخالف) چیزوں (وجود و عدم) کے اجتماع پر مشتمل ہے۔ یعنی اس کا لازمہ یہ ہے کہ سمندر بڑا ہونے کے باوجود بڑا نہ ہو اور کوزہ چھوٹا ہونے کے باوجود چھوٹا نہ ہو۔

محال وقوعی: محال وقوعی یہ ہے کہ خود اس کا فرض کرنا تناقض پر مشتمل نہیں ہے، بلکہ اس فرض کے متحقق ہونے کا لازمہ تناقض ہے۔ مثلاً معلول کا اپنی خاص علّت کے بغیر وجود میں آنا کہ اس سے محال لازم آتا ہے۔

محال عادی: یہ ہے کہ ایک ایسی شئے جو عادت کے مطابق فقط اپنے خاص مسبّب کی وجہ سے وجود میں آتی ہے لیکن اس کی ایک اور علت بھی ہو سکتی ہے۔ محال کی اس قسم کو مجازاً محال کا نام دیتے ہیں۔ مثلاً عادی اسباب سے ہٹ کر متحقق ہونے والے معجزے اور غیر عادی امور کے وقوع کا لازمہ محال نہیں ہے۔

محال ذاتی اور محال وقوعی ابتداء ہی سے خدا کی قدرت اور مشیّت کے دائرے سے خارج ہو جاتے ہیں۔ ذات کے اعتبار سے تمام ممکن الوجود (جن کا وجود میں آنا ممکن ہو) افعال اور اشیاء خدا کی قدرت مطلقہ کے دائرہ اختیار میں ہیں۔ بنابریں محالات (ممتنع الوجود افعال اور اشیاء) کا متحقق نہ ہونا فاعل کی فاعلیت سے مربوط نہیں بلکہ قابل میں قابلیت کے نہ ہونے سے متعلق ہے۔

قدرت خدا کا قبیح افعال سے ارتباط

اس بارے میں معتزلہ اور امامیہ کا عقیدہ ہے کہ خدا کی قدرت نامحدود ہے لیکن ارادہ خدا قبیح فعل سے تعلق نہیں رکھتا؛ کیونکہ قدرت کی تعریف« کون الفاعل بحیث اذا شاء فعل واذا لم یشأ لم یفعل» کے مطابق قدرت، فعل کی دونوں طرف ترک اور انجام سے مربوط ہے۔اب اگر ایک فعل کے ساتھ خدا کا ارادہ تعلق پیدا کر لے، تو وہ فعل واجب بالغیر اور ضروری ہو جائیگا۔ یعنی اُس کا وجود میں نہ آنا محال ہے لیکن اگر فعل کو انجام دینے کا ارادہ نہ کرے تو فعل، علت کے نہ ہونے کی وجہ سے ممتنع بالغیر ہو جاتا ہےاور ہر گز متحقق نہیں ہو سکتا، بنابریں مقدور ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ فعل حتمی طور پر متحقق ہو، بلکہ فعل کے دونوں طرفوں انجام وترک (یعنی شے کے ہونے اور نہ ہونے) کو شامل ہو جاتا ہے۔ ارادہ چونکہ دو نقیضوں (یعنی دو مخالف چیزوں) میں سے ایک نقیض سے متعلق ہوتا ہے لہٰذا ارادہ کی وجہ سے متحقق ہونے والا فعل، قدرت کی وسعت سے بہت محدود ہوتا ہے۔ بالفاظ دیگر، جب ہم کہتے ہیں "کہ خدا سے قبیح فعل کا صادر ہونا محال ہے" یہ محال، محال ذاتی نہیں ہے۔ یعنی ایسی چیز نہیں جو تناقض پر مشتمل ہو بلکہ ممتنع بالغیر ہے۔ یعنی اس خاص فاعل سے قبیح کا صادر ہونا محال ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ خداوند اس فعل کو انجام دینے دینے سے عاجز ہے بلکہ اس ممنوع ہونے کے سبب کی جہت خدا وند کی ذات میں پائی جاتی ہے۔ جس طرح فعل جب واجب بالغیر ہوتا ہے تو اس کا معنی یہ نہیں کہ فاعل بے اختیار اور مجبور ہو گیا ہے۔ (کیونکہ فاعل نے فعل کو وجود عطا کیا ہے) امتناع بالغیر بھی اسی طرح سے ہے، یعنی" فاعل کا فعل کے انجام کا ارادہ نہ کرنے" سے فعل ممتنع ہو جاتا ہے۔ پس اس امتناع کا لازمہ قدرت کی محدودیت نہیں ہے۔

یہاں پر اس بحث سے پیدا ہونے والا سوال یہ ہے کہ "خدا، فعل قبیح کا ارادہ کیوں نہیں کرتا؟"

انسان کے اندر موجود ارادے کے خاص مقدمات اور وسائل ہیں انسان کبھی ایک کام کا ارادہ نہیں کرتا اور اسے انجام نہیں دیتا اس وجہ سے کہ انسان کے لیے اس کام کے انجام دینے کے

مواقع فراہم نہیں ہوتے۔ لیکن کبھی ایسے کام ہوتے ہیں جنہیں ارادہ کرکے انجام دے سکتا ہے مگر اپنے ذاتی شعور اور روحانی کمالات پر فائز ہونے کی وجہ سے انہیں اپنی شان، مقام اور شخصیت سے پَست خیال کرتے ہوئے ان کا ارادہ نہیں کرتا اور انہیں انجام بھی نہیں دیتاہے ۔ یہ محدودیت، حقیقت میں قدرت یاارادے کی محدودیت کے معنی میں نہیں ہے ۔انسان کوانجام دینے سے روکنے کے لیے کوئی بیرونی رکاوٹ بھی نہیں ہے بلکہ اس کے ذاتی کمال اورپَست اوربرے کام کااس کے مقام وجودی کے شایان شان نہ ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اس کو انجام نہ دے۔اب، کیاخداکے ارادے کو بے ہودہ، بے حساب وکتاب اور حکمت سے خالی کہا جاسکتا ہے؟

﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلا سُبْحَانَكَ﴾[1]

"(اور کہتے ہیں) ہمارے پروردگار! یہ سب کچھ تو نے بے حکمت نہیں بنایا تیری ذات (ہر عیب سے) پاک ہے۔"

جب حکم عقل اور شریعت کے ظواہر کی بناپر ہم نے قبول کر لیاکہ خداوند کا فعل اور ارادہ نیز مخصوص مقدمات اور حکمت پر مشتمل ہیں تو نتیجے کے طور پر یہ قبول کرناپڑے گا کہ خداوند سے ایسے افعال صادر ہوتے ہیں جو ذات الٰہی کے شایان شان ہیں۔ ذات خداوند، صِرفِ وجود اور کمال محض ہے اور اس میں کسی قسم کا نقص اور محدودیت نہیں پائی جاتی بنابریں جو چیز خیر ہو وہی حقیقت میں اُس کے ارادہ کے متعلق قرار پاتی ہے۔ سنخیت اور سبب و مسبّب کے عقلی قانون کا تقاضا ہے کہ معلول اپنی علت کے ساتھ تناسب وجودی رکھتا ہو۔اس قاعدے کی بناء پر ہر ذات کی مشیّت اور ارادے کا مقصد یہ ہے کہ اس کا تعلق ایسی چیز سے ہو جو فاعل کے ساتھ وجود کے لحاظ سے متناسب اور ہم سنخ ہو۔ ذات پروردگار کے بلند و بالا ہونے اور اس کے وجود کے

---

[1]۔ سورہ آل عمران (۳)، آیت ۱۹۱۔

کمال محض ہونے کا تقاضا ہے کہ اس کے ارادے کا تعلق فقط کمال سے ہو اور اس کے افعال انتہائی محکم اور بہترین ہوں :

﴿الَّذِی أَحْسَنَ كُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهُ﴾ [1]

"جس نے ہر چیز کی تخلیق بہترین انداز میں کی۔"

﴿الَّذِی أَتْقَنَ كُلَّ شَیْءٍ﴾ [2]

"جس نے ہر چیز کو محکم بنایا ہے۔"

پس خدا کے ارادے کا قبیح سے تعلق محال ہونے کا مطلب یہ ہے، کہ خدا فاعل کامل ہونے کی وجہ سے نقص وبرائیوں اور قبیح افعال کے ساتھ سنخیت نہیں رکھتا اور یہ ارادہ یا قدرت خدا میں کسی قسم کے نقص و محدودیت کا موجب نہیں بنتا؛ بلکہ مراد، ناقص ہے اور وہ خدا کے اعلیٰ ارادے کا متعلق نہیں بن سکتی۔

معجزات کے بارے میں نظریہ تأویل

معجزات اور قانون علیت کے مابین ہم آہنگی ایجاد کرنے کی غرض سے معجزہ اور خدا کی قدرت مطلقہ کو تسلیم کرنے والے اور ضروری و حتمی قوانین کے منکر اشاعرہ کے مقابلے میں ایک دوسرا نظریہ بھی ہے جو نظام سبب ومسبّب اور کائنات میں موجود قانون کو تسلیم کرتا ہے لیکن انبیاء الٰہی علیہم السلام کے معجزات کی تأویل کرنے کے درپے ہے۔ اس نظریہ کے قائلین مغرب کے صنعتی انقلاب کے بعد علوم تجربیات کی حیرت انگیز ترقی سے بہت زیادہ متاثر ہوئے ہیں اور جان بوجھ کر یا جہالت و مفاد پرستی یا متاثر ہو کر اس کوشش میں ہے کہ انبیاء کی نبوت

---

[1]۔ سورہ سجدہ (۳۲)، آیت ۷

[2]۔ سورہ نمل (۲۷) آیت ۸۸۔

سے مربوط تمام غیبی اور ماوراء الطبیعہ مفاہیم کی اپنے گمان میں علمی اور معمولی تأویل کریں تاکہ اس جدید دنیا کے لیے پسندیدہ واقع ہوسکے۔اس نظریہ کو سر سید احمد خان نے پیش کیا ہے۔ان کا عقیدہ ہے کہ معجزات کی تفسیر کرتے ہوئے انہیں خرق عادت کا نام دینا خرافات میں سے ہے جنہیں اسلام کی طرف نسبت دی گئی ہے۔اسی طرز تفکر میں معجزات کے حوالے سے مختلف تعبیریں پائی جاتی ہیں۔اس نظریے کے قائلین کبھی کہتے ہیں کہ کوئی بھی خارق عادت واقعہ ممکن نہیں ہے اور جسے خارق عادت سمجھا جارہا ہے وہ اس وجہ سے کہ اس کا مادی سبب نامعلوم ہے، مثال کے طور پر قرآن فرماتا ہے:

﴿وَلَقَدْ أَوْحَيْنَا إِلَى مُوسَى أَنْ أَسْرِ بِعِبَادِي فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا لا تَخَافُ دَرَكًا وَلا تَخْشَى فَأَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُودِهِ فَغَشِيَهُمْ مِنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ﴾ [1]

"جب موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے ہمراہ مصر سے حرکت کی اور دریا پر پہنچے تو دریا خشک ہو گیا اور وہ دریا سے عبور کر گئے اور جب فرعون کے سپاہی ان کا پیچھا کرتے ہوئے دریا پر پہنچے تو دریا کا پانی دوبارہ چڑھ گیا وہ غرق ہو گئے۔"

یہ ایک مادی واقعہ تھا جس کا سبب لوگوں پر پوشیدہ تھا اور فقط حضرت موسیٰ علیہ السلام اس سے آگاہ تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام علم ہیئت اور سمندر کے مدوجزر سے باخبر تھے اور جانتے تھے کہ سمندر کے مدوجزر والے مقام سے عبور کیا جاسکتا ہے لیکن دوسروں کو معلوم نہیں تھا!

اسی طرح حضرت عیسی علیہ السلام کے ہاتھوں بیماروں کو شفا دینے والے معجزے کے بارے میں ان کا نظریہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں: حضرت عیسی علیہ السلام علم طب اور امراض کا علاج سیکھ چکے تھے اسی وجہ سے لوگ خیال کرتے تھے کہ وہ خارق العادہ کام انجام دیتے ہیں۔اس نظریے میں آیات قرآنی کی اس قدر بے بنیاد تأویل کی جاتی ہے کہ آیت شریفہ ﴿اذ تخرج الموتی

---

[1] ۔سورہ طہ، ۷۷، ۷۸"

باذنی﴾ کی مُردوں کو زندہ کرنے کی تفسیر کرنے کی بجائے قبروں سے مردوں کو باہر نکالنے کی تأویل کرتے ہیں۔

معجزے کی اس طرح تأویل کرنے والے بعض اوقات معجزات کو ایک اور بیان اور تفسیر کے ساتھ پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"معجزہ در حقیقت خدا کی طرف سے انبیاء کو عطا ہونے والے الہامی علم سے مربوط ہے جسے خدا اپنے انبیاء کو عطا کرتا ہے، یعنی اس مادی کائنات میں کوئی چیز قانون علیت کے برخلاف واقع نہیں ہوئی بلکہ مادیات سے مربوط بعض رازوں سے خدا نے انبیاء علیہم السلام کو آگاہ کر دیا ہے۔"

اسی بناء پر کہتے ہیں:

"ممکن ہے ایک چیز ایک زمانے میں معجزہ شمار ہو لیکن بعد والے زمانے میں اس پر معجزہ کا عنوان صدق نہ کرے؛ یعنی جب تک لوگ ان واقعات کے رونما ہونے کے اسباب سے بے خبر تھے اور انبیاء علیہم السلام فقط تعلیم الٰہی کے ذریعے ان سے مطلع تھے وہ کام اعجاز کی صورت میں رونما ہوتا تھا۔ لیکن اس کے بعد جب لوگوں نے اسباب سے آگاہی پیدا کر لی تو پھر وہ کام معجزہ نہیں رہا۔ پس معجزہ در حقیقت ایک نسبی امر ہے۔"

یہ گروہ اپنے فہم کی تائید کے لیے آیات قرآن کا بھی سہارا لیتا ہے اور دو قسم کی آیات کو اپنے دعوی کی تائید کے لیے پیش کرتا ہے:

الف:۔ عوام کی جانب سے طلب کیے جانے والے معجزات کا انکار

انبیاء علیہم السلام نے ہمیشہ عوام کی طرف سے معجزات کی درخواست کے مقابلے میں انکار کیا اور اس بات کی تاکید کی کہ ہم سوائے بشر کے کچھ نہیں۔[1]

﴿قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ﴾[1]

---

[1]۔ صوفیگری۔ ص ۸۱۔

"کہہ دیجئے: میں تم ہی جیسا ایک انسان ہوں مگر میری طرف وحی آئی ہے کہ تمھارا معبود تو بس ایک ہی ہے۔"

جیسا کہ پیغمبر اسلام ﷺ کو جب مشرکین قریش نے متعدد پیشکشیں کیں تو آپ نے ان درخواستوں کا انکار کرنے کے ساتھ ساتھ اس کا بھی اظہار فرمایا کہ میں الٰہی رسالت کے عہدے پر فائز ایک انسان ہوں:

﴿وَقَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الأَرْضِ يَنْبُوعًا، أَوْ تَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ مِنْ نَخِيلٍ وَعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الأَنْهَارَ خِلالَهَا تَفْجِيرًا ،أَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا أَوْ تَأْتِيَ بِاللهِ وَالْمَلائِكَةِ قَبِيلا، أَوْ يَكُونَ لَكَ بَيْتٌ مِنْ زُخْرُفٍ أَوْ تَرْقَى فِي السَّمَآءِ وَلَنْ نُؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتَّى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَقْرَؤُهُ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنْتُ إِلاَّ بَشَرًا رَسُولا ﴾[2]

"اور کہنے لگے ہم آپ پر ایمان نہیں لاتے جب تک آپ ہمارے لیے زمین کو شگافتہ کرکے ایک چشمہ جاری نہ کریں یا آپ کے لیے کھجوروں اور انگوروں کا ایسا باغ ہو جس کے درمیان آپ نہریں جاری کریں یا آپ آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے ہم پر گرادیں جیسا کہ خود آپ کا زعم ہے یا خود اللہ اور اس کے فرشتوں کو سامنے لے آئیں یا آپ کے لیے سونے کا ایک گھر ہو یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں اور ہم آپ کے چڑھنے کو بھی نہیں مانیں گے جب تک آپ ہمارے لیے ایسی کتاب اپنے ساتھ اتار نہ لائیں جسے ہم پڑھیں۔ کہہ دیجئے پاک ہے میرا رب میں تو صرف پیغام پہنچانے والا انسان ہوں۔"

---

[1]۔ سورہ کہف (۱۸) آیت ۱۱۰۔

[2]۔ سورہ اسراء (۱۷) آیت ۹۰ تا ۹۳۔

ب:۔خدائی اصولوں کا ناقابل تبدیل ہونا

﴿فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللهِ تَبْدِيلا وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللهِ تَحْوِيلا ﴾[1]

"لہٰذا آپ اللہ کے دستور میں ہر گز تبدیلی نہیں پائیں گے اور نہ آپ اللہ کے دستور میں کوئی تغیر پائیں گے۔"

انھوں نے جن دوسری قسم کی آیات قرآنی سے استناد کیا ہے وہ الٰہی اصولوں کے بارے میں ہیں۔ قرآن کریم میں تقریباً دس ایسی آیات ہیں جو الٰہی قانون کے تغییر و تبدیل نہ ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ اس گروہ کے انکار کی بناپر معجزات (بمعنی عادات) خدائی اصولوں کی تبدیلی کے مصداق ہیں جو مندرجہ بالا صریح آیات کے مطابق ایک اَن ہونی شے ہے۔

تنقیدی جائزہ

ا۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے خارق عادات امور کی نفی اور انکار کا دعوی، مادی تفکر کے گرد گھومتا ہے جو تمام کائنات کو مادی امور میں منحصر اور حِسی و تجربی وسائل کے ذریعے قابل شناخت سمجھتا ہے۔ اس گروہ کی اساسی مشکل، شناخت ہستی (وجود) سے زیادہ شناخت معرفت سے مربوط ہے۔ اس نظریے کا جواب معجزہ کے ممکن ہونے اور علوم تجربہ کے ماہرین کے اظہار یقین کی بحث میں گذر چکا ہے۔ دوسری جانب اگر کوئی اپنے آپ کو انبیائے الٰہی کے مکتب، آسمانی کتب اور قرآن کا معتقد سمجھتا ہے تو وہ معجزات میں شک نہیں کر سکتا کیونکہ یہ مسئلہ نبوت کے قطعی اور ناقابل تردید واقعات میں سے ہیں اور قرآن نے مکرر طور پر انہیں صراحت سے بیان کیا ہے۔ انبیاء کے لیے معجزے کا ہونا دین اسلام اور قرآن کی واضح تعلیمات میں سے ہے۔ حضرت ابراہیمؑ (سورہ انبیاء ۶۹) حضرت موسیٰؑ (اعراف ۱۰۵۔۱۰۶) حضرت عیسیٰؑ (مائدہ، ۱۱۰)، حضرت نوحؑ (ھود ۲۸تا۴۹) حضرت صالحؑ (اعراف ۷۳) کے معجزات اور حضرت رسول

---

[1]۔ سورہ فاطر (۳۵) آیت ۴۳۔

اکرم ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ خود قرآن کریم ہے جس کی آیات تحدی (چیلنج) میں وضاحت کی گئی ہے کہ اس کے بارے میں کسی قسم کی تاویل کو قبول نہیں کیا جاسکتا اور ان مذکورہ واقعات کو رمز اور کنایہ کہنے کا لازمہ قرآن و نبوت کا انکار ہوگا۔

۲۔ کیا انبیاء علیہم السلام کے معجزات کے مادی اسباب ہوتے ہیں یا ان کے وقوع پذیر ہونے کی حیثیت سے ان کے مادی اسباب نہیں ہو سکتے بلکہ، ماوراء طبیعۃ اسباب کا نتیجہ ہوتے ہیں؟ یہاں پر ہم ایک نکتہ کی وضاحت کرنا لازمی سمجھتے ہیں کہ مادی اسباب سے ہماری مراد رائج اور عادی اسباب ہیں جو عام انسانوں کے اختیار میں ہوتے ہیں اگرچہ یہ اسباب، تجربہ، فکری یا نفسانی ریاضتوں اور کوششوں سے حاصل ہوں۔ اس معنی کی روشنی میں ظاہر ہوتا ہے کہ معجزات مادی اسباب نہیں رکھتے بلکہ جس طرح وحی اور علم نبوی کا حقیقی سرچشمہ ماورائے طبیعت ہے اسی طرح انبیاء کے معجزوں سے مربوط خاص قدرت کا سرچشمہ بھی غیب اور ماورائے طبیعت ہے۔ عصاء کے اشارے سے دریا میں شگاف پڑنا، دلدل اور گارے کے بغیر ایک ہموار راستہ کا کھلنا، دونوں طرف پانی کی دیواروں کا بننا، بنی اسرائیل کے عبور کرنے تک ان کا آپس میں نہ ملنا، پانی کی دیواروں کا اچانک ٹوٹنا اور بنی اسرائیل کے مغرور اور پر قدرت دشمنوں کا غرق ہو جانا، ان سب کو کس طرح بشری کاموں اور انسان کی اکتسابی اور مادی قدرت کا نتیجہ قرار دیا جا سکتا ہے؟ اسی طرح دنیا میں تازہ جنم لینے والے بچے کا کلام کرنا ہر گز انسان کی مادی قدرت کا محصول نہیں ہو سکتا؛ کیونکہ ایک بامعنی کلام کرنے کے لیے ایک زمانے کا گزرنا، جسمی و فکری آمادگی اور شعور و ارادے کا ہونا لازمی ہے۔ لیکن یہ کہنا کہ "اعجاز" انبیاء علیہم السلام کے علم خاص سے مربوط ہے۔ اگرچہ ممکن ہے کہ یہ تفسیر بھی صحیح ہو جیسا کہ ہم بیان کریں گے۔

لیکن اگر کہنے والے کا مقصد یہ ہو کہ انبیاء علم الٰہی کے ذریعے بعض قوانین اور مادی فارمولوں سے عام انسانوں سے پہلے آگاہ ہو جاتے ہیں جنہیں عام انسان وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ تجربوں کے ذریعے حاصل کر سکتا ہے۔ یقینی طور پر یہ اعجاز نبوی کی قدرت کی غلط تفسیر اور انبیاء علیہم السلام کے معجزات کا محترمانہ انکار شمار ہوتا ہے۔ بنابریں معجزات کے نسبی ہونے کا مفروضہ (یعنی اس معنی میں کہ ایک واقعہ ممکن ہے ایک زمانے میں معجزہ شمار ہو لیکن دوسرے

زمانے میں نہ ہو) قابل قبول نہیں ہو گا کیونکہ انبیاء علیہم السلام کے معجزات اپنی خصوصیات کی بناء پر بے بدل ہوتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جادوگروں کی بساط لپیٹ دینا، ہر گز تعلیم بشری اور انسان کی اکتسابی جدوجہد کا نتیجہ نہیں ہو سکتا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام و حضرت عیسیٰ علیہ السلام و حضرت موسیٰ علیہ السلام و حضرت محمد ﷺ کے معجزات بھی بے بدل ہوں گے اور وہ ہمیشہ اپنے معجزہ ہونے کی صفت پر باقی رہیں گے اگرچہ بشر کی علمی ترقی اور تجربی معرفت روز بروز تیزی کیساتھ بڑھتی رہے۔

۳۔ معجزہ کی تأویل یا نفی کے لیے پیغمبروں کے بشر ہونے کا اعتراف اور لوگوں کے درخواستی معجزات کے انکار کو دلیل کے طور پر پیش کرنا ایک قسم کا مغالطہ اور حقیقت کو چھپانا شمار ہوتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام اپنی بشری خصوصیت کے اعتراف کے ساتھ ساتھ صفت نبوت اور غیبی رابطے کے بھی قائل تھے؛ لہٰذا انبیاء علیہم السلام کے معجزات کا انکار کرنے کے لیے لوگوں کی طرف سے درخواست کیے گئے معجزات کے انکار کو دلیل کے طور پر پیش کرنا غلط ہے؛ کیونکہ معجزہ کا فلسفہ، کشف حقیقت اور پیغمبروں کی رسالت کی حقانیت کو ثابت کرنا ہے؛ لہٰذا لوگوں کی جانب سے ہر قسم کی درخواست کا جواب دینا اُن پر لازم نہیں تھا۔ مخاطبین کی درخواستوں کے تجزیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ درخواستیں اپنے خاص اندرونی مقاصد کی بنیاد پر تھیں اور عوام، مخالفین اور متکبرین کی جانب سے معجزات پیش کرنے کی درخواست حق کو تسلیم کرنے کی بجائے زیادہ تر استہزاء اور حق کی مخالفت کی بناء پر ہوتی تھی اس کے علاوہ یہ درخواستیں ان کی پستی اور گھٹیا پن کو ظاہر کرتی ہیں۔ وہ اپنی عقل و دماغ کے دریچوں کو بند کرکے ایسے امور کو طلب کرتے تھے کہ جن کا واقع ہونا لغو، حکمت سے خالی اور ایک قسم کا کھیل شمار ہوتا تھا جیسے خدا، فرشتوں یا آسمان کا ان کے پاس نیچے آنا اور چشموں اور نہروں کا جاری کرنا وغیرہ[1]۔

---

[1]۔ اسراء (۱۷) آیت ۹۰ تا ۹۳۔

۴۔ معجزات کی تاویل اور ان کے انکار کے لیے خدائی اصول کو نا قابل تبدیل ثابت کرنے والی آیات سے استدلال کرنا بھی بے جا ہے؛ کیونکہ خدائی اصولوں سے مربوط آیات کی ابتداء ،ذیل اور سیاق کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ آیات انسانی معاشروں کی حتمی تقدیر سے مربوط ہیں ۔ ان آیات میں صالحین اور بد کردار لوگوں کے اعمال و کردار اور ان کی تقدیر کے درمیان سبب ومسبّب کا ارتباط پایا جاتا ہے۔ یہ آیات بیان کر رہی ہیں کہ جنہوں نے راہ انبیاء کو اختیار کیا وہ خاتمہ بالخیر کے مالک ہیں اور جو لوگ راہ ہدایت و نبوت کے مقابلے میں صف آرا ہوں گے نقصان بھری عاقبت انکا مقدر ہو گی:

﴿فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَرِحُوا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِؤُنَ، فَلَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا قَالُوا آمَنَّا بِاللهِ وَحْدَهُ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهِ مُشْرِكِينَ، فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ إِيمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا سُنَّةَ اللهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ فِي عِبَادِهِ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكَافِرُونَ﴾ [1]

"پھر جب ان کے پیغمبر واضح دلائل کے ساتھ ان کے پاس آئے تو وہ اس علم پر نازاں تھے جو ان کے پاس تھا پھر انہیں اس چیز نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔ پھر جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا تو کہنے لگے : ہم خدائے واحد پر ایمان لاتے ہیں اور جسے ہم اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے تھے ان کا انکار کرتے ہیں لیکن ہمارا عذاب دیکھ لینے کے بعد ان کا ایمان ان کے لیے فائدہ مند نہیں رہا۔ یہ اللہ کی سنت ہے جو اس کے بندوں میں چلی آرہی ہے اور اس طرح کفار خسارے میں پڑ گئے ۔ "﴿وَلَوْ قَاتَلَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوَلَّوُا الأَدْبَارَ ثُمَّ لا يَجِدُونَ وَلِيًّا وَلا نَصِيرًا ، سُنَّةَ اللهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللهِ تَبْدِيلا﴾ [2]

---

[1] ۔ سورہ غافر (۴۰) آیت ۸۳ تا ۸۵۔

[2] ۔ سورہ فتح (۴۸) آیت ۲۲، ۲۳۔

"اور اگر کفار تم سے جنگ کرتے تو پیٹھ دکھا کر فرار کرتے پھر وہ نہ کوئی کارساز پاتے اور نہ مددگار۔ اللہ کے دستور کے مطابق جو پہلے سے رائج ہے اور آپ اللہ کے دستور میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے۔"

دوسری جانب اگر ہم فرض کر لیں کہ خدائی اصول، کائنات میں رائج تمام قوانین کو شامل ہیں تو معجزہ بھی خدا کے قوانین میں سے ایک قانون ہے جو بشر کی ہدایت تشریعی کے لیے انبیاء علیہ السلام کی بعثت و رسالت کے مطابق واقع ہوتا ہے۔

معجزے کا قرآنی اور عقلی تجزیہ

ہم نے ملاحظہ کیا کہ عقلی قانون علیت اور سبب و مسبّب کے درمیان مطابقت کے پیش نظر معجزات کے بارے میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا معجزات کو تسلیم کرنے سے قانون علیت میں خلل واقع نہیں ہوتا؟ اور بالآخر کیا معجزہ ایک ممکن امر ہے یا محال؟ ہم نے مشاہدہ کیا کہ اس سوال کے جواب میں ایک گروہ نے معجزے اور خدا کی قدرت مطلقہ کی وسعت کو تسلیم کرتے ہوئے قوانین سبب و مسبّب کی حتمیّت کو انکار کی نگاہوں سے دیکھا ہے۔ ان کے مقابلے میں دوسرے گروہ نے عالم کی قانونیت اور ناقابل تخلف ہونے پر تاکید کرتے ہوئے معجزات کو قبول کرنے سے انکار کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی تاویل کرنے کی کوشش میں لگ گئے۔ لیکن دونوں نظریوں اور ان کے لوازمات کی تحقیق سے معلوم ہو گیا کہ ان دو نظریوں میں سے کوئی بھی ناقابل تردید حقیقتوں کے درمیان ہم آہنگی برقرار نہیں کر سکتا۔

اب ایک اور زاویے سے اس موضوع کی وضاحت کی کوشش کرتے ہیں۔ سب سے پہلے موضوع سے مربوط اجزاء و عناصر کی ضرورت کے مطابق تشریح کرنے کی کوشش کریں گے تاکہ واضح ہو جائے کہ اعجاز نبوی، عقلی قوانین کے ساتھ کسی قسم کی منافات نہیں رکھتا اور کائنات کے نظام سبب و مسبّب میں کسی قسم کا خلل واقع نہیں ہوتا۔

قانون علیت اور قرآن

کیا معجزے کا قبول کرنا قانون علیت کے منافی ہے؟ اس سوال کا جواب تلاش کرنے کے لیے انبیاء اور اعجاز کے قائلین کے مکتب کی جانب جاتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ معجزے کے قائلین خود

کس قدر علیت کی اہمیت کے قائل ہیں ؟البتہ یہ واضح سی بات ہے کہ سبب ،مسبّب اور سببیّت کے الفاظ فلسفی اصطلاحات ہیں اور ہمیں اس بات کی اُمید نہیں کہ یہ اصطلاحات بعینہٖ انہی ناموں سے دینی کتابوں میں پائی جاتی ہوں بلکہ ضروری ہے کہ ہم یہ دیکھیں کہ دینی کتابوں میں ان الفاظ کا معنی و مفہوم پایا جاتا ہے یا نہیں؟ علت، عرفی لحاظ سے مقصد اور غایت کے معنی میں استعمال ہوتی ہےاور علم فلسفہ میں دو قسم کا مفہوم رکھتی ہے۔ایک اس کا عام مفہوم ہے یعنی ہر وہ چیز جس پر دوسری شئےایک طرح سے موقوف ہو؛جیسے پودوں کے اگنے کے لیے پانی ، مٹی ، روشنی ، ہوااور بیج،اور دوسرااس کا خاص مفہوم ہے یعنی ایک شئے کا فاعل۔

قرآن کریم اور عقل کی طرف علت کے ان دونوں مذکورہ معانی کی نسبت دی جاتی ہے۔ وجود خدا کے عقلی براہین سب کے سب قانون علیت پر قائم ہیں۔ توحید افعالی اور خدا کی مؤثریت کے استقلال سے مراد یہ ہے کہ تمام مخلوقات اپنی اصل پیدائش میں اور اپنے وجود کی برقراری کے لیے خدا کی ذات سے وابستہ ہیں۔

علت کا مفہوم عام:

(یعنی دوسری شئے میں ہر قسم کی تاثیر) بھی واضح اور وسیع پیمانے پر قرآن میں موجود ہے۔ قرآن کریم نے نہ صرف تجربہ کے ذریعے بشر کو معلوم ہونے والی سببیّت کے مصادیق کو بیان کیا ہے بلکہ ان علل کی انواع واقسام کا بھی تذکرہ کیا ہے جو ابھی تک انسانی علم و تجربہ کی حدود سے باہر ہیں۔ جیساکہ قرآن کریم کی آیات میں ایک مادی چیز کی دوسری مادی شئے کے ساتھ وابستگی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور آسمان کا مادی سرچشمہ ، گیس اور انسان کا مادی سرچشمہ ، خاک اور ہر زندہ مادی موجود کا مادی آغاز پانی قرار دیا ہے:

﴿ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ﴾ [1]

" پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا جو اس وقت دھواں تھا۔ "

﴿إِنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِنْ طِينٍ لَازِبٍ﴾ [2] "ہم نے انہیں لیس دار گارے سے پیدا کیا۔" ﴿وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ﴾ [3] "اور تمام جاندار چیزوں کو ہم نے پانی سے بنایا ہے۔" قرآن کی متعدد آیات میں اس سے بڑھ کر غیر مادی موجودات کے اثر انداز ہونے کے بارے میں بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔ جیسے فرشتوں اور اس جیسی دوسری مخلوقات کے مختلف افعال کی تاثیر: ﴿جَاعِلِ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا﴾ [4] "فرشتوں کو پیام رساں بنانے والا۔" ﴿وَالنَّازِعَاتِ غَرْقًا وَالنَّاشِطَاتِ نَشْطًا، وَالسَّابِحَاتِ سَبْحًا ، فَالسَّابِقَاتِ سَبْقًا، فَالْمُدَبِّرَاتِ أَمْرًا﴾ [5] "قسم ہے ان (فرشتوں) کی جو گھس کر (روح کافر) کھینچ لیتے ہیں۔ اور آسانی سے (روح مومن) نکال لیتے ہیں۔ اور تیزی سے لپکتے ہیں۔ پھر (حکم کی بجاآوری میں) خود سبقت لے جاتے ہیں پھر وہ امر کی تدبیر کرنے والے ہیں"

---

[1]۔ سورہ فصلت (۴۱) آیت ۱۱۔

[2]۔ سورہ صافات (۳۷) آیت ۱۱۔

[3]۔ سورہ انبیاء (۲۱) آیت ۳۰۔

[4]۔ سورہ فاطر (۳۵) آیت ۱۔

[5]۔ سورہ نازعات (۷۹) آیت ۱ تا ۵۔

﴿مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ الَّذِی یُوَسْوِسُ فِی صُدُورِ النَّاسِ مِنَ الجِنَّه وَالنَّاسِ﴾ [1]

" پس پردہ رہ کر وسوسہ ڈالنے والے (ابلیس) کے شر سے، جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے۔ وہ جنات میں سے ہوں یا انسانوں میں سے۔"

قرآن کریم نے ایک اور زاویے سے انسان کے اعمال و کردار کی حیرت انگیز تاثیر کو بیان کرنے کے علاوہ اُس کے قریبی رشتہ داروں، معاشرے کے افراد حتی کہ جس جغرافیائی اور قدرتی ماحول میں زندگی گذارتا ہے ان کی تأثیر کو بھی بیان کیا ہے۔

﴿وَأَنْ لَيْسَ لِلإِنْسَانِ إِلا مَا سَعَى﴾ [2]

"اور یہ کہ انسان کو صرف وہی ملتا ہے جس کی وہ سعی کرتا ہے۔"

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ يَهْدِيهِمْ رَبُّهُمْ بِإِيمَانِهِمْ﴾ [3]

"جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال بجالائے بے شک ان کا رب ان کے ایمان کے سبب انہیں راہ دکھائے گا۔"

﴿وَ لْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعَافًا خَافُوا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللهَ وَ لْيَقُولُوا قَوْلا سَدِيدًا﴾ [4]

---

[1]۔ سورہ ناس (۱۱۴) آیت ۴ تا ۷۔

[2]۔ سورہ نجم (۵۳) آیت ۳۹

[3]۔ سورہ یونس (۱۰) آیت ۹۔

[4]۔ سورہ نساء (۴) آیت ۹۔

"اور لوگوں کو اس بات کا خوف لاحق رہنا چاہیے کہ اگر وہ خود اپنے پیچھے بے بس اولاد چھوڑ جاتے جن کے بارے میں فکر لاحق ہوتی (کہ ان کا کیا بنے گا) تو انہیں چاہیے کہ اللہ سے ڈریں اور سنجیدہ باتیں کریں۔"

﴿وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ﴾[1]

"اگر ان بستیوں کے لوگ ایمان لے آتے اور تقوی اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان و زمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔"

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ﴾[2]

"لوگوں کے اپنے اعمال کے باعث خشکی اور تری میں فساد برپا ہو گیا۔"

ہم اس بحث کے خاتمہ پر سورہ طلاق کی تیسری آیت کی تفسیر میں مرحوم علامہ طباطبائی کا کلام پیش کرتے ہیں: ''خداوند متعال سورہ طلاق کی آیت نمبر ۳ میں فرماتا ہے: وہ جس کام کو انجام دینا چاہے کوئی بھی اس کے کام کی انجام دہی میں مانع نہیں بن سکتا﴿ان اللہ بالغ امرہ﴾؛ ''اللہ یقیناً اپنے مقصد کو پہنچنے والا ہے۔ تمام اشیاء اور مخلوقات کا وجود محدود اور معلوم اور معین اندازے اور تقدیر کی بنیاد پر ہوتا ہے اور یہ مخلوقات ایسی وجودی، زمانی اور مکانی قیود و شرائط ور کھتی ہیں جن کی خلاف ورزی نہیں کر سکتیں لہٰذا ان میں ہر ایک مخلوق اپنے اسباب اور قدرتی راستے کے ذریعے وجود میں آتی ہیں:

﴿قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا﴾[3]

---

[1]۔ سورہ اعراف (۷) آیت ۹۶۔

[2]۔ سورہ روم (۳۰) آیت ۴۱۔

[3]۔ سورہ طلاق (۶۵) آیت ۳

''بہ تحقیق اللہ نے ہر چیز کے لیے ایک حد مقرر کی ہے۔''

﴿وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهُ وَمَا نُنَزِّلُهُ إِلاَّ بِقَدَرٍ مَعْلُومٍ﴾[1]

اور کوئی چیز ایسی نہیں جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں پھر ہم اسے مناسب مقدار کے ساتھ نازل کرتے ہیں۔''

قبولیت معجزہ کا عقلی امکان

اگر ہم نے قانون علیت اور کائنات کے ناقابل تخلف نظام کو تسلیم کر لیا تو کیا معجزات کو ان حتمی قوانین سے مستثنیٰ کہا جا سکتا ہے؟ معجزہ عادی قوانین کے توڑنے کا نام ہے تو کیا یہ ایک قسم کے محال کا واقع ہونا لازم نہیں آتا ہے؟ اگر ایک بار پھر لفظ محال کے استعمال پر نگاہ ڈالی جائے تو جواب کا حصول آسان ہو جائے گا۔

بعض اوقات لفظ محال سے مراد ''محال ذاتی'' ہوتا ہے یعنی ایسا فرض جو اپنی ذات میں تناقض رکھتا ہو۔ ہماری توجہ اس نکتے پر ہے کہ علم منطق میں، نقیضین، وجود و عدم (ہستی اور نیستی) کے مساوی ہے؛ مثلاً ایک ایسے پہاڑ کا فرض کرنا جو پہاڑ ہونے کے باوجود ایک ذرے کے برابر ہو؛ اس مفروضے کا معنی یہ ہو گا کہ پہاڑ، پہاڑ ہونے کے ساتھ ساتھ پہاڑ نہ ہو اور ظاہر ہے کہ ایسا فرض ناممکن ہے۔ یا ایسے خدا کو فرض کرنا جو مخلوق ہو اس کا مفہوم یہ ہو گا کہ خدا، خدا ہونے کے باوجود خدا نہ ہو۔ اپنی خاص شرائط کے تحت نقیض (ہستی و نیستی) کی دونوں طرف کا اجتماع، ناممکن ہے جس طرح دونوں طرفوں کا اُٹھ جانا بھی ناممکن ہے۔

محال کی دوسری قسم ''محال وقوعی'' ہے۔ اس معنی میں کہ جس چیز کا خود فرض کرنا تناقض پر مشتمل نہیں ہے بلکہ اس فرض کا واقع اور متحقق ہونے کا لازمہ تناقض ہے۔ مثلاً ایک ایسے معلول کو فرض کرنا جو علت کے بغیر ہو اس قسم کے محال کے واقع ہونے کا لازمہ تناقض ہے اور

---

[1]۔ سورہ حجر (۱۵) آیت ۲۱۔

اسے ''محال غیری'' کا نام بھی دیتے ہیں یعنی اس کا لازمہ یہ ہے کہ معلول اپنے معلول ہونے کے باوجود معلول نہ ہو کہ یہ فرض بھی غلط اور ناممکن ہے۔

محال کی ایک تیسری قسم بھی فرض کی جا سکتی ہے جو ذاتاً اور وقوعاً محال نہیں ہے بلکہ معلوم شدہ عادت اور عرف کی بناء پر محال ہوتی ہے، ایک شئے عادتاً اپنی خاص علت کے ذریعے وجود میں آتی ہے لیکن عقلاً اپنی پیدائش کے لیے ایک اور علت کی طرف احتیاج پیدا کر سکتی ہے۔ محال کی یہ قسم درحقیقت محال نہیں کیونکہ فرض کے مطابق ممکن الوقوع ہے اور مجازاً اسے محال کا نام دیتے ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ معجزات ان اقسام میں سے کس قسم میں داخل ہیں؟ یہ بات واضح ہے کہ معجزات کا وقوع نہ ''محال ذاتی'' ہے اور نہ ہی ''محال وقوعی'' بلکہ فقط ''محال عرفی ومجازی'' ہے یعنی جہاں تک بشر کی عادی معلومات کا تعلق ہے اس کے مطابق انسان معلول کے ایک مجموعے کو علت کے ایک مجموعے کے بعد مشاہدہ کرتا ہے لیکن کیا یہ مجموعہ اسباب، مسببات کی پیدائش کے لیے واحد علت ہیں یا نہیں؟ یہ حتمی اور قطعی نہیں ہے اور یہ امکان بھی موجود ہے کہ یہ مسببات ایک نامعلوم سبب کی وجہ سے معرض وجود میں آئے ہوں۔

قانون علیت اور اس کے مصادیق کے مابین فرق

گزشتہ ابحاث سے یہ مطلب بھی واضح ہو گیا کہ قانون علیت اور اسباب و مسببات کے مصادیق کے مابین فرق ہے۔ قانون علیت ایک عقلی قانون اور ذہن بشر کے مأخوذ شدہ مفاہیم میں سے ہے جو ذہن میں عارض ہوتا ہے اور خارج میں متصف ہوتا ہے۔ عقلی قانون علیت کبھی بھی اسباب و مسببات کے مصادیق کا پتہ نہیں دیتی۔ اسباب و مسببات کے مصادیق عینی اور خارجی ہوتے ہیں جو علم تجربہ کے ایک جداگانہ طریق کار کے ذریعے یا وحی کی رہنمائی میں یا عقل کے زیر سایہ قابل شناخت ہوتے ہیں۔ اب اگر علم تجربہ ایک مقام پر ایک موجود کی علت کو نہ سمجھ سکے تو کیا یہ دعوی کیا جا سکتا ہے کہ وہ چیز بغیر علت کے ہے اور یہاں قانون علیت ٹوٹ گیا ہے یا اس میں استثناء آگیا ہے؟ ایسا کوئی بھی نظریہ ہرگز عالمانہ شمار نہیں ہوگا۔

دوسری جانب کیا تجربہ بنیادی طور پر ایک حقیقی اور انحصاری علت کو معلوم کر سکتا ہے؟ اگر علم نے کشف کر لیا کہ نور ایک خاص سبب کے ذریعے وجود میں آتا ہے تو کیا یہ دعوی کر سکتا

ہے کہ نور کی پیدائش کا سبب یہی ایک چیز ہے؟ یہ بات طے ہے کہ کائنات میں ہر چیز کے لیے ایک ناقابل تخلّف قانون موجود ہے لیکن ہم جسے عرفاً علت کہتے ہیں اس کے اور حقیقی علت کے درمیان ممکن ہے میلوں فاصلہ ہو کیونکہ علم بشر جسے علت سمجھتا ہے شاید وہ حقیقی علت نہ ہو بلکہ حقیقی علل پر ایک قسم کی پردہ پوشی ہو۔

بنابریں کہا جاسکتا ہے کہ بشر کے تجربیاتی علوم اس لحاظ سے ہمیشہ کمال کی راہ پر گامزن ہیں اور بیشتر تحقیق وتلاش کے ذریعے اشیاء کی علل واسباب کی شناخت کے لیے دقیق تر ہو رہے ہیں۔ یہاں اس مقام پر جو چیز تبدیل ہوئی ہے وہ مادی قانون نہیں بلکہ مادی کائنات کے بارے میں ہمارا فہم اور ادراک ہے۔ مادی امور میں رائج قانون ہمیشہ سے ایک ہی چیز ہے اور اس میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہونے والی۔ ریچرڈ سوین برن مادی قانون کے ٹوٹنے کے جواب میں کہتے ہیں: "مادی قانون عام ہے لہٰذا اگر اس میں کسی قسم کا استثناء دکھائی دے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جسے ہم مادی قانون تصور کر رہے تھے وہ کسی صورت میں بھی مادی قانون نہیں تھا۔"[1] بنابریں ایک جملہ شرطیہ کی صورت میں کہا جاسکتا ہے: اگر تجربہ ایک چیز کی پیدائش کے اصلی اور حقیقی سبب کو پہچان لے تو وہ حتمی اور ناقابل تغییر قانون ہے لیکن چونکہ کائنات کے بارے میں بشر کی تجربی معرفت، نسبی اور روبہ کمال ہے لہٰذا ایک موجود کی حقیقی علت کو جاننا ایک دشوار مرحلہ ہے۔بنا بریں سببی اور مسببی ارتباط رکھنے والے دو موجودات Aاور Bکے درمیان ایک تیسرے موجود اور سبب کی تاثیر کو ناممکن خیال نہیں کیا جا سکتا۔

ماوراء الطبیعۃ اور قانون علیت کا دائرہ کار

۱۔ تناقض نمایا غیب نمون، ص ۱۰۱ نقل از (Richard swinburne

(Miracles, "Violation of law nature, P. 18-81

ایک ضروری نکتہ جس کی طرف اشارہ کیے بغیر نہیں رہا جا سکتا وہ یہ ہے کہ کیا سبب اور مسبّب کی تأثیر کا رابطہ فقط دو مادی موجودات کے درمیان برقرار ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ قانون علیت اور سبب و مسبّب کی باہمی وابستگی کو مادی موجودات میں منحصر نہیں کیا جا سکتا۔ مادہ اور ماوراء مادہ کے مابین سبب اور مسبّب کے ارتباط کے لیے سب سے نزدیک ترین مثال انسانی بدن اور نفس کی ہے کہ علوم تجربہ کے ماہرین بھی اس پر یقین رکھتے ہیں علاوہ برایں عاملوں کے حیران کن افعال کی تأثیر جو مادی قوانین کے جانے پہچانے فارمولوں کے ماتحت نہیں ہوتے۔ اسی بحث کے آغاز پر وحی کی تعلیمات سے استفادہ کرتے ہوئے ہم نے ملاحظہ کیا کہ اسباب و مسببات کے مصادیق اور علّی و معلولی روابط کی حدود دو مادی موجودات کی سطح سے بہت وسیع ہے۔ اعمال کی تاثیر اور عالم مادہ کی حدود میں انسان کے مثبت یا منفی مقاصد کی تأثیر نیز فرشتوں اور شیاطین کا مؤثر واقع ہونا ان سب معلومات سے قرآن کریم نے انسان کو آگاہ کیا ہے۔

اس کے علاوہ عقلی استدلال کی بناء پر کائنات کو الٰہی اور عقیدہ توحید کی نگاہ سے دیکھنا اور کائنات کی تمام مخلوقات کے خالق خدا کے بارے میں عقیدہ یہ سب ماوراء الطبیعہ کی مادیات میں تأثیر کے واضح نمونے ہیں۔ اس مطلب کی بنا پر نہیں کہا جا سکتا کہ اعجاز کا وقوع، کائنات کے حتمی اور ناقابل تخلف قوانین سے مستثنیٰ ہے؛ کیونکہ خدائے متعال کی طرف معجزہ کی نسبت سے صرف نظر کرتے ہوئے ممکن ہے خدا کی فاعلیت کے طول میں اس کے ایسے خاص اسباب ہوں جو ہمارے لیے نامعلوم ہوں۔

ایک مغربی دانشور مائیکل پٹرسن کہتے ہیں: "اگر فرض یہ ہو کہ ہر واقعے کا فقط مادی سبب ہو تو اس صورت میں اعجاز کا واقع ہونا مادی قوانین سے سازگار نہیں ہے۔ لیکن اگر ہم یہ تسلیم کر لیں کہ مادی اسباب سے ہٹ کر ایسے دوسرے اسباب بھی ہیں جو مادیات پر اثر انداز ہو سکتے ہیں اس صورت میں قوانین کا نقض لازم نہیں آئے گا۔ وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ

عقلی برہان سے ابھی تک ثابت نہیں ہو سکا کہ عالم مادہ میں مداخلتِ ربوبی محال ہے اور معجزہ کی تاثیر بھی اسی قسم میں سے ہے۔[1]

هست بر اسباب اسبابی دگر — در سبب منگر در آن، افکن نظر
انبیاء در قطع اسباب آمدند — معجزات خویش برکیوان زدند
بی سبب مربحر را بشکافتند — بی زراعت چاش کندم کا شتند[2]

معجزہ قانون کی خلاف ورزی یا قانون کا بیان؟

جیسا کہ ہم نے جان لیا کہ قانون علیت ایک عقلی قانون ہے جو نا قابل تغیّر و تبدل ہے اور نظام تقدیر و تدبیر الٰہی پر مشتمل نظام کائنات کا ہر موجود ضروری، دائمی اور عمومی قوانین کے دائرے میں تشکیل پانے والے نظام احسن میں اپنا مقام وجودی تلاش کر لیتا ہے۔ اب یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس جہان میں واقعات کی صورت میں وقوع پذیر ہونے والے معجزات کا اس نظام میں کیا مقام ہے؟

اس سوال کے جواب میں اس نکتے پر ہماری توجہ مرکوز رہنی چاہیے کہ اگرچہ ابتدائی نظر میں معجزہ بعنوان امر غیر عادی اور عادت کے برعکس شمار ہوتا ہے، لیکن عادت کے برخلاف ہونے کا لازمہ یہ نہیں ہے کہ وہ حتمی اور حقیقی قوانین کے خلاف ہو کیونکہ کائنات کے سلسلہ وار مراتب کے نظام میں کائنات کے ہر عینی اور تکوینی قوانین کا متحقق ہونا موضوع اور شرائط کے مہیا ہونے اور رکاوٹوں کے فقدان سے وابستہ ہے جو خود بھی دوسرے قوانین کا نتیجہ ہیں۔

---

[1] ۔ (Peterson and others, Reason and Reliyious belief,P.158-159)

[2] ۔ مولوی: ترجمہ:۔ ان اسباب کے علاوہ دوسرے اسباب بھی ہیں ان ظاہری اسباب میں نہیں بلکہ مافوق اسباب میں نگاہ کرو انبیاء علیہم السلام نے ظاہری اسباب کے بغیر اپنے معجزات کو بلندیوں تک پہنچایا اور انہوں نے خاص سبب کے بغیر دریا دو حصوں میں تقسیم کر دیا اور بغیر زراعت کے گندم کاشت کی۔

بالفاظ دیگر جس طرح وضعی اور تشریعی قوانین کے نفاذ میں شرائط کے ہونے اور رکاوٹوں کے نہ ہونے کے ذریعے ممکن ہے ایک قانون دوسرے قانون کے وقوع کی شرائط کو ختم کر ڈالے۔ اسی طرح قوانین تکوینی میں سے ایک قانون کا وقوع ممکن ہے دوسرے قانون کے نفاذ کو ختم کرنے کا باعث بنے یا اس قانون کو مقیّد کر دے۔ خصوصیات کے لحاظ سے ممکن ہے ایک قانون کا موضوع اکثر شرائط یا کمتر موانع رکھتا ہو اور پھر زیادہ متحقق ہو اور دوسرے قانون کی راہ میں شرائط کم تر اور موانع بیشتر موجود ہوں۔ بنابریں وہ کم تر متحقق ہو لیکن اس جہت سے ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہو گا کہ جب بھی کسی ایک قانون کا موضوع متحقق ہو گیا تو اس کا تحقق حتمی اور ناقابل تخلف الٰہی اصول کے مطابق ہو گا۔ یہ جو حوادث و واقعات کو وقوع پذیر ہونے یا وقوع پذیر نہ ہونے کے لحاظ سے تین قسموں دائمی الوقوع،[1] اکثری الوقوع[2] اور اقلّی الوقوع[3] میں تقسیم کرتے ہیں یہ ایک نسبی اور ایک دوسرے کے ساتھ مقایسے کی صورت میں تقسیم ہے لیکن اگر ہر قانون کو اُس کی اپنی ذات اور اس کی اپنی شرائط کے حوالے سے دیکھیں تو وہ ھمیشگی، دائمی اور ضروری ہو گا۔[4]

اگر ہمارا ایک مقام پر مسلسل ایک شئے سے سامنا ہو تو ہم اسے عادت کا نام دیتے ہیں، البتہ معجزہ اسی عادت کے ٹوٹنے کو کہا جاتا ہے؛ لیکن ہم اگر تمام نظام کائنات پر نگاہ ڈالتے ہوئے اسے اصول کا نام دیں تو معجزہ نہ فقط اصولوں کو توڑنے والا نہیں ہو گا بلکہ خود بھی الٰہی قوانین میں سے

---

[1]۔ ہمیشہ وقوع پذیر ہونے والا

[2] اکثر اوقات وقوع پذیر ہونے والا

[3] کم تر وقوع پذیر ہونے والا

[4]۔ رجوع کریں مجموعہ آثار ج ۴، ص ۲۷۰ بہ بعد شہید مطہری مبحث اعجاز اور خدا محوری، قاسم کاکائی۔

شمار ہوگا جو نا قابل تغییر ہیں۔ وہی خدائے متعال جس نے معیّن شرائط میں آگ کے جلانے پر اپنے قانون کو برقرار رکھا ہے اسی طرح نبوت کو بھی اصولوں کا جزء قرار دیا ہے یعنی بشر کو رہنما کے بغیر نہیں چھوڑا۔

جب بھی انسانوں کو پیغمبروں کی ضرورت پڑے اور انسان کامل بھی موجود ہوں تو نبوت ضروری ہو جائے گی اور اگر اس پیغمبر کی نبوت کا اثبات معجزے کا محتاج ہو تو اس پیغمبر کے ہاتھ پر معجزے کا اظہار ضروری ہو جائے گا کیونکہ اس پیغمبر کی ذات خود بھی ان شرائط کی حامل اور اس قانون کے متحقق ہونے کا مقام ہے۔ اگر اصل قانون کو فی نفسہ ملاحظہ کریں تو وہ ہمیشگی اور ضروری ہے؛ لیکن اس قانون کے متحقق ہونے کا موضوع اور اس کی شرائط اور خارق العادہ کام کا واقع ہونا اور نفس پیغمبر کا اثر انداز ہونا اور مادہ میں تصرف کرنا اور دوسرے مادی قوانین کا موضوع ختم ہو جانا بہت کم پیش آتا ہے۔ اسی وجہ سے معجزہ بھی بہت کم رونما ہوتا ہے اور جن مقامات پر معجزہ واقع ہوتا ہے وہاں کسی قسم کے قانون کی خلاف ورزی نہیں ہوتی بلکہ تحقق قانون کی شرائط میسر آنے پر معجزہ ایک برتر اور بہترین قانون ہے اور وہاں عادی اور رائج قانون کے وقوع کا موضوع ختم ہو جاتا ہے۔ جس طرح انسانی نفسیات سے مربوط ایک روحانی سلسلۂ قوانین کا انسان کے بدن پر اثر انداز ہونا اس کی بیماریوں کے علاج کا باعث بنتا ہے تو اس کا لازمہ طبّی قوانین کا ٹوٹ جانا اور انسانی بدن پر دوائیوں کی تاثیر کی نفی کرنا نہیں ہے بلکہ ایک روحانی علاج کی شرائط پوری ہونے پر ایک بہترین قانون کے طور پر سامنے آتا ہے اور وہاں عادی دوائیوں کی تأثیرات کے لیے کوئی جگہ باقی نہیں بچتی۔[1]

شاید اس جہان کے علمی قوانین کو اس کائنات کے لیے طبّی قوانین کی مانند تصور کیا جا سکتا ہے، لیکن الٰہی قانون کے مطابق اس جہان میں دیگر قوانین بھی حکم فرما ہیں جو اس عالم کے لیے روحانی قوانین کے قائم مقام واقع ہوتے ہیں البتہ اس قانون سے متوسل ہونا یعنی اس کا کشف

---

[1]۔ رجوع کریں۔ تداوی روحی، کاظم زادہ ایرانشہر

کرنا اور اس سے استفادہ کرنے کا ہنر، ایک غیبی اور ماورائے طبیعت قدرت سے ملا ہوا ہے جو کہ کائنات کے خالق اور اس کی بے انتہا قدرت سے مرتبط ہے۔

معجزہ نبی کے لحاظ سے مقام عظمت پر فائز اور مقام رسالت الٰہی کے عہدہ دار نفس پیغمبر سے مربوط ہے اور الٰہی اور غیبی ہونے کی جہت سے اس کی نسبت خداوند متعال کے خصوصی فیض کی طرف ہے کہ جس خدا نے ذات نبی کو صلاحیتوں اور لازمی استعداد کے بل بوتے پر اپنے فیض کا وسیلہ قرار دیا ہے۔

معجزہ، فعل خدا یا پیغمبر؟

معجزہ، اصل وحی کی طرح دو طرفہ شئے ہے: ایک طرف بشری پہلو رکھتا ہے؛ یعنی ماہیت وحقیقت کے لحاظ سے ہدایت ،الہام اور اپنی باطنی رہنمائی کے مساوی ہے؛ایسی ہدایت جو موجودات کے رتبۂ وجودی کے حساب سے سب کے لیے مہیا کی گئی ہے۔ دوسری طرف فوق بشری اور ماورائی جہت رکھتا ہے؛ یعنی انبیاء میں موجود وحی اور الہام کی یہ قسم منتخب الٰہی افراد کے ساتھ مختص ہے اور عام بشر میں نہیں پائی جاتی۔

معجزہ اس وجہ سے بشری کہلاتا ہے کہ کام کے لحاظ سے ان بعض بشری قدرتوں کے ہم جنس ہے جس کے کم ترین درجات تمام افراد بشریت میں کم وبیش موجود ہوتے ہیں لیکن دوسری جہت سے فوق بشری اور بے انتہا الٰہی قدرت سے مربوط ہوتا ہے؛ یعنی انبیاء علیہم السلام کو حاصل ہونے والی قدرت محدود نہیں ہوتی اور اس کا مقابلہ بھی نہیں کیا جاسکتا اور انسان کے نفوس کی محدود اور معین اعلیٰ طاقتوں کے ساتھ اس کا موازنہ نہیں کیا جاسکتا۔

یہاں جو سوال پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ کیا انبیاء علیہم السلام کے ذریعے ظاہر ہونے والی اس قسم کی بے مثال قدرت ،خدا کا بلا واسطہ فعل ہے اور ذات پیغمبر اس کے نفاذ کا صرف ایک وسیلہ ہے اور اس سے زیادہ کچھ نہیں؛ جیسا کہ اشاعرہ اور ان کے پیروکار یہی نظریہ رکھتے ہیں؟ یا معجزہ، پیغمبر کا بلا واسطہ فعل ہے اور اس کی ارادی اور نفسانی قدرت کا نتیجہ ہے جو خدا کے اذن اور مشیت سے انجام پاتا ہے؟

بعض اسلامی فرقوں کا خیال ہے کہ اگر معجزے کو انبیاء علیہم السلام کے نفوس اور ارادے کی طرف نسبت دیں تو ہم نے معجزے کو قدرت خدا سے خارج کر دیا اور اس کا لازمہ ایک قسم کا شرک ہو گا! انہوں نے اپنی سوچ و سمجھ کے مطابق افعال کو چھوٹے اور بڑے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے اور کہتے ہیں: عصا پھینکنا، پھونک مارنا، دعا کرنا بندے کے کام ہیں، دریا میں شگاف ڈالنا، مردوں کو زندہ کرنا اور طوفان بھیجنے جیسے بڑے کام خدا کے ہیں۔

انہوں نے ایک نکتے سے غفلت کی ہے وہ یہ کہ تاثیر استقلالی اور توحید افعالی اور موجود کے متحقق ہونے کے لحاظ سے دنیا کے تمام چھوٹے بڑے کام خدا کے ارادے اور مشیّت کے تحت واقع ہوتے ہیں۔ واضح ہے کہ یہ بات، خدا کی فاعلیت کے طول میں واقع ہونے والے اور خدا کے اذن تکوینی کے ذریعے انجام پانے والے تمام اسباب اور علل ثانویہ کے کردار کی نفی نہیں کر رہی ہے۔ بنابریں انبیاء علیہم السلام کے نفوس عالیہ کی قدرت کی طرف معجزات کی نسبت دینا توحید کے ساتھ کسی قسم کی منافات نہیں رکھتا جیسا کہ جب بعض کاموں کو خدا کے فرشتوں کی طرف نسبت دی جاتی ہے:

﴿حَتَّى إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُونَ﴾ [1]

"یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی ایک کو موت آجائے تو ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) اس کی روح قبض کر لیتے ہیں اور وہ کوتاہی نہیں کرتے۔"

تو اس کا لازمہ کبھی بھی خدا کی تأثیر کو بے اثر قرار دینا نہیں ہے۔

﴿اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا﴾ [2] "موت کے وقت اللہ روحوں کو قبض کرتا ہے۔"

---

[1]۔ سورہ انعام (٦) آیت ٦١۔

[2]۔ سورہ زمر (٣٩) آیت ٤٢۔

اس طرح یہ دونوں نسبتیں سورہ انفال کی آیت شریفہ میں اکٹھی ذکر ہوئی ہیں ان دو نسبتوں سے نفی اور اثبات دونوں جائز ہیں:

﴿فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَكِنَّ اللهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللهَ رَمَى﴾ [1]

"پس انہیں تم نے قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے انہیں قتل کیا اور (اے محمد ﷺ) جب آپ کنکریاں پھینک رہے تھے اس وقت آپ نے نہیں بلکہ اللہ نے کنکریاں پھینکی تھیں۔"

بنابریں چاہے عقلی نگاہ، قانون علیت اور علت و معلول کے ہم جنس ہونے کی بناء پر اور چاہے دینی اور نقلی کتابوں کی نگاہ سے، معجزات کو انبیاء کے مقدس نفس کی تاثیر اور ان کی روحانی قدرت سے نسبت دینے کے علاوہ کوئی راہ باقی نہیں بچتی اور یہ نسبت کسی قسم کی مشکل کا باعث نہیں بنتی۔ البتہ قدرت خدا کے مقابلے میں بشر کے لیے مستقل قدرت کا قائل ہونا شرک ہے خواہ اس قدرت کو تھوڑا فرض کریں یا زیادہ۔

﴿وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللهِ﴾ [2]

"اور کسی پیغمبر کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اللہ کے اذن کے بغیر کوئی آیت پیش کرے۔"

اس کلام مقدس کا مقصد ایک طرف اس حقیقت کی وضاحت ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور کوئی بھی دوسرا شخص اپنے فعل میں مستقل نہیں ہے۔ ان کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ سب خدا کی طرف سے اور اُس کے تکوینی ارادہ کے تحت ہے۔ دوسری جانب اس کی وضاحت ہے کہ اعجاز کے تحقق کا مقام، نفس انبیاء علیہم السلام ہے اور معجزہ خود انبیاء کا کام ہے البتہ "باذنِ اللہ" کی قید کے ساتھ کیونکہ اگر یہ خدا کا بلاواسطہ فعل ہوتا تو اذن کا محتاج نہ ہوتا، جیسے حضرت عیسیٰؑ کے بیان میں ہر دو کا لحاظ کیا گیا ہے:

---

[1]۔ سورہ انفال (۸) آیت ۱۷۔

[2]۔ سورہ غافر (۴۰) آیت ۷۸۔

﴿وَرَسُولاً إِلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنِّي قَدْ جِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ أَنِّي أَخْلُقُ لَكُمْ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنْفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللهِ وَأُبْرِئُ الأَكْمَهَ وَالأَبْرَصَ وَأُحِي الْمَوْتَى بِإِذْنِ اللهِ﴾ [1]

"اور (وہ) بنی اسرائیل کی جانب بھیجے گئے رسول کی حیثیت سے (کہے گا)..... میں تمہارے سامنے مٹی سے پرندے کی شکل کا مجسمہ بناتا ہوں اور اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ خدا کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے اور میں اللہ کے حکم سے مادر زاد اندھے اور برص کے مریض کو تندرست اور مردے کو زندہ کرتا ہوں۔"

قرآن حتی کہ جادو گروں کے فعل کو خود انہیں سے منسوب کرتا ہے جو کہ خدا کے اذن اور ارادہ تکوینی سے انجام پاتے ہیں:

﴿فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ وَمَا هُمْ بِضَآرِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلاَّ بِإِذْنِ اللهِ﴾ [2]

"مگر لوگ ان دونوں سے وہ (سحر) سیکھ لیتے تھے جس سے وہ مرد اور اس کی زوجہ کے درمیان جدائی ڈال دیتے حالانکہ اذن خدا کے بغیر وہ اس کے ذریعے کسی کو ضرر نہیں پہنچا سکتے تھے۔

بنابریں معجزات کی طرح کے واقعات، نوع بشر میں موجود فوق العادہ طاقت اور قدرت کی عظمت کی علامت ہے جس کی تجلی، انبیاء علیہم السلام میں ظاہر ہوئی ہے اور یہی وہ چیز ہے جس کی جانب اسلامی فلاسفہ اور حکماء نے معجزے کا سبب تلاش کرتے ہوئے بیان کیا ہے۔ اور نفس نبی کو اس کا سبب شمار کیا ہے۔

نفس انسان کے باب میں انہوں نے کہا ہے کہ انسان دو قوتوں کا مالک ہے ایک نظری قوت کہ جب کمال تک پہنچتی ہے تو مادہ سے عاری عالم کی صورتیں اس پر نقش ہو جاتی ہیں اور

---

[1]۔ سورہ آل عمران (۳) آیت ۴۹۔

[2]۔ سورہ بقرہ (۲) آیت ۱۰۲۔

اس کی غیب سے آگاہی کا سر چشمہ بن جاتی ہیں اور دوسری قوت عملی جو اجسام عالم پر اثر انداز ہونے اور ان میں تصرف کی طاقت حاصل کر لیتی ہے اور اس سے عجیب و غریب اور عادت سے ہٹ کر افعال سرزد ہوتے ہیں[1]۔

فارابی کے بقول: پیغمبر ﷺ کائنات کی روح کی مانند ہیں اور جس طرح ایک تھوڑی طاقت کا نفس اپنے جسم میں تصرف کرتا ہے اسی طرح مقدس قوت کا مالک نفس نبی بہت بڑے عالم میں (جو کہ اس کے بدن کی مانند ہے) تصرف کر سکتا ہے[2]۔

برون زیک سخنت حکمتی نمی بینند	اگر به چله نشنند صد هزار حکیم
تویی حقیقت قرآن، برتر از قرآن	که صامت است و کریم و تو ناطقی و کریم
بود بهشت برین، ساحت ولایت تو	طریقت تو درآن،جوی کوثروتسنیم[3]

---

[1]۔ المطالب العالیہ ج ۸۔۹، ص ۱۲۸، شیخ سے منقول ہے۔

[2]۔ شرح فصوص الحکمہ، محمد تقی استرآبادی، محمد تقی دانش پژوہ کی کوشش سے جو مؤسسہ مطالعات اسلامی دانشگاہ مک گیل کے طالب علم ہیں، ص ۲۸۱۔

[3]۔ ملک الشعراء بھار۔

ترجمہ: اگر ایک لاکھ فلسفی اور حکیم چلّہ بھی کاٹیں تب بھی اے پیغمبرؐ آپ کے فرمان سے باہر کوئی حکمت تلاش نہیں کر سکتے آپؐ حقیقت قرآن ہیں بلکہ اس سے بھی بالاتر۔ قرآن جو کہ صامت اور کریم ہے اور آپ ناطق اور کریم ہیں۔ آپ کی ولائی اختیارات میں بہشت بریں ہیں۔ اور آپ کا اس میں چلنا کوثر و تسنیم کی نہروں کی مانند ہے۔

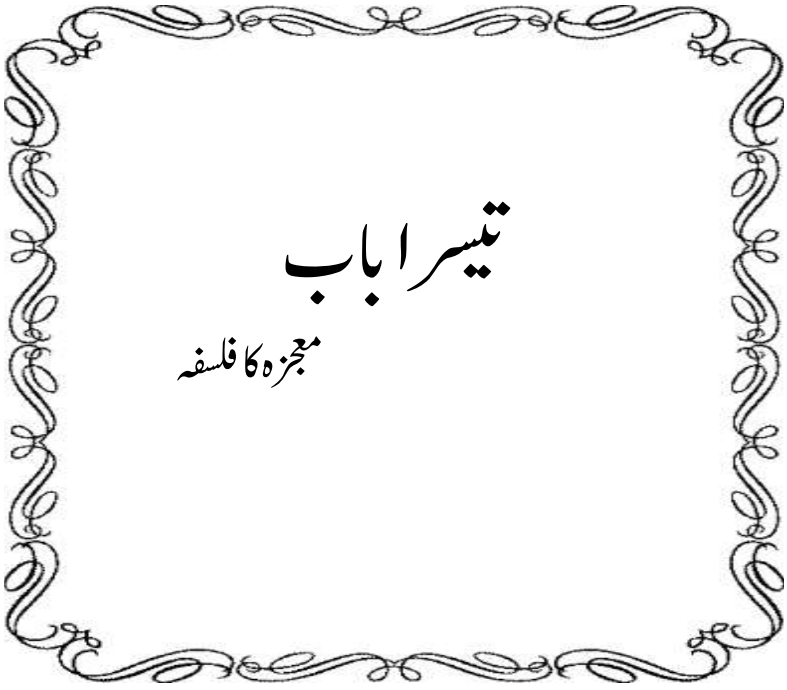

تیسرا باب

معجزہ کا فلسفہ

معجزہ اور اثبات رسالت

انبیاء علیہم السلام کی طرف سے پیش کیے جانے والے معجزوں کا مقصد کیا ہے؟

بلا شک و تردید انسانی عقل اور عقلانی زندگی کا تقاضا ہے کہ کسی بھی دعویٰ کو اطمینان بخش دلیل کے بغیر قبول نہ کیا جائے خاص طور پر جب وہ دعویٰ ایک طرف اس کی تقدیر اور دوسری جانب سے رسالت کے دعویٰ سے مربوط ہو۔ اس لیے نبوت کے دعویٰ کے مطابق اور تحدی (چیلنج) کے ساتھ انجام دیے گئے معجزہ کی بنیادی حکمت، انبیاء علیہم السلام کی رسالت کا اثبات اور لوگوں پر حجت تمام کرنا ہے۔ منطق وحی کے مطابق انبیاء جو معجزات پیش کرتے تھے صرف ان کی رسالت کے اثبات اور ماورائے طبیعت کے ساتھ ارتباط اور بشر کی ہدایت کے پیغام کو دریافت کرنے کے لیے ہوتے تھے۔

وہ کبھی نہیں چاہتے تھے کہ معجزہ کے ذریعے اپنے دعویٰ سے مربوط معارف کے صحیح ہونے کا یقین دلائیں یا عقل کے قابل تبیین اصولوں کو معجزے کے ذریعے لوگوں کو قبول کروائیں۔ وہ جب غیب سے وحی کے اخذ کرنے اور ماوراء الطبیعۃ سے تعلق کو ناممکن تصور کرنے والے لوگوں کا سامنا کرتے کہ جو انبیاء علیہم السلام سے تقاضا کرتے کہ اگر وہ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو انہیں بھی وحی کی حقیقت سے جوڑ دیں یا کوئی دوسری ''برہان و آیت'' پیش کریں کہ جس کے مشاہدے سے وہ قانع ہو جائیں تو لوگوں کے اس مطالبے کے جواب میں انبیاء علیہم السلام معجزات پیش کرتے تھے۔[1]

---

[1]۔ تفسیر المیزان، ج ۱، ص ۸۲۔

{... قَالُوٓا إِنۡ أَنتُمۡ إِلَّا بَشَرٞ مِّثۡلُنَا تُرِيدُونَ أَن تَصُدُّونَا عَمَّا كَانَ يَعۡبُدُ آبَاؤُنَا فَأۡتُونَا بِسُلۡطَانٖ مُّبِينٖ. قَالَتۡ لَهُمۡ رُسُلُهُمۡ إِن نَّحۡنُ إِلَّا بَشَرٞ مِّثۡلُكُمۡ وَلَٰكِنَّ ٱللَّهَ يَمُنُّ عَلَىٰ مَن يَشَآءُ مِنۡ عِبَادِهِۦۖ وَمَا كَانَ لَنَآ أَن نَّأۡتِيَكُم بِسُلۡطَٰنٍ إِلَّا بِإِذۡنِ ٱللَّهِ...}[1]

"وہ کہنے لگے: تم تو ہم جیسے بشر ہو تم ہمیں ان معبودوں سے روکنا چاہتے ہو جن کی ہمارے باپ دادا پوجا کرتے تھے۔ پس اگر کوئی کھلی دلیل ہے تو ہمارے پاس لے آؤ۔ ان کے رسولوں نے ان سے کہا: بے شک ہم تم جیسے بشر ہیں لیکن اللہ اپنے بندوں میں جس پر چاہتا ہے احسان کرتا ہے اور ہمارے اختیار میں نہیں کہ ہم تمہارے سامنے کوئی دلیل (معجزہ) اذن خدا کے بغیر پیش کریں۔"

اس بناء پر بعض مغربی دانشوروں کی طرف سے پیش کی گئی رائے نادرست شمار ہوتی ہے جس میں انہوں نے معجزات کا مقصد اثبات وجود خدا سمجھا ہے اور پھر اس کی مخالفت اور نفی کرنے کے درپے ہوئے ہیں۔ علم کلام کے لحاظ سے معجزہ کا مرتبہ مسئلہ وجود خدا سے کمتر اور بعد میں ہے۔ وجود خدا کے اثبات کے لیے اپنے خاص عقلی دلائل ہیں اور نبوت کے اثبات کے لیے اس کے مخصوص دلائل ہیں۔

البتہ یہ بات واضح ہے کہ معجزات کی انجام دہی کا بلاواسطہ سبب انبیاء علیہم السلام ہیں اور خداوند متعال کی توحید افعالی اور تاثیر استقلالی کے تقاضے کے مطابق عالم وجود کے تمام واقعات من جملہ انبیاء کے معجزات پروردگار کی مرضی اور مشیت کا اعلی ترین معلول ہیں۔ اس رائے کی بناء پر یہ آثار عالم وجود کے دوسرے تمام واقعات کی طرح خدا کی آیت اور نشانی ہیں۔

---

[1]۔ ابراہیم (۱۴) ۱۰۔۱۱۔

اثبات نبوت کے مختلف راستے

یہاں پر اس موضوع کی تحقیق کرنا ضروری ہے کہ کیا نبوت کے اثبات کا واحد راستہ خارق العادہ کاموں کا انجام دینا اور معجزات کا پیش کرنا ہے؟

واضح سی بات ہے کہ علم کلام کی نگاہ میں اس کا جواب منفی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی پہچان کے لیے مختلف راہیں موجود ہیں اور معجزات فقط اس وقت ضروری ہوتے ہیں جب لوگوں پر اتمام حجت کرنا صرف اسی کے ساتھ مربوط ہو تاکہ حقیقت روشن اور شبہات کا ازالہ ہوسکے؛ لیکن انبیائے الٰہی علیہم السلام کے دعویٰ کی سچائی اور حقیقت کی شناخت کے لیے حقیقت کے متلاشی افراد کے لیے مختلف راستے پائے جاتے ہیں کہ جن کی طرف ہم اشارہ کرتے ہیں:

۱۔ دعوت کے پیغام میں غور و فکر: بے شک بھیجے گئے خدائی پیشواؤں کی پہچان کا ایک طریقہ ان کی دعوت، معارف کی حقیقت، کائنات، انسان اور ان کی طرف سے پیش ہونے والے اصلاحی اور فلاحی پروگراموں سے مربوط معلومات میں غور و فکر اور ان کا مطالعہ کرنا ہے جن کی بناپر وہ انسان کو ایک مطلوبہ مقام اور کمال تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ اگر ان معارف اور دعوتوں کی حقیقت عقل کو قبول کرنے والی انسانی فطرت کے مطابق ہوئی تو یہ خود اس پیغام کے الٰہی ہونے کی واضح دلیل ہے کیونکہ خدا کا تشریعی پیغام ہر گز خلقت و فطرت کے مخالف، عقل سے دور اور اس کے مخالف نہیں ہوا کرتا۔

﴿الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الأُمِّيَّ الَّذِي ..... يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَآئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالأَغْلاَلَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ﴾[1]

"(یہ رحمت ان مومنین کے شامل ہوگی) جو لوگ اس رسول کی پیروی کرتے ہیں جو نبی امی کہلاتے ہیں۔ وہ انہیں نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں اور پاکیزہ چیزیں ان کے

---

[1]۔ اعراف (۷) آیت ۱۵۷۔

لیے حلال اور ناپاک چیزیں ان پر حرام کرتے ہیں اور ان پر لدے ہوئے بوجھ اور (گلے کے) طوق اتارتے ہیں۔"

۲۔ قرائن اور نشانیوں کی تحقیق: جیسا کہ ہم جانتے ہیں انبیاء علیہم السلام کی ذوات مقدس، خود بشر میں سے اور خود انہی میں سے چنے گئے ہیں۔ ان کے بھی ماں باپ، خاندان اور ذاتی و انفرادی زندگی تھی۔ ان کا اُٹھنا، بیٹھنا، رشتہ داروں اور ارد گرد کے لوگوں کے ساتھ معاملات اور اکٹھا رہن سہن بھی تھا۔ بنابریں ان کی ذاتی زندگی، عملی سیرت، اخلاقی کردار اور ان کے برتاؤ اور دی گئی دعوتوں پر عمل پیرا ہونے کا مطالعہ کرنا اور اسی طرح اپنے مطلوب و مقصود تک پہنچے کے لیے اُنہوں نے جن وسائل اور طریقوں سے استفادہ کیا ہے نیز دوستوں اور دشمنوں سے اُن کا برتاؤ یہ سب کے سب رسالت کے دعویٰ میں انبیاء علیہم السلام کی صداقت و مقصد اور مسلک و طریقہ کار کی تحقیق اور ان کے بارے میں فیصلہ کرنے میں بہترین مددگار ہیں۔

قرآن کریم، ان عظیم لوگوں کی زندگی کے کارنامے کو شفقت، خیر خواہی، صداقت اور سچائی سے لبریز سمجھتا ہے کہ جنہوں نے اپنی رسالت کی انجام دہی میں لوگوں سے کس قسم کی کوئی توقع نہیں رکھی: ﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴾[1] "بتحقیق تمہارے پاس خود تم ہی میں سے ایک رسول آیا ہے تمہیں تکلیف میں دیکھنا اس پر شاق گزرتا ہے وہ تمہاری بھلائی کا نہایت خواہاں ہے اور مومنین کے لیے نہایت شفیق و مہربان ہے۔"

﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسَكَ عَلَى آثَارِهِمْ إِنْ لَمْ يُؤْمِنُوا بِهَذَا الْحَدِيثِ أَسَفًا﴾[2]

---

[1]۔ توبہ (۹) آیت ۱۲۸۔

[2]۔ کہف (۱۸) آیت ۶۔

"پس اگر یہ لوگ (قرآنی) مضمون پر ایمان نہ لائے تو ان کی وجہ سے شاید آپ اس رنج میں اپنی جان کھو بیٹھیں۔"

﴿اتَّبِعُوا مَنْ لَا يَسْأَلُكُمْ أَجْرًا وَهُمْ مُهْتَدُونَ﴾ [1]

"ان کا اتباع کرو جو تم سے کوئی اجر نہیں مانگتے اور وہ راہ ہدایت پر ہیں۔"

۳۔ گزشتہ خبریں اور بشارتیں: سچے انبیاء علیہم السلام کے دعوی کی صداقت کی تحقیق کے لیے ایک راہ گزشتہ انبیاء علیہم السلام کی کتابوں میں موجود اشارے اور بشارتیں ہیں۔

قرآن کریم آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ کے بارے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کے حوالے سے فرماتا ہے:

﴿وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا هَذَا سِحْرٌ مُبِينٌ﴾ [2]

"اور جب عیسیٰ بن مریم علیہما السلام نے کہا اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں اور اپنے سے پہلے کی (کتاب) توریت کی تصدیق کرنے والا ہوں اور اپنے بعد آنے والے رسول کی بشارت دینے والا ہوں جن کا نام احمد ہے پس جب وہ ان کے پاس واضح دلائل لے کر آئے تو کہنے لگے یہ تو کھلا جادو ہے۔"

اسی طرح دوسرے مقام پر فرماتا ہے:

﴿الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ وَإِنَّ فَرِيقًا مِنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾ بقرہ (۲) آیت ۱۴۶۔

---

[1] ۔ یس (۳۶) آیت ۲۱۔

[2] ۔ صف (۶۱) آیت ۶۔

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس (رسول) کو اس طرح پہنچانتے ہیں جیسے وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں اور ان میں سے ایک گروہ جان بوجھ کر حق کو چھپا رہا ہے۔ایک اور مقام پر زیادہ صراحت کے ساتھ توریت اور انجیل میں موجود پیغمبر اسلام ﷺ کی صفات کے بارے میں خبر دیتا ہے: ﴿الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالإِنْجِيلِ﴾[1] "یہ (رحمت ان مومنین کے شامل حال ہوگی) جو لوگ اس رسول کی پیروی کرتے ہیں جو نبی اُمّی کہلاتے ہیں جن کا ذکر وہ اپنے ہاں توریت اور انجیل میں پاتے ہیں۔"

اثبات نبوت کے مختلف نظریات کے فرق کا سرچشمہ

مذکورہ چار طریقوں میں ہر ایک نبوت کے اثبات کی دلیل بن سکتا ہے اسی وجہ سے ہم جانتے ہیں کہ مختلف کلامی گروہوں میں سے ہر ایک نے ایک خاص طریقے کو اپنایا ہے۔ ایک طریقے کو اپنانے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ ان کو اکٹھا نہیں کیا جاسکتا؛بلکہ یہ طریقے ہر محقق کی خاص روش کا نتیجہ ہیں۔ معتزلی متکلمین عام طور پر حقانیت نبوت کے دفاع کے لیے تعلیماتِ پیغمبر ﷺ اوران کے ذاتی احوال و اخلاق کو قوی ترین دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں اور معجزات کو دوسرے درجہ کی دلیل قرار دیتے ہیں۔ قاضی عبدالجبار معتزلی معجزہ کی تعریف ذکر کرتے ہیں: «هو الفعل الذی یدلّ علی صدق مدّعی النّبوة» پھر کہتے ہیں:

«و لهذه الجملة لم یعتمد شیوخنا فی اثبات نبوّة محمد صلی الله علیه و آله وسلم علی المعجزات التی انما یعلم بعد العلم بنبوّته لأنّ ثبوت ذالك فرعٌ علی ثبوت النبوّة فکیف یصحّ

---

[1] ۔اعراف (۷) آیت ۱۵۷۔

ان یستدلّ به علی نبوّته و جعلوا هذه المعجزات موکّدة و زائدة فی شرح الصدور فیمن یعرفها من جهة الاستدلال» [1]

یہی نظریہ ابو منصور ماتریدی اور ابن رشد کی آراء میں بھی ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔[2] درحالانکہ اشاعرہ معجزات کو اثبات نبوت کی پہلی دلیل سمجھتے ہیں۔

اسفرایینی، ابوالحسن اشعری کی رائے کو اس طرح بیان کرتے ہیں: «واعلم ان تحقیق نبوة المصطفی صلی الله علیه و آله و سلم ظاهرة فی کتاب الله» [3]

باقلانی کہتے ہیں: «الذی یوجب الاهتمام التام لمعرفة اعجاز القرآن انّ نبوة نبیّنا صلی الله علیه و آله و سلم بنیت علی هذه المعجزة» [4]

عبدالملک جوینی، کہتے ہیں: «الدلیل علی ثبوت نبوة نبینا محمد صلی الله علیه و آله و سلم العجزات» [5]

امام فخر رازی بھی اثبات نبوت کے لیے معجزات کو متکلمین کی اہم ترین دلیل قرار دیتے ہیں؛ جبکہ ان کے بعض مکتوبات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ "انسان کی کمال کی جستجو اور روحانی علاج کے طریقے" کو معجزات سے بھی برتر جانتے ہیں:

---

[1]۔ شرح الاصول الخمسہ، ص ۱۵۲۔

[2]۔ مناہج الادلہ فی عقائد اہل الملۃ، ص ۱۲۶۔

[3]۔ التبصیر فی الدین، ص ۱۵۵۔

[4]۔ اعجاز القرآن، ج ۸، ص ؟؟؟

[5]۔ لمع الادلہ فی قواعد عقائد اہل السنۃ والجماعۃ، ص ۱۱۱۔

"انسان کا حقیقی کمال یہ ہے کہ حق کو پہچانے اور نیک راستے کو عمل کرنے اور اس پر پابند رہنے کے لیے چن لے۔"

وہ کہتے ہیں: ''ہم سب جانتے ہیں کہ روحانی امراض لوگوں پر غالب اور حاکم ہیں۔ پس لوگ ایک روحانی طبیب کے محتاج ہیں اور پیغمبر اکرم ﷺ وہی روحانی امراض کے طبیب ہیں۔"

وہ مزید کہتے ہیں: ''یہ راہ جو راہ علم ہے، راہ معجزہ سے زیادہ مناسب ہے جو کہ راہ برہان ''اِنّ'' ہے اور نبوت سے متعلقہ تمام شبہات کو بر طرف کرتا ہے۔'' ''سچی گواہی کی بنا پر محمدؐ ماہر طبیب تھے کہ جو اہل دنیا کی طبیعتوں کو دین باطل سے نکال کر حق کی جانب لے گئے اور اُنہوں نے لوگوں کو پست دنیا میں مشغول ہونے کی بجائے پائیدار اخروی زندگی کی طرف دعوت دی اور جھوٹ سے سچ کی طرف لائے اور غلط و فاسد عقائد سے صحیح عقیدوں کی طرف رہنمائی کی۔"[1]

اس نظریے کی بناء پر قرآن آخری شفا بخش آسمانی نسخہ ہے جو ہر درد کی دوا اور بیمار کے دل کے لیے شفا ہے مگر اس کی حقیقت کی تجلی پیغمبر ﷺ کے وجود پاک میں ہوئی ہے لہٰذا انہیں شفا بخشی اور قرآنی طبابت کا آئینہ قرار دیا ہے:

توئی حقیقت قرآن، بر تر از قرآن که صامت است وکریم و تو ناطقی وکریم

قابل اطمینان قرائن کی تائید سے معلوم ہوتا ہے کہ فخر رازی کے یہ نظریات دو نامور اسلامی شخصیات کی آراء کو دوبارہ زندہ کرنے کی کوشش ہے کہ جن سے فخر رازی چشم پوشی نہیں کرسکے ہیں۔ ان دو شخصیات میں سے ایک ''جاحظ'' ہیں کہ ''طبیعت نبوت یا عادت و کردار نبی'' ان کی ایجادات میں سے ہے۔ اس دلیل کے مطابق طبیعت اور ذات نبوت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ

---

[1] المطالب العالیہ، ج ۸و۹، ص ۱۲۳۔

ایسے آئین کو لائیں جو بشر کو کمال اور سعادت کی طرف رہنمائی کرے، اس بنا پر پیغمبر کی عادات اور رفتار و کردار اس کے آئین کے مطابق ہے۔[1]

فخر رازی کے افکار پر اثر انداز ہونے والی دوسری شخصیت بو علی سینا ہیں کہ جنہوں نے ''انتخاب و ترقی'' کی دلیل کو ایجاد کیا ہے کہ جس کی بنا پر وجود کی کمال کی طرف تدریجی حرکت فرشتوں کے ہم مرتبہ پیغمبر کے وجود کو لازمی اور ضروری قرار دیتی ہے۔[2]

فخر رازی نے اپنی کتاب ''المطالب العالیہ'' میں انتخاب و ترقی کے عنوان کے تحت بو علی سینا کی دلیل کی شرح دوسرے طریقے سے کی ہے، تفسیر رازی کے مطابق مخلوقات کے چار مراتب ہیں: جمادات، نباتات، حیوان اور فرشتہ، جمادات سب سے ادنی مرتبہ رکھتے ہیں۔ ان سے اوپر نباتات اور ان سے اوپر حیوان ہیں اور حیوان کی برترین قسم حیوان ناطق یعنی انسان ہے۔ البتہ خود انسان کے تین مراتب ہیں کمترین مرتبہ مقصرین کا ہے جو کہ عام عوام کا مرتبہ ہے۔ درمیانی مرتبہ ان کامل افراد کا ہے جو صرف اپنے نفس کی تہذیب و تکمیل میں مشغول ہیں اور ان سے اعلی درجہ ان کاملان کا ہے جو اپنی اصلاح کے ساتھ ساتھ دوسروں کی اصلاح بھی کرتے ہیں۔ یہی لوگ انبیاء علیہم السلام اور الٰہی پیشوا ہیں جنہیں فطری اور عملی قوتوں میں کمال حاصل ہے اور دوسروں کی اصلاح نفس کو اہمیت دیتے ہیں۔ اس لحاظ سے کہ نظام کائنات میں ہر ادنی مرتبے والا اعلی مرتبہ رکھنے والے سے مربوط ہے لہٰذا انبیاء علیہم السلام کا مقام وہی مادہ سے عاری فرشتوں کا مقام ہے اور اسی مقام کی وجہ سے انبیاء علیہم السلام روح جہان کا درجہ رکھتے ہیں اور

---

[1]۔ تلخیص المحصل ص ۳۵۱، فخر الدین الرازی وآراہ الکلامیہ والفلسفیہ، ص ۵۶۶۔

[2]۔ الہیات شفاص ۴۳۵، النجات (الہیات) ص ۲۹۹؛ مقاصد الفلاسفہ، ص ۳۸۳ آراہ کلامی فخر رازی جریدہ معارف نمبر ۱، ۱۳۶۵ سے منقول۔

اس پیکر عالم اور اس کے مادہ میں تصرف کر سکتے ہیں۔ وہ سورہ "والعصر" کی تفسیر کے مطابق آیات میں مذکور چار صفات انبیاء پر منطبق کرتے ہوئے کہتے ہیں:

" پہلی صفت قوت نظری کا کمال " آمنوا" دوسری صفت، قوت عملی کا کمال "عملوا الصالحات" تیسری صفت دوسروں کی قوت نظری کو کامل کرنا "تواصوا بالحق" چوتھی صفت دوسروں کی قوت عملی کو کامل کرنا "تواصوا بالصبر."[1]

اثبات نبوت میں معجزہ کا کردار

معجزہ کی شناخت کے اساسی موضوعات میں سے ایک یہ ہے کہ کیا معجزہ کے انجام دینے اور اثبات نبوت کے درمیان ایک منطقی تعلق ہے یا نہیں؟ماورائے طبیعت اور انبیاء علیہم السلام کی رسالت پر ایمان رکھنے والوں کی اکثریت کا خیال ہے کہ معجزہ اور نبوت کے دعوی کی صداقت کے مابین عقلی لازمہ پایا جاتا ہے اگرچہ اس رابطے کی کیفیت کی وضاحت کے سلسلے میں ممکن ہے مختلف آراء پائی جاتی ہوں۔ دوسری طرف عرصہ دراز سے مخالفین کی جانب سے شک وتردید کا سلسلہ جاری ہے جس کی وجہ سے اثبات نبوت میں معجزہ کے کردار کو چیلنج قرار دیا گیا ہے۔ ہم اس بحث میں بعض مخالفین کے سوالات کا تنقیدی جائزہ لینا ضروری سمجھتے ہیں اور اسی طرح نبوت پر معجزہ کی دلالت کی وضاحت کرتے ہیں:

فعل خدا کے بامقصد ہونے میں شک وتردید

صدق نبوت پر معجزہ کی دلالت کے بارے بعض مشکلات بیان ہوئی ہیں جو ایسی ابتدائی شرائط ہیں جنہیں فخر رازی کے آثار میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے وہ کتاب "المحصّل" میں کہتے ہیں:

---

[1]۔ فخر الدین الرازی وآراہ الکلامیہ، ص ۵۷۲۔

"دعویدار نبوت کے سچ کے اثبات کے لیے معجزہ کی طرف نسبت دینا تین چیزوں پر موقوف ہے: پہلی یہ کہ معجزہ فعل خدا ہونا۔ دوسری یہ کہ ثابت کیا جائے کہ خدانے نبی کی تصدیق کے لیے معجزہ انجام دیا ہے اور تیسری یہ کہ خدا جس کی تصدیق کر دے وہ اپنی گفتار میں صادق ہے۔"

پھر وہ خود اپنے اشعری مسلک کی بنیاد پر مذکورہ تینوں موضوعات پر تنقید کرتے ہیں: پہلا یعنی معجزہ کی خدا کی طرف نسبت، وہ کہتے ہیں: "انسان چونکہ مادہ سے عاری نفس ناطقہ کا مالک ہے لہٰذا احتمال ہے کہ نفس نبی اور دوسرے نفوس میں ماہیت کے لحاظ سے فرق ہو اور وہ خود ہی معجزہ کا فاعل ہو یا یہ کہ معجزہ کرنے والا اپنی خاص قوتوں کی وجہ سے ان عجیب وغریب افعال کا سرچشمہ ہو جو دوسرے ابدان میں نہ پائے جاتے ہوں یا ممکن ہے نبی ایسے جسم کا مالک بن گیا ہو جو ان عجیب افعال کا سرچشمہ ہو یا اس نے پریوں، شیطانوں، فرشتوں اور آسمانی روحوں سے مدد لی ہو۔"

دوسرے موضوع کے بارے میں کہتے ہیں: "اولاً (معجزہ کی خدا کی طرف نسبت کی صورت میں) یہ بات مسلّم نہیں ہے کہ معجزہ کو خلق کرنے میں کوئی غرض پائی جاتی ہو ثانیاً بالفرض اگر فعل خدا میں غرض ہو تب بھی واضح نہیں کہ معجزہ کا انجام دینا دعویدار نبوت کی تصدیق کے لیے ہو بلکہ ممکن ہے کوئی دوسری غرض ہو۔"

تیسرے موضوع کے بارے میں کہتے ہیں: "یہ کہاں سے ثابت ہے کہ جس کی خدا تصدیق کرے وہ اپنی گفتار میں صادق اور سچا ہے؟"[1]

فخر الدین رازی کی متعدد کتابوں میں موجود کلام اتنا متفاوت اور مختلف ہے کہ اُن کے بارے میں آخری فیصلہ کرنا نہایت دشوار کام ہے۔

---

[1]۔ خواجہ نصیر الدین طوسی، تلخیص المحصّل المعروف بنقد المحصّل ص ۹۴ نیز المطالب العالیہ ج ۸، ۹ ص ۶۱ تھوڑے فرق کے ساتھ۔

یہاں چند نکات قابل توجہ ہیں:

پہلا نکتہ ،اشاعرہ جو مسائل کا عقلی تجزیہ نہیں کرتے تھے اور دینی وماوراء الطبیعۃ مفاہیم کی گہری شناخت میں برہانی عقل سے استفادہ کیے بغیر دینی متون کے ظواہر کے سخت پابند تھے اور تقریباًجدید نظریہ حسّ والوں کی طرح خدااور نبی کے فعل درمیان موافقت کرنے سے عاجز تھے انہوں نے اپنے فہم کے مطابق توحید افعالی کو بچانے کے لیے علل ثانیہ کے کردار کا مکمل طور پر انکار کر دیااور اسی فکر کے نتیجہ میں فعل انسان میں جبر کے قائل ہو گئے۔

یہاں اس وضاحت کے بعد ان کا پہلا اعتراض بر طرف ہو جاتا ہے کہ معجزہ نبی کے اعلیٰ نفس کا بلا واسطہ فعل ہے جو خدا کی خاص عنایت اور اس کے اذن سے ظہور پذیر ہوا ہے۔دوسرا یہ کہ دوسرے اور تیسرے مقدمے میں مذکور مشکل،افعال کے حسن وقبح ذاتی کی نفی کے متعلق اس گروہ کی خاص رائے سے پیدا ہوتی ہے کہ کوئی خاص غرض ومقصد، فعل خدا کی علت نہیں بن سکتی۔ اسی وجہ سے خدا سے غیر حکیمانہ فعل کی نفی بھی نہیں کر سکتے بنابریں اس نظریے کی بازگشت شناخت خدااور افعال الٰہی کے مبانی کی طرف ہے۔

معجزہ قدرت کی علامت

اعتراضات میں سے ایک اعتراض یہ ہے کہ اگر بالفرض معجزات کے وجود کو قبول کر لیاجائے تب بھی معجزہ فقط انجام دینے والوں کی فوق العادہ اور بے مثال قدرت کی دلیل تو بن سکتا ہے لیکن صدق نبوت کی دلیل نہیں بن سکتا در حالانکہ انکے کلام کا صحیح ہو نا"علم" سے مربوط ہے۔[1]

---

[1]۔چارلس براڈ، استاد مصطفیٰ ملکیان سے منقول، نوٹس، دروس مسائل کلامی جدید درس نمبر ۲۳ تعجب آور ہے کہ اسی کے مشابہ کلام بعض مسلمان روشن فکروں کی تحریروں میں بھی ملتا ہے۔رجوع کریں: شبلی نعمانی، علم کلام جدید، ج ۲، ص ۶۲۔

معلوم ہوتا ہے انبیاء علیہم السلام کی فوق العادہ قدرت کا سر چشمہ ان کا ''علم'' ہے۔ عام انسانوں کی طرف سے تمام خارق العادہ انجام دیئے جانیوالے کاموں پر بھی یہی حقیقت صادق آتی ہے جو ریاضت اور اپنے نفس پر کنٹرول سے فوق العادہ قدرتوں کے مالک بن جاتے ہیں۔

خاتم ملک سلیمان علم جملہ علم راھمہ جان است علم

سورہ نمل کی آیت نمبر ۴۰: ﴿وَ قَالَ الَّذِی عِنْدَهُ عِلْمٌ مِنَ الْكِتَابِ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ﴾ ''جس کے پاس کتاب میں سے کچھ علم تھا وہ کہنے لگا میں آپ کے پلک جھپکنے سے پہلے اُسے آپ کے سامنے حاضر کیے دیتا ہوں۔'' اس آیت میں موجود ایک لطیف نکتہ اس پر شاہد ہے کہ اس شخص کی قدرت وطاقت اس کے خاص علم کا نتیجہ تھی۔ خلاصہ یہ کہ پیغمبر اسلامؐ کا معجزہ جاوید یعنی قرآن کریم اساساً عین علم ہے۔

معجزہ اور نامعلوم مادی قوانین

بعض کہتے ہیں[1] ممکن ہے ظاہر میں خارق عادت اور ایک استثناء شمار ہونے والا کام حقیقت میں اس طرح نہ ہو اور اس کے وجود میں آنے کے لیے ایک مادی نظام درکار ہو جو ابھی تک ہمارے لیے کشف نہ ہوا ہو اور ایک روز ممکن ہے ہمیں معلوم ہو جائے۔ مثال کے طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں بیماروں کی شفاء یابی ممکن ہے بدن کی اعصابی بیماریوں کے باب سے ہو۔ اس وجہ سے معجزات کو نبوت کے اثبات کی دلیل نہیں بنایا جا سکتا ہے۔

رچرڈ پورٹل یہ سوال بیان کرنے کے بعد خود اس طرح جواب دیتے ہیں:

1۔ Richard -i- purtill "miracles: what if thay happen?" In miracles, edited by richard swinburne ,p 202

امین احمدی، تناقص نمایا غیب نمون، ص ۳۳۶ سے منقول۔

" یہ احتمال اندازہ گیری کے لحاظ سے معجزات میں پائی جانیوالی شرائط کے حوالے ایک بے قیمت اور صفر کی حد تک ہے اور یہ تسلیم نہیں کیا جاسکتا کہ ایک عام انسانی شخص (پورٹل کے بقول ایک مقامی بڑھئی عیسیٰ) اتنا قادر ہو کہ اپنی مادی قوتوں سے اس طرح استفادہ کرے کہ مردوں کو زندہ اور پیدائشی اندھوں کو بینا کردے (یا قرآن کی تعبیر کے مطابق اپنی پیدائش کے ابتدائی ایام میں لوگوں کے سامنے استدلال کرے اور حکیمانہ اور ہدایت آمیز گفتگو کرے) درحالانکہ ابھی تک دانشمندوں اور عالموں میں سے کوئی بھی اس کام کو انجام نہیں دے سکا۔"

پورٹل کے کلام میں قرآن کریم کے چیلنج کا اضافہ کرو کہ جن میں سب انسانوں کو خطاب کرتے ہوئے کہا گیا ہے: ''اگر قرآن کے الٰہی ہونے میں شک رکھتے ہو تو تم بھی اس طرح کا بنا کر لے آؤ۔"

عوام کا معجزہ پر اظہار اطمینان

گذشتہ نظریات کے مشابہ معجزہ کی ایک دوسری صورت بھی سامنے آئی ہے جو معجزہ کی دلالت کے معتبر ہونے کی مخالفت کرتی ہے۔ یہ نظریہ، عوام کو قانع کرنے کے لیے، انبیاء علیہم السلام کی جانب سے پیش کئے جانے والے معجزات کو ایک قسم کی عوام فریبی کا نام دیتا ہے ! یہ لوگ کہتے ہیں:

''معجزہ نابالغ انسانوں اور بچوں کے قانع کرنے کی دلیل ہے جو عجیب و غریب اور غیر مادی امور کی تلاش میں ہوتے ہیں۔ ایک سنجیدہ انسان ان امور پر توجہ نہیں دیتا بلکہ وہ منطق سے تعلق رکھتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے لیے معجزہ اور خرق عادت کاموں سے استعانت انتہائی ضروری تھا چونکہ اس زمانے میں عقلی استدلال کی مدد سے راہنمائی کرنا دشوار بلکہ محال تھا۔

البتہ اس محترم مصنف نے پیغمبر اسلامؐ کے حوالے سے کافی سخاوت کا مظاہرہ کیا ہے اور کہا ہے کہ چونکہ دورۂ پیغمبر اسلامؐ دورۂ عقل و منطق ہے نہ کہ اوہام اور ذہنی خیالات کا اس لحاظ سے

پیغمبر اسلام ﷺ نے قرآن کے علاوہ "بہ اذن خدا" ہر قسم کے معجزہ کی درخواست قبول کرنے سے انکار کیا ہے۔ [1]

ایک دوسرے شخص نے اس قسم کے کلام کو اس طرح بیان کیا ہے:

"جب اصول معارف حقہ پر مستحکم اور واضح دلائل موجود ہوں تو آگاہ اور بابصیرت افراد معجزہ کے محتاج نہ ہوں گے۔ بنابریں معجزہ ان کو قانع کرنے سے قاصر ہے۔ بالفاظ دیگر خواص، معجزہ کے محتاج نہیں ہیں بلکہ معجزہ فقط عوام کے لیے ہوتا ہے۔" [2]

یہ بیان ایک فہم لفظی کی علامت ہے اور دینداروں کی عامیانہ زبان میں معجزہ کے مشہور مفہوم و معنی کی طرف ناظر ہے جس کی بنا پر وہ ہر عجیب حادثہ کو جو ان کی باطنی خواہشات کے مطابق ہو لطف خدا اور معجزہ کا نام دیتے ہیں۔ ہم نے پہلے بھی مفہوم معجزہ کی وضاحت کی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے معجزات چاہے جنس کے لحاظ سے دیگر خارق عادات کاموں کے ساتھ مشترک ہیں لیکن نوع اور اپنی خاص صفات کے لحاظ سے کاملاً ایک دوسرے سے جدا ہیں۔

یہ نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ انسانوں کے اندر پوشیدہ صلاحیتوں اور ان کی فطرت کو اجاگر کرنے کے لیے مبعوث ہونے والے انبیاء علیہم السلام نے ہر گز لوگوں کی جہالت سے فائدہ نہیں اٹھایا اور وہ لوگوں کی حیرت میں اضافہ کرنے کے درپے نہیں تھے۔ وہ راہِ خدا کی طرف لوگوں کی ہدایت اور اپنی نبوت کے اثبات کے لیے بوقت ضرورت اور بہ اذن خدا، معجزات اور مناسب نشانیوں کو پیش کرتے تھے۔ اسی بناء پر پیغمبر اکرم ﷺ نے بھی اپنی رسالت کے اثبات کے لیے (نہ کہ ان معارف کے لیے جن کی طرف وہ دعوت دیتے تھے) مختلف معجزات انجام دیئے جیسے

---

[1] ۔ حبیب اللہ پیمان، فلسفہ تاریخ از دیدگاہ قرآن ص ۱۵، ۱۶۔

[2] ۔ علی شریعتی اسلام شناسی ص ۵۰۶، ۵۰۲۔

شق قمر (چاند کے دو ٹکرے کرنا) اور دیگر معجزات لیکن پیغمبر اسلام ﷺ کا اصلی ترین معجزہ، قرآن ہے جو تاریخ بشر میں ہمیشہ کے لیے پیغمبر خاتم ﷺ کی نبوت کی حقانیت کی دلیل ہے۔

دلالت معجزہ کی کیفیت

معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے شکوک وشبہات کا سرچشمہ معجزہ کے مفہوم، حقیقت، غرض، اہمیت اور اس کے اصلی مقصد میں ابہام ہے۔ اس لیے اس سوال کے صحیح جواب کے حصول کے لیے معجزہ کی واضح تصویر اور دوسرے تمام خارق عادات کاموں کیساتھ اسکا فرق سمجھا جائے۔ سوال یہ کہ معجزہ کس طرح نبوت کے اثبات کی دلیل بنتا ہے اور اس کی دلالت کی مقدار کس حد تک ہے (یہ برہانی ہے یا فقط نفسیاتی یقین کا سرچشمہ ہے؟) اسی طرح اس کے ساتھ ساتھ اظہار معجزہ کا ہدف اور اس کی نبوت پر دلالت کی کیفیت [1] (طبعی، صفی یا عقلی نیز مطابقی یا تضمنی اور التزامی) کی وضاحت کی جائے؟

جو لوگ معجزہ کو اثبات نبوت پر بعنوان برہان پیش کرتے ہیں وہ اس کے مقام استعمال کو اس طرح سے دیکھتے ہیں کہ وجود خدا کے اثبات اور تسلیم سے لے کر اپنے خاص براہین تک غیر

---

[1] ۔ وضعی دلالت کا سبب قرارداد اور اعتبار ہے اور اس کی وضع یا ایسے ملازمہ سے آگاہی کی طرف نسبت دی جاتی ہے جو ملازمہ وضع سے پیدا ہوتا ہے جیسے الفاظ کی خاص معانی پر دلالت ۔ طبعی دلالت یہ ہے کہ طبیعت کے تقاضا کے مطابق کسی شخص کے ظاہری حالات وآثار سے اس کی طبیعی حالات کو کشف کریں جیسے چہرے کا سرخ ہونا شرمساری کی علامت ہے لیکن واضح ہے کہ یہ ملازمہ ضروری نہیں ہوتا۔ عقلی دلالت یہ ہے کہ دال اور حقیقی مدلول کے مابین ملازمہ پایا جاتا ہے اور عقل اسے کشف کرتی ہے جیسے علت ومعلول کے درمیان ملازمہ ضروری اور ناقابل تخلف ہے۔

از معجزہ (خدا کی صفات کمالی جیسے علم ،قدرت، خیر خواہی ، حکمت وغیرہ..... نیز اصل ضرورت نبوت کو قبول کرنا اور انسان کی ہدایت کے لیے عقل کی امداد کے عنوان سے وحی کی ضرورت کہ اس موضوع کا بھی خاص عقلی برہان ہے) مدعی نبوت شخص کی شناخت کے لیے کیا معجزہ یقین آور برہان بن سکتا ہے یا نہیں ؟اس حوالے سے مسلمان اور عیسائی مفکرین کی اکثریت نبی کی تصدیق کے لیے معجزہ کو بہترین دلیل سمجھتی ہے۔ عیسائی دانشوروں میں سے ریچرڈسون برن مندرجہ ذیل دلائل کے ساتھ معجزہ کو دلیل سمجھتے ہیں:

پہلی: وجود خدا، دلائل اور شواہد من جملہ برہان نظم کے ذریعے یقینی ہے۔

دوسری : براہین کے ذریعہ علم ،قدرت مطلق وغیرہ جیسی صفات خدا کو ثابت کیا جاسکتا ہے۔

تیسری: بشر بعض حیاتی مسائل جیسے دنیا کی حقیقت، دنیا میں انسان کا مقام، دنیا میں زندگی کا طریقہ کار ، فضل خدا حاصل کرنے کی کیفیت، اخروی زندگی اور ابدی سعادت کے ادراک وغیرہ سے آگاہی نہیں رکھتا۔

چوتھی: خدائے عالم و قادر اور خیر مطلق انسان کی بنیادی ضروریات کا علم رکھتا ہے جو کہ وحی کے علاوہ کسی اور راستے سے مہیا نہیں ہو سکتیں ؛ لہٰذا اس کی صفات کا تقاضا اسکی عنایت کا انتظار کرنا ہے۔

پانچویں: وحی کے ذریعے آنے والی انبیاء علیہم السلام کی بعض تعلیمات میں ان کے ہدف کے یقینی اور سچا ہونے کی وحی کے علاوہ کوئی راہ موجود نہیں ہے اور یہ کہ وحی کی مرجعیت (Authaharity) اور اس کے موثق ہونے کی وجہ سے انبیاء علیہم السلام پر ایمان لے آئیں۔

چھٹی: ایسی دلیل اور برہان ضروری ہے جو دینی تعالیم کی صداقت کو ثابت کرسکے باقی شرائط کے علاوہ ایک دلیل معجزہ بھی ہے۔

وہ دیگر شرائط کو بھی ضمیمہ کرتے ہیں جیسے مدعی نبوت کی تعلیمات کے خبریہ جملے واضح جھوٹ پر مشتمل نہ ہوں اور نہی پر مشتمل گفتگو نفرت آمیز نہ ہو۔ اس کی تعلیمات کے وہ حصے جو مستقل طور پر قابل تحقیق ہوں ان کی تحقیق ہونی چاہیے۔ ان کی تعلیمات مخاطبین کے ذاتی تجربوں کو پھر پور تقویت دے ں اور ان کی تعلیمات میں جامہ عمل پہننے والی پیش گوئیاں ہوں

جو قدرت بشر سے بالاتر ہیں۔ اس طرح کہ عام مادی قانون کے مخالف شمار ہوں اور خداوند متعال کی مستقیم مداخلت کا نتیجہ ہوں۔ سون برن کی نظر میں اس قسم کے نقض کا نام معجزہ ہے۔ [1]

اس طرح کی گفتگو تھوڑے فرق کے ساتھ مسلمان متألہین کے اقوال میں بھی موجود ہے یعنی حکمت خدا کے ابتدائی مفروضے سے استفادہ کرتے ہوئے معجزہ کے ذریعے استدلال کو بیان کیا ہے۔ [2]

یہی استدلال دیگر طریقے سے بھی بیان کیا گیا ہے:

۱۔ حضرت موسیٰ (ع) نے (بعنوان نبوت کے دعویدار) ایک خارق العادہ کام کیا ہے۔

۲۔ جو بھی ایک خارق عادت کام انجام دے وہ دیگر خارق عادت کام بھی انجام دے سکتا ہے۔

۳۔ پس حضرت موسی علیہ السلام دیگر خارق عادت کام بھی انجام دے سکتے ہیں۔

۴۔ خارق عادت کاموں میں سے ایک، عالم غیب اور خدا کے ساتھ رابطہ رکھنا ہے۔

۵۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام خدا کے ساتھ رابطہ برقرار کر سکتے ہیں۔ [3]

معجزہ کی دلالت کی ایک اور وضاحت بھی پیش کی گئی ہے جس میں زیادہ تر معجزہ کی انجام دہی میں نبی کی تکوینی اور انحصاری صلاحیتوں پر بھروسہ کیا گیا ہے۔ اس وضاحت میں یہ بھی بیان

---

[1] ۔تناقص نمایاغیب نمون ص ۳۵۴ منقول از Richard Swin burn, "Miracles and Revelation", in Philosophy of Reliyion and Antholoy, P. Poiman, P.299

[2] ۔ جعفر سبحانی، الالہیات، ج ۲، ص ۸۹ "انه سبحانه تعالی حکیم والحکیم لایجعل الکون و لابعضه مسخراً للکاذب.....و لکن المفووضی ان هذا المدعی مسخّر للکون فینتبع انه لیس بکاذب"

[3] ۔ جعفر سبحانی، الالہیات، ج ۲، ص ۹۲۔

ہوا ہے کہ معجزہ اور نفس پیغمبر کے درمیان ایک محکم وجودی رابطہ پایا جاتا ہے۔ جس وجہ سے در حقیقت نبی کا وجود اعلی، الٰہی قدرت کی تجلّی کا مظہر بنتا ہے اس طرح کہ خاص آیت اور نشانی میں فعل معجزہ کا نبی کے باکمال نفس کے علاوہ صادر ہونا ناممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ناقابل شکست ماوراء الطبیعۃ واقعہ کے عنوان سے معجزہ کی الٰہی اور پیغمبر کے ماوراء الطبیعۃ ارتباط پر دلالت ایک عقلی اور ناقابل انکار دلیل ہے۔ [1]

اس بنا پر وجود خدا کے اصلی مفروضوں ،صفات کمالیہ، نبوت کی ضرورت کو تسلیم کرنے سے اور انبیاء کے خرق عادات امور کے ماہوی فرق اور انکے وقوع کی کیفیت کے لحاظ سے (یعنی تدریجی مقدمات اور تعلیمی مراحل کو طے کئے بغیر) اور مدعیان نبوت کے اہداف کا ملاحظہ کرنے سے (انسانوں کی معنوی ترقی اور ارتقاء) اور ان کی تعلیمات کی عقل وفطرت کے ساتھ موافقت میں سوچ وبچار سے اور مثبت سیرت و کردار کے لحاظ سے اور اپنے مقاصد تک پہنچنے کے لیے بروئے کار لائے گئے وسائل کی روسے ،صاحب معجزہ کی رسالت کے دعویٰ میں کسی قسم کا شک وتردید باقی نہیں رہتا اور ان کا معجزہ اتمام حجت کے لیے خاص عنایت الٰہیہ کی علامت ہے جو کہ خدائے حکیم کی جانب سے ان کے اختیار میں دیا گیا ہے۔ خاص طور پر مسلمانوں کے لیے ایک نکتہ اہمیت کا حامل ہے کہ پیغمبر خاتم ﷺ کا معجزہ بشریت کے درمیان ایک عینی حقیقت اور زندہ شاہد کے عنوان سے موجود ہے اور سب کو تدبر اور چیلنج کی دعوت دے رہا ہے۔ بنابریں بعنوان آیت الٰہی یہ ایک بولتی حقیقت، برہان انّ کے ذریعے اپنی ماورائے طبیعی علت کو ثابت کرتا ہے۔ اس لحاظ سے پیغمبر خاتم ﷺ کی نبوت کے اثبات پر اس معجزہ کی عقلی و مطابقي دلالت پر کسی قسم کا اعتراض نہیں آتا۔

---

[1] تفسیر المیزان ج ۱،ص ۸۴،جوادی آملی ، وحی ورہبری ص ۱۸ ، مصباح یزدی آموزش عقاید ج ۲، درس ۲۷۔

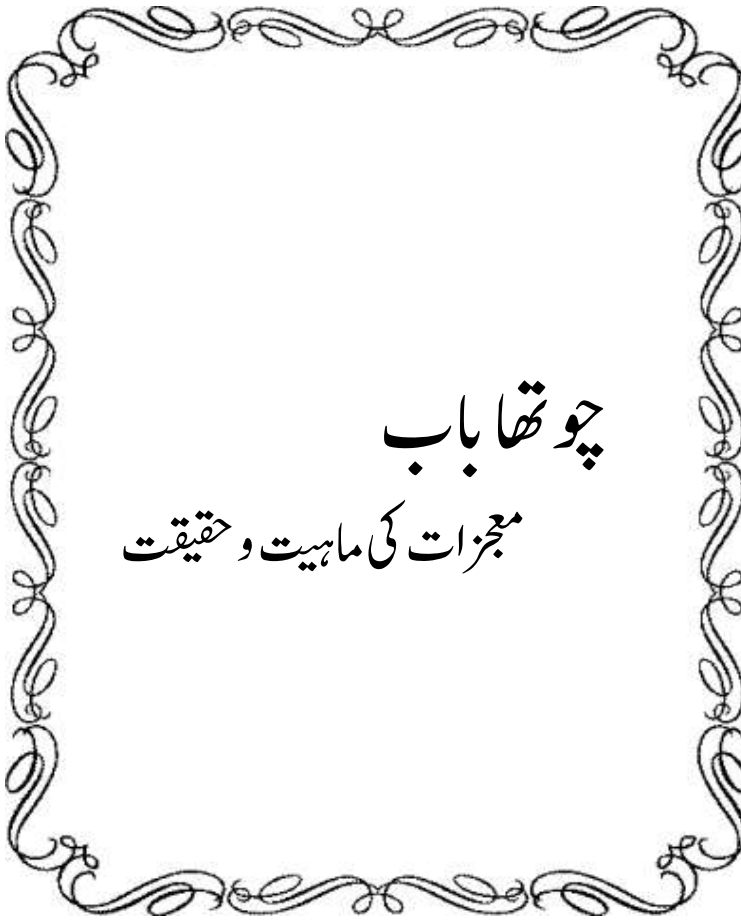

چوتھا باب

معجزات کی ماہیت و حقیقت

انبیاء علیہم السلام کے معجزات کا باہمی فرق اور ان کا سرچشمہ

ہم جانتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے معجزات مختلف تھے لیکن خارق عادت ہونے کے لحاظ سے باہم مشترک تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام کا معجزہ ایک بہت بڑا طوفان، حضرت صالح علیہ السلام کی نشانی پہاڑ سے برآمد ہونے والی اونٹنی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معجزہ آتش نمرود سے صحیح و سالم بچ نکلنا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کوڑھ کے بیماروں اور پیدائشی اندھوں کو شفا اور مُردوں کو زندہ کرتے تھے۔ اسی طرح رسول اکرم ﷺ کے بھی مختلف معجزات تھے لیکن "قرآن" شریعت محمدی کی ایک پائیدار نشانی کے عنوان سے معروف ہوا۔

فخر رازی نے کتاب "الاربعین و البراھین" میں معجزات کی حسّی اور عقلی تقسیم کے بعد پیغمبر اسلام ﷺ کے معجزات کو بھی انہی دو قسموں (حسّی اور عقلی) میں تقسیم کیا ہے۔ عقلی معجزات کی چھ اقسام ذکر کی گئی ہیں: امّی ہونا، دفعی اور قبلی مقدمات کے بغیر قرآن لانا، امر رسالت میں آنیوالی دشواریوں اور مشکلات کے مقابلے میں ثابت قدمی، استجابت دعا، غیب کی خبریں، گذشتہ آسمانی کتابوں خصوصا توریت اور انجیل کا بعثت کے بارے میں خبر دینا وغیرہ اور حسی معجزات کو بھی تین دستوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

۱۔ ایسے معجزات جو پیغمبر کی ذات سے خارج تھے مثلاً شق القمر، حیوانات سے گفتگو کرنا، تھوڑی سی غذا سے زیادہ لوگوں کو سیر کرنا وغیرہ۔

۲۔ ذات پیغمبر میں موجود معجزات جیسے انکی ذات اقدس میں نور محمدی کا پایا جانا۔

۳۔ پیغمبر کی صفات میں موجود معجزات جیسے صفات حسنہ کا پایا جانا اور ناشائستہ صفات سے منزہ ہونا۔[1]

بہر حال یہ سوال اپنی جگہ پر باقی ہے کہ معجزات میں تفاوت اور فرق کاراز کیا ہے ؟ کیا شریعتوں کی حدود اور انکی خصوصیات اس تفاوت کا باعث بنیں ؟ یا معجزات لانے والوں کی معنوی اور روحانی طاقت اور ان کا مقام ؟ یا زمانے اور اس وقت کے رائج فنون اور سمجھ بوجھ کی سطح اور مخاطبین کے ادراک کا تقاضا تھا ؟جو کچھ بھی ہو، خداوند متعال نے اپنی برگزیدہ ہستیوں کی تائید میں معجزہ کو آیت اور نشانی قرار دیا ہے۔ یاد رہے کہ خداوند متعال سے کسی قسم کا فضول اور بے حکمت فعل سرزد نہیں ہوتا اس لیے ضروری ہے کہ اس تفاوت کے پیچھے چھپی حکمتوں کو تلاش کیا جائے۔ یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ خدائے حکیم نے معجزات کو انبیاء علیہم السلام کی دعوت کے مطابق اور اس طرح قرار دیا ہے کہ ان میں سے ہر معجزہ خاص حالات وشرائط میں رونما ہوتا ہے اور مخاطبین کو حق و باطل کی پہچان کروانے کے علاوہ اتمام حجت کے لیے کافی ہوتا ہے۔

اس بات کی تائید کے لیے امام علی بن موسی الرضا علیہ السلام کے فرمان سے استفادہ کرتے ہیں جو انہوں نے عرب ادیب اور دانشمند "ابن سکیت" کے سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا تھا؛ جب ابن سکیت نے پوچھا کہ خداوند عالم نے حضرت موسی بن عمران کو ید بیضاء اور عصا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو طبّ اور حضرت محمد ﷺ کو کلام الہی پر مشتمل معجزہ کیوں عنایت فرمایا؟ امام علیہ السلام نے فرمایا کہ خداوند متعال نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس وقت مبعوث فرمایا جب جادوگروں کا جادو اس زمانے کے لوگوں پر غالب تھا اور حضرت موسی علیہ السلام خداوند متعال کی جانب سے وہ چیز لائے جس کا مقابلہ کرنے کی ان میں سکت نہ تھی اور ان کے سحر و جادو کو ختم کردیا اور ان پر حجت تمام کردی۔ خداوند متعال نے حضرت عیسی علیہ السلام کو اس وقت انتخاب کیا کہ فالج کی بیماریاں عام ہوچکی تھیں اور لوگوں کو طب کی سخت

---

[1] ۔ نیز رجوع کریں: اعلام النبوۃ، ابوحاتم الرازی (۳۲۲) تحقیق صلاح الصاوی وغلام رضا اعوانی انجمن حکمت ص۱۹۱۔

ضرورت تھی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کی جانب سے وہ چیز لائے جس کی مثل ان لوگوں کے پاس نہ تھی۔ مردوں کو زندہ کیا، پیدائشی اندھوں اور کوڑھ کے مریضوں کو باذن خدا شفایاب کیااور حجت تمام کردی۔

خداوند متعال نے حضرت محمد ﷺ کو اس وقت مبعوث کیا کہ کلام اور خطبے، زمانے والوں پر غالب تھے۔ اس طرح آنحضرتؐ، خدا کی طرف سے کتاب، مواعظ اور احکام لیکر آئے جس کے ذریعے انکے اقوال کو باطل کردیااور حجت ان لوگوں پر تمام کردی۔ [1]

ایک قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور خاص طور پر گذشتہ انبیاء اور پیغمبر اسلام ﷺ کے معجزات کے درمیان ایک واضح تفاوت اور فرق یہ تھا کہ [2] پیغمبر اسلامؐ کے پاس اگرچہ مختلف معجزات تھے لیکن انکی رسالت کی اصلی نشانی اور آیت خود وحی پر مشتمل ہے؛ جبکہ دیگر انبیاء علیہم السلام کے معجزات اور وحی میں فرق تھا؛ علاوہ ازیں گذشتہ انبیاء علیہم السلام کے معجزات زیادہ تر فعلی اور حسی تھے جبکہ پیغمبر خاتم ﷺ کا معجزہ عقلی اور ثقافتی معجزہ ہے جو لوگوں کی حس سے زیادہ ان کی فکر سے مربوط ہے۔

بوعلی سینا نبوت کی ضرورت اور انبیاء کی رسالت کے اثبات کے لیے معجزات کی ضرورت کو بیان کرنے کے بعد اسی فرق کی جانب مختصر اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں :

«واستحقاق الطاعة انّما يتقرّر بآيات تدل على كون تلك الشريعة من عند ربّه و تلك الآيات هى معجزاته و هى اما قولية واما فعلية، و الخواص للقولية اطوع و العوام للفصلية

---

[1]۔ بحار الانوار ج ۱۱، ص ۷۰۔

[2]۔ رجوع کریں: تاریخ الاداب العربیہ ج ۱ ص ۱۹۵ ، تاریخ التمدن الاسلامی جرجی زیدان، ج ۱، ص ۷۳۔

اطوع، و لاتتم الفعلية مجردة عن القولية، لانّ النبوة و الاعجاز لا يحصلان من غير دعوة الى خيرٍ فاذن لابد من شارع هو نبى ذو معجزة» [1]

ابن خلدون کہتے ہیں:

" جان لو کہ سب سے بڑی، برتر اور واضح دلالت قرآن کریم ہے جو ہمارے نبی حضرت محمدؐ پر نازل ہوا۔ انبیاء علیہم السلام کے معجزات وحی کے علاوہ تھے اور وہ دلیل کے طور پر پیش کیے جاتے تھے؛ جبکہ قرآن مجید وحی ہونے کے باوجود ایک معجزہ بھی ہے اور اپنے اثبات کے لیے کسی دوسرے برہان کا محتاج نہیں ہے۔" پھر اضافہ کرتے ہوئے کہتے ہیں پیغمبر اسلام ﷺ نے بھی اسی طرف اشارہ فرمایا ہے: { ما من نبى من الانبياء و الاّ و اوتى من الآيات ما مثله آمن عليه البشر و انما كان الذى أُوتيته وحياً اوحى الى، فانا ارجوا ان اكون اكثرتابعاً يوم القيامة } [2]

معروف مسلمان دانشور راغب اصفہانی بھی معجزات کو حسی اور عقلی میں تقسیم کرنے کے بعد کہتے ہیں: حسی معجزات وہ ہیں جنہیں آنکھ سے مشاہدہ کیا جاسکتا ہے جیسے ناقہ صالح، طوفان نوح، آتش ابراہیم اور عصائے موسی۔ عقلی معجزہ وہ ہے جو بصارت سے نہیں بلکہ بصیرت سے درک کیا جاسکتا ہے؛ جیسے غیب سے آگاہ کرنا۔ حسی معجزہ کی خاصیت یہ ہے کہ اسے عوام اور خواص دونوں سمجھ سکتے ہیں اور ہر ایک کے لیے ہر دلعزیز ہو جاتا ہے لیکن اسے دوسرے خارق عادات مثلاً کہانت اور سحر و جادو سے الگ کرنا بہت مشکل اور ان کے درمیان تفاوت کو سمجھنا اس علم کے ماہرین کی ذمہ داری ہے؛ جبکہ عقلی معجزہ کو دانشوروں اور محققین کے ذریعے دریافت کیا جاسکتا ہے۔" آگے چل کر کہتے ہیں:

"عقلی معجزات کی خصوصیت یہ ہے وہ ناقابل تغییر ہوتے ہیں۔ دوسری جانب خداوند متعال نے شریعت محمدیہ کو ہمیشہ کے لیے ناقابل تغییر قرار دیا ہے۔ اسی وجہ سے خداومد متعال

---

[1]۔ شرح اشارات، ج ۳، ص ۳۷۱۔

[2]۔ مقدمہ تاریخ کا چھٹا مقدمہ۔

نے شریعت کے اکثر معجزات کو ناقابل تغییر اور تبدیل قرار دیا ہے۔ قرآن، پیغمبر ﷺ کا ایسا خصوصی معجزہ ہے جو تمام زمانوں کے لیے حسی، عقلی، صامت، اور ناطق نشانی ہے۔[1]

در حقیقت کہا جاسکتا ہے کہ معجزہ کا انتخاب، معجزات کی شریعتوں کے ساتھ مناسبت کی حکمت کا نتیجہ ہے۔ اس طرح کہ گذشتہ انبیاء علیہم السلام کی رسالتیں معین زمانے اور محدود معاشرے کے لیے تھیں لہٰذا ان کے معجزات بھی محدود زمانے کے لیے اور اسی قوم اور مخاطبین کی ضرورت کے مطابق تھے اور ہمیشہ کے لیے نہ تھے؛ جبکہ حضرت محمد ﷺ کی شریعت اور آئین اسلام، جاودانگی اور عالمی ہونے کا دعوایدار ہے اور اس کے بعد خدا کی جانب سے کوئی دوسرا آئین نہیں آئے گا؛ لہٰذا قدرتی بات ہے کہ اس کی حقانیت اور درستی کی گواہی دینے والا معجزہ بھی پائیدار اور باقی رہنے والا ہونا چاہئے تاکہ پیغمبر خاتم ﷺ کی بعثت اور زندگی کے بعد آنے والے افراد کے لیے کافی ہو۔"[2]

یہ معجزہ قرآن ہی ہے جو تاریخ بشریت میں افکار واذہان کو غور وفکر اور تدبر کی دعوت دیتا ہے:

﴿أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا﴾[3]

کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے؟ اور اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو یہ لوگ اس میں بڑا اختلاف پاتے۔

قرآن پیغمبر خاتم ﷺ کا جاودانی معجزہ

اعجاز قرآن کی بحث شروع کرنے سے پہلے ایک نکتے کی طرف توجہ کرنا ضروری ہے کہ قرآن کریم کی آیات اور رسول اکرم ﷺ کے فرامین اور صحابہ حتی کہ تابعین کے اقوال میں اعجاز اور معجزہ کا لفظ روزمرہ کے رائج اصطلاحی معنی میں استعمال نہیں ہوا ہے۔

---

[1] ۔ مقدمہ تفسیر، ص، ۱۰۲، التمہید فی علوم القرآن ج ۴، ص ۱۹ سے منقول۔

[2] ۔ البیان فی تفسیر القرآن، ص ۴۳۔

[3] ۔ سورہ نساء (۴) آیت 82۔

مذکورہ اصطلاح بہت سی دوسری کلامی اصطلاحات کی طرح تاریخ عقائد اور علم کلام میں مسلمان متکلمین کے توسط سے رائج ہوئی ہے۔ شاید تیسری صدی میں سب سے پہلی مرتبہ اعجاز اور معجزہ کا لفظ، موجودہ معنی میں استعمال کیا گیا۔ قرآن مجید میں یہ مفہوم دیگر الفاظ کے ذریعے بیان کیا گیا ہے کہ ان میں سے بعض کو یہاں بیان کرتے ہیں:

آیہ: آیت کا لغوی معنی علامت اور واضح نشانی ہے۔ انبیائے کرامؑ اپنی نبوت کی دلیل اور علامت کے طور پر جن نشانیوں کو پیش کرتے تھے اُن کا نام آیت ہے۔

﴿وَ رَسُولاً إِلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنِّي قَدْ جِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ أَنِّي أَخْلُقُ لَكُمْ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنْفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللهِ﴾ [1]

"اور (وہ) بنی اسرائیل کی طرف بھیجے گئے رسول کی حیثیت سے (کہے گا) میں تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی لیکر تمہارے پاس آیا ہوں (وہ یہ کہ) میں تمہارے سامنے مٹی سے پرندے کی شکل کا مجسمہ بناتا ہوں اور اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ خدا کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے۔"

یہ مطالبہ معقول ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے مخاطبین دعوائے رسالت کے اثبات کے لیے ان سے دلیل اور آیت (معجزہ) طلب کریں: ﴿قَالَ إِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِآيَةٍ فَأْتِ بِهَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ﴾ [2] "فرعون نے کہا اگر تم سچے ہو اور کوئی نشانی لیکر آئے ہو تو اسے پیش کرو۔ "بیّنہ: لغت میں "بیّن" و "بَانَ" ظاہر ہونے اور انکشاف کے معنی میں ہے۔ راہنمائی اور واضح دلالت کو خواہ حسی ہو یا عقلی "بیّنہ" کا نام دیتے ہیں۔

---

[1] ۔آل عمران (۳) آیت ۴۹ ۔

[2] ۔ اعراف (۷) آیت ۱۰۶۔

﴿قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ﴾[1]" میں تیرے ربّ کی طرف سے واضح دلیل لے کر تیرے پاس آیا ہوں۔"**برہان:** حجت اور دلیل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُبِينًا﴾[2]

"لوگو! تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس واضح دلیل آگئی ہے اور ہم نے تمہاری طرف روشن نور نازل کیا ہے۔"

سلطان: "سلط "اور "تسلط " لغت میں قوت، طاقت، تمکّن اور حجت کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ دلیل کو اس وجہ سے سلطان کہا جاتا ہے کہ وہ افکار اور دماغ پر غلبہ پالیتی ہے۔

﴿وَمَا كَانَ لَنَا أَنْ نَأْتِيَكُمْ بِسُلْطَانٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللهِ...﴾[3]

"اور ہمارے اختیار میں نہیں کہ ہم تمہارے سامنے کوئی دلیل، (معجزہ) اذن خدا کے بغیر پیش کریں۔"**بصیرہ:** "بصر "اور" بصیر " لغت میں روشنی، روشن اور باطنی ادراک کے معنی میں ہے۔ انبیاء علیہم السلام اپنے کلام کی صداقت کے لیے جن نشانیوں کو پیش کرتے تھے وہ لوگوں کی بصیرت اور باطنی آگاہی کا باعث بنتی تھیں۔ ﴿قَدْ جَاءَكُمْ بَصَائِرُ مِنْ رَبِّكُمْ﴾[4]" تمہارے رب کی طرف تمہارے پاس بصیرت افروز دلائل آگئے ہیں۔"

---

[1]۔اعراف (۷) آیت ۱۰۵۔

[2]۔ نساء (۴) آیت ۱۷۴۔

[3]۔ ابراہیم (۱۴) آیت ۱۱۔

[4]۔ انعام (۶) آیت 104۔

قرآن کریم اور تحدی

تاریخ کے متواتر حقائق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ساتویں صدی عیسوی کی ابتدا میں حضرت محمد بن عبداللہ ﷺ نے چالیس سال کی عمر مبارک میں نبوت کا اظہار کیااور قرآن کو اپنے اوپر نازل کی گئی وحی کے طورپر بتدریج تقریبا ۲۳ سال کے دورانیے میں لوگوں کے سامنے پیش کیا [1] جو آج ایک ارب مسلمانوں کے پاس موجود ہے۔قرآن خود کو پیغمبر خاتم کے لیے واضح آیت اور بیّن معجزہ شمار کرتا ہے: ﴿وَقَالُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَاتٌ مِنْ رَبِّهِ قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِنْدَ اللهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُبِينٌ أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَى عَلَيْهِمْ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَرَحْمَةً وَ ذِكْرَى لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾ [2]

"اور لوگ کہتے ہیں اس شخص پر اس کے رب کی طرف نشانیاں کیوں نہیں اتاری گئیں ؟ کہہ دیجئے نشانیاں تو بس اللہ کے پاس ہیں اور میں تو صرف واضح طور پر تنبیہ کرنے والا ہوں۔ کیا ان کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ پر کتاب نازل کی ہے جو انہیں سنائی جاتی ہے ایمان لانے والوں کے لیے یقیناً اس میں رحمت اور نصیحت ہے۔ "

عظیم مفسر طبرسیؒ کہتے ہیں: " یہ آیت واضح طور پر دلالت کر رہی ہے کہ قرآن مجید معجزہ ہونے کے لحاظ سے کافی بلکہ اعجاز کے اعلی درجے پر فائز ہے کیونکہ خدا نے اُسے تمام دیگر معجزات سے بے نیاز کرنے والا قرار دیا ہے۔ چاہے کفایت کا معنی یہ ہو کہ ایسے مرتبے کا حصول جس کے بعد اس کے علاوہ کسی اور کی طرف حاجت نہ رہے۔ " [3]

---

[1] ۔ رجوع کریں: المغنی ج ۱۶ ص ۱۵۲، ۱۶۷۔

[2] ۔ عنکبوت (۲۹) آیت ۵۰۔ ۵۱

[3] ۔ مجمع البیان ج ۷، ۸ مذکورہ بالا آیت کے ذیل میں ۔

قرآن نے اس پر ہی اکتفاء نہیں کیا بلکہ اپنے مخالفین اور دنیا کے تمام لوگوں سے کہا ہے کہ اگر انہیں اس کے الٰہی ہونے میں شک ہے تو اپنی تمام تر فکری، معنوی اور مادی طاقتوں کو جمع کرکے ایک دوسرے کی مدد سے اس جیسا اور اس کی مثل لے آئیں۔ اس حقیقت کو مسلمان متکلمین تحدی (گفتگو، مقابلہ اور معارضہ کی دعوت دینا) کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ [1]

﴿أَمْ يَقُولُونَ تَقَوَّلَهُ بَلْ لَا يُؤْمِنُونَ فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِثْلِهِ إِنْ كَانُوا صَادِقِينَ﴾ [2]

"کیا یہ لوگ کہتے ہیں اس (قرآن) کو اس نے خود گھڑ لیا ہے؟ (نہیں) بلکہ یہ ایمان نہیں لائے پس اگر یہ سچے ہیں تو اس جیسا کلام بنالائیں۔"

﴿أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِثْلِهِ مُفْتَرَيَاتٍ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِنْ دُونِ اللهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ فَإِنْ لَمْ يَسْتَجِيبُوا لَكُمْ فَاعْلَمُوا أَنَّمَا أُنْزِلَ بِعِلْمِ اللهِ وَأَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَهَلْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾ [3] یہ کہتے ہیں کہ اس نے (قرآن کو) خود بنایا ہے؟ کہہ دیجئے اگر تم سچے ہو تو اس جیسی خود ساختہ دس سورتیں بنالاؤ اور اللہ کے سوا جس جس کو بلا سکتے ہو بلالاؤ پھر اگر وہ تمہاری مدد کو نہ پہنچیں تو جان لو کہ یہ اللہ کے علم سے نازل ہوا ہے اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے کیا تم اس بات کو تسلیم کرنے والے ہو؟ ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلَى عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِنْ مِثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِنْ دُونِ اللهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ﴾ [4] "اور اگر تم لوگوں کو اس (کتاب) کے بارے میں شبہ ہو جو ہم

---

[1] ۔ المغنی ج ۱۶ ص ۲۳۶۔

[2] ۔ طور (۵۲) آیت ۳۳۔۳۴۔

[3] ۔ ہود (۱۱) آیت ۱۳۔۱۴۔

[4] ۔ بقرہ (۲) آیت ۲۳۔۲۴۔

نے اپنے بندے پر نازل کی ہے تو اس جیسا کوئی سورہ بنا لاؤ اور اللہ کے علاوہ اپنے حامیوں کو بھی بلالو اگر تم سچے ہو اور اگر تم ایسا نہ کر سکو اور ہر گز نہ کر سکو گے تو اس آتش سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں یہ آگ کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔"

﴿قُلْ فَأْتُوا بِكِتَابٍ مِنْ عِنْدِ اللهِ هُوَ أَهْدَى مِنْهُمَا أَتَّبِعْهُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ فَإِنْ لَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّمَا يَتَّبِعُونَ أَهْوَاءَهُمْ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِنَ اللهِ إِنَّ اللهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾ [1]

"کہہ دیجئے: پس اگر تم سچے ہو تو تم بھی اللہ کی طرف سے کوئی ایسی کتاب لے آؤ جو ان دونوں سے زیادہ ہدایت بخش ہو، میں اس کا اتباع کروں گا۔ پس اگر وہ آپ کی یہ بات نہیں مانتے تو آپ سمجھ لیں کہ یہ لوگ بس اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں اور اللہ کی طرف سے کسی ہدایت کے بغیر اپنی خواہشات کی پیروی کرنیوالے سے بڑھ کر گمراہ کون ہوگا؟ اللہ ظالموں کو یقینا ہدایت نہیں کرتا۔"

عاقلانہ دعوت

تحدی (چیلنج) پر مشتمل آیات، آنحضرتؐ کی مشکلات سے بھرپور مکی زندگی کے دوران اور مسلمانوں کی کمی کے باوجود، نزول قرآن کی ابتدا ہی میں مخالفین کے سامنے پیش کی جانے لگیں اور رسول خداﷺ و مسلمانوں کی حکومت واقتدار کے زمانے تک پیش کی جاتی رہیں۔ ان آیات میں تدبر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیات، ان تمام لوگوں کے لیے جو قرآن کے الٰہی اور حضرت محمدﷺ کے پیغمبر ہونے کے حوالے سے بدگمان ہیں۔ ایک ثقافتی، عاقلانہ اور عادلانہ دعوت پر مشتمل ہیں۔ اس دعوت میں مکرر طور پر اور استوار طریقے سے زیادہ چھوٹ دے کر اور مخالفین کو تمام تر سہولیات سے استفادہ کرنے کے لیے کہا گیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ دعوت مخالفین کے حوالے سے لطف و مہربانی کے اعلی ترین مرتبہ کو شامل ہے۔ ان آیات میں شک

---

[1] ۔ قصص (۲۸) آیت ۴۹ ۔ ۵۰۔

ڈالنے والوں سے کہا گیا ہے کہ اگر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن، حضرت محمد ﷺ کی ذاتی فکر کا نتیجہ ہے تو چونکہ وہ خود بھی بشر ہیں اس کام میں اپنی ہمت بڑھائیں اور پورے قرآن یا دس سورتوں یا ایک سطری سورتوں کی طرح کی ایک سورہ یعنی قرآن کے سات ہزارویں حصے کے برابر اس جیسا لانے کی کوشش کریں۔

گفت: اگر آسان نماید این به تو این چنین آسان یک سوره بگو!

اگرچہ ہمارے لیے تمام آیات تحدی کی ترتیب نزول کی کیفیت، جزئیات اور تقدم وتاخر پر قطعی دلیل کا حصول مشکل ہے لیکن اہم نکتہ یہ ہے کہ مندرجہ ذیل تین چیزوں میں سے کسی ایک کا پیش کرنا قرآن کے بشری ہونے کی دلیل بن سکتا ہے۔ وہ تین امور یہ ہیں:

۱۔ پورے قرآن کا مثل لانا۔

۲۔ قرآنی سورتوں کی مانند دس سورتوں کا لانا۔

۳۔ یا ایک سورہ کا علی البدل کے عنوان سے پیش کرنا۔

اگر مخالفین اور شبہ ایجاد کرنے والے یہ کام انجام نہ دیں سکیں تو قرآن کو خدا کا کلام تسلیم کرنے پر مجبور ہیں۔

قرآن کی تحدی کی حدود

قرآن کس حد تک معجزہ ہے؟ سب سے کم ترین مقدار کیا ہے جس کے ذریعے مخالفین کو چیلنج کیا گیا ہے اور ان سے کہا گیا ہے کہ اس جیسا لے آئیں؟ جو آیات پیش کی گئی ہیں وہ خود ہی اس سوال کا جواب ہیں کہ ان آیات میں لفظ "سورہ" استعمال کیا گیا ہے جو قرآن کی اصطلاح میں معین آیات کا مجموعہ ہے جس کی ابتدا بسم اللہ سے ہوتی ہے۔ معتزلی متکلمین ان آیات سے استفادہ کرتے ہوئے قرآن کے تمام اجزاء کو معجزہ تصور کرتے ہیں اور ان آیات کو معجزہ کی مقدار کی تعیین نہیں سمجھتے اور کہتے ہیں: ﴿فاتوا بسورة من مثله﴾؛[1] کا مفہوم یہ ہے کہ خدا نے مخالفین سے چاہا ہے کہ اگر وہ قرآن کے الٰہی ہونے

---

[1]۔ بقرہ (۲) آیت ۲۳۔

میں شک رکھتے ہیں تو ایک سورہ ہی اس جیسی بنا کر لے آئیں۔ ان کے عقیدہ کے مطابق اعجاز قرآن کی وجہ، بلاغت ہے اور یہ بلاغت تمام آیات قرآنی میں پوشیدہ ہے۔ پس قرآن کی تحدی کی مقدار معین نہیں ہے۔ یہ نظریہ ایک پیشگی مفروضے پر مبنی ہے کہ قرآن کا معجزہ صرف بلاغت میں منحصر ہے کہ جس پر کئی اہم اعتراضات ہیں۔ اس نظریے کے غلط نتائج کہ جن کی طرف ہم بعد میں اشارہ کریں گے، کے علاوہ تحدی کی آیات میں موجود "سورہ" کا عنوان ایک حکمت پر مبنی ہے کہ جس پر توجہ کرنا ضروری ہے۔ تمام اسلامی فرقے اس مقام پر آپس میں متفق ہیں کہ قرآنی کلمات کی ترتیب، آیات کو تشکیل دیتی ہے جو وحی کے سائے میں اور بعض حکمتوں کی بنیاد پر ہے اور ہر کلمہ اپنے مقام پر اہمیت رکھتا ہے۔ بنابریں اگر تحدی کی بعض آیات میں مخالفین سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ اگر قرآن کو انسان کی ایجاد سمجھتے ہیں تو قرآنی سورتوں جیسی ایک سورہ بنالائیں تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآنی آیات کا حد نصاب، قرآنی اصطلاح میں وہی سورہ ہے۔ اس سے کم نہیں، خواہ یہ سورہ بڑی ہو یا چھوٹی جیسے ایک مکمل عمارت اپنے تمام تر اجزاء کیساتھ ایک خاص مقصد کا پتہ دیتی ہے اپنے بیرونی دروازے سے لیکر اپنے مواد اور آخری نقطے تک کو شامل ہوتی ہے اور ایک خاص پیغام اور مقصد کی علامت ہوتی ہے۔ بنابریں اگر کوئی ایک یا چند چھوٹے، ادبی اور فصیح جملے بنالے تب بھی اس نے کسی قیمت پر قرآن کے چیلنج کا جواب نہیں دیا اور قرآن کے مطلوبہ حد نصاب کو پورا نہیں کیا۔

سلیم الفکر اسلامی دانشور شیخ طوسیؒ کی کتاب "تمہید الاصول" میں درج عبادت اسی معنی کی تائید کر رہی ہے کہ قرآن کی سب سے چھوٹی سورہ تین آیات پر مشتمل ہے۔ خدا نے مخالفین سے مطالبہ کیا ہے کہ قرآن جیسی ایک سورہ لے آئیں اور وہ اس سے بھی عاجز ہو گئے۔[1]

کتاب "البیان فی تفسیر القرآن" کے مقدمے میں درج ہے:

"قرآن، بلاغت اور اسلوب میں معجزہ ہے نہ کہ قرآن کے کلمات میں سے ہر کلمہ... ایک قرآنی سورہ بنانے میں بشر کی ناتوانی اور عاجزی اور ایک قرآنی آیت جیسی یا آیت کے حد نصاب

---

[1] ۔ تمہید الاصول، ص ۳۳۴، شیعہ انسائیکلوپیڈیا سے منقول، ج ۲، ص ۲۶۶۔

تک کی ایک آیت بنانے کی قدرت کے درمیان کوئی منافات نہیں اور یہ ایک ممکن کام ہے۔ مسلمانوں میں سے کوئی بھی اس امر کے محال ہونے کا دعویدار نہیں ہے اور قرآن نے بھی اپنے مخالفین کو مقابلے کے چیلنج میں قرآن جیسی ایک آیت لانے کی دعوت نہیں دی ہے۔"[1]

بولتا معجزہ اور دائمی چیلنج

اعجاز قرآن اور اس کے چیلنج کی جہات میں سے ایک اس کی زمانی اور مکانی حدود ہیں۔ گذشتہ انبیاء علیہم السلام اور قرآن کے علاوہ پیغمبر اکرم ﷺ کے دیگر تمام معجزات ایک خاص عصر وزمانے کیساتھ مخصوص تھے۔ اس قسم کے معجزات دوسرے لوگوں کے لیے نہ مسموع واقع ہونگے نہ ملموس۔ کیا قرآن کا معجزاتی عمل اور اس کی دعوت فکر اور اسکا چیلنج پیغمبر خدا ﷺ کی زندگی کے زمانے کیساتھ خاص ہے یا اس کا معجزہ اور تحدی رسول خدا ﷺ کی زندگی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ قیامت تک برقرار ہے؟

معجزہ کے بارے میں "نظریہ صرفہ" کے قائلین بعض اسلامی متکلمین کی رائے ہے کہ یہ تحدی اور اعجاز، زمانہ پیغمبر ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے یعنی حضور کی رسالت کے زمانے میں قرآن کی برابری کرنے کی ہمت کسی میں نہ تھی اور نہ ہی اس جیسا کلام کوئی پیش کر سکتا تھا۔ اس گروہ کی رائے کے مطابق اسلام سے پہلے اور بعد میں آنیوالے عرب فصحاء کے اقوال میں ایسی مثالیں پائی جاتی ہیں جو قرآن کے مشابہ ہیں مگر یہ بات زمانہ پیغمبر ﷺ میں مسلّمہ قرآنی اعجاز اور تحدی کی اہمیت کو کم نہیں کرتا۔[2] اس نظریہ کا سبب وہ خاص جہت ہے جو وہ اعجاز قرآن کے بارے میں رکھتے تھے جس کی طرف ہم بعد میں اشارہ کریں گے۔ مسلمان دانشوروں کی اکثریت نے اس نظریہ کو تسلیم نہیں کیا اور اسے تنقیدی اور منفی نگاہ سے دیکھا ہے۔

---

[1] ۔ البیان فی تفسیر القرآن مقدمہ۔

[2] ۔ عائشہ بنت الشاطی، العجز البیانی ص ۶۵۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ خود تحدی کی آیات میں یہ موضوع صراحت اور تاکید کیساتھ آیا ہے کہ قرآن تحدی اور چیلنج کے علاوہ اس کام کو انجام دینے کے سلسلے میں ان سب کی عاجزی اور ناتوانی کی خبر بھی دے رہا ہے۔

﴿قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَذَا الْقُرْآنِ لا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا﴾ [1]

"کہہ دیجئے! اگر انسان اور جن سب مل کر اس قرآن کی مثل لانے کی کوشش کریں تو وہ اس کی مثل لا نہیں سکیں گے اگرچہ وہ ایک دوسرے کا ہاتھ بٹائیں۔"

یہ آیت ایک طرف قیامت تک آنے والے تمام لوگوں کو دعوت عام دے رہی ہے اور دوسری طرف انتہائی محکم انداز میں کہہ رہی ہے کہ وہ ہر گز اس کام میں کامیاب نہ ہو سکیں گے۔ اس طرح یہ آیت اپنے اس بیان کے ذریعے قرآن کے الٰہی رابطے کو ثابت کر رہی ہے۔ بنابریں قرآنی اعجاز کی جاودانگی اور ہمیشہ باقی رہنے کے راز کا یہ ہے کہ قرآن ایک طرف دیگر معجزات کی نسبت گفتگو، علم اور ثقافت کے کی صنف سے ہے اور ایسی اشیاء میں سے ہے جو حواس کے بجائے عقل، ذہن، روح اور فطرت سے سروکار رکھتی ہیں۔

دوسری جانب یہ کلام، رحیم، عالم اور کائنات کے تمام امور کا احاطہ کرنے والے خدا کی تخلیق ہے لہٰذا اس میں کسی قسم کا خلل اور نقص نہیں ڈالا جا سکتا اور نہ کوئی اس پر اثر انداز ہو سکتا ہے اور یہ اپنی جاودانگی کا ضامن ہے۔

﴿وَقَالُوا يَا أَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ لَوْ مَا تَأْتِينَا بِالْمَلائِكَةِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ مَا نُنَزِّلُ الْمَلائِكَةَ إِلا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوا إِذًا مُنْظَرِينَ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ [2]

---

[1] ۔ بنی اسرائیل (۱۷) آیت ۸۸۔

[2] ۔ حجر (۱۵) آیت ۶۔ ۹ ۔

"اور (کافرلوگ) کہتے ہیں: اے وہ شخص جس پر ذکر نازل کیا گیا ہے یقیناً تو مجنون ہے۔ اگر تو سچا ہے تو ہمارے سامنے فرشتوں کو کیوں نہیں لاتا؟ (کہہ دیجئے) ہم فرشتوں کو صرف (فیصلہ کن) حق کے ساتھ ہی نازل کرتے ہیں اور پھر کافروں کو مہلت نہیں دیتے۔ اس ذکر کو یقینا ہم ہی نے اتارا ہے اور ہم اس کے محافظ ہیں۔"

یہ آیات مکی ہیں اور دو حصوں پر مشتمل ہیں: پہلا حصہ شک وتردید کرنے والوں کے شبہات کو بیان کر رہا ہے کہ وہ قرآن کے آسمانی ہونے کی نفی اور اسے حضرت محمد ﷺ کی فکر کا نتیجہ قرار دیتے تھے اور دوسرا حصہ ان کے نظریہ کو باطل کرنے کے ساتھ ساتھ تاریخ بشریت میں قرآن کی جاودانگی کی خبر دے رہا ہے۔

آن کتاب زنده، قرآن حکیم حکمت او لایزال است و قدیم
حرف او را ریب نی، تبدیل نی آیه اش، شرمنده تاویل نی[1]

اس طرح کا بیان دوسرے الفاظ میں سورہ حم سجدہ میں نازل ہوا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَاءَهُمْ وَإِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ لَّا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ﴾[2]

"یقیناً وہ لوگ اس ذکر کا انکار کرتے ہیں جب وہ ان کے پاس آجائے حالانکہ یہ معزز کتاب ہے۔ باطل نہ اس کے سامنے سے آسکتا ہے اور نہ پیچھے سے۔ یہ حکمت والے اور لائق ستائش کی نازل کردہ ہے۔

اس آیت کے مطابق قرآن کسی قسم کے نفوذ کو قبول نہیں کرتا ہے۔ لفظ "عزیز" جسے قرآن کی صفت کا نام دیا گیا ہے صراحت کے ساتھ بیان کر رہی ہے کہ قرآن ناقابل شکست ہے۔ اسی طرح باطل (تباہ ہونا) کی نفی کی تعبیر، تاریخ میں قرآن کی بقاء اور ثبات کی بخوبی گواہ ہے۔

---

[1] ۔ علامہ محمد اقبالؒ۔

[2] ۔ حم سجدہ (۴۱) آیت ۴۱ ۴۲۔

"من بین یدیه ولا من خلفه" یعنی نہ سامنے سے نہ پیچھے سے، نہ ابھی، نہ آئندہ کی عبارت بھی مکمل نفی کی دلیل ہے یعنی یہ الٰہی کتاب کسی طرح سے بھی کسی قسم کی تباہی، زوال اور شکست کو قبول نہیں کرتی۔ آیت کا آخری جملہ "تنزیل من حکیم حمید" ہر قسم کی تحریف کی نفی کر رہا ہے۔ یعنی قرآن اس وجہ سے تحریفات اور آفتوں سے محفوظ ہے کہ خدائے حکیم اور لائق ستائش کا کلام ہے۔ فعل الٰہی میں یہ ہنر اور خاصیت پائی جاتی ہے کہ اس میں کسی قسم کا خلل واقع نہیں ہوتا ہے اور یہی اعجاز قرآن کا راز اور اس کی اساس ہے۔ یعنی قرآن کا متن، مضمون اور اس کا ڈھانچہ علم الٰہی سے وابستہ، فکر بشری سے بالاتر اور نا قابل تبدیل ہونے کی خاصیت رکھتا ہے۔

مصطفی را وعده کرد الطاف حق گربمیری تو نمیرد این سَبَق
من کتاب و معجزه ات و را رافعم بیش و کم کن راز قرآن مانعم
هست قرآن مر تورا همچون عصا کفرها درکشد چون اژدها[1]

اسی وجہ سے اکثر مسلمان دانشوروں کی رائے یہ ہے کہ نہ تو کوئی پیغمبر کی بعثت و رسالت کے زمانے میں قرآن کی برابری اور اس جیسا کلام پیش کرنے کی قدرت اور طاقت رکھتا تھا اور نہ ہی ان کی وفات کے بعد اور تحدی کی یہ دعوت خود قرآن کے اعجاز اور اس کی خصوصیات پر مبنی ہونے کیساتھ ساتھ روز قیامت تک جاری رہے گی۔ قرآن، پیغمبر خاتم ﷺ کی نبوت کی آیت، شریعت اسلام کی نشانی، بشریت کے لیے اتمام حجت اور حق کے اثبات کا گواہ ہے۔

قرآن کی مثل لانے میں بشر کی عاجزی

قابل غور سوال یہ ہے کہ قرآن کی جانب سے مثل لانے کا متعدد بار کیا جانیوالا مطالبہ ہمیشہ لاجواب کیوں رہا؟ اور خود قرآن نے بھی مخالفین کی اس دیرینہ آرزو کے پورا نہ ہونے کی واضح خبر دی ہے۔ در حقیقت اس امر کا راز کیا ہے؟ کیا اس کتاب اور آئین کا مذاق اڑانے والوں اور مخالفین کے پاس قرآن کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں تھی یا اس اہم کام کو انجام دینے کی سکت نہیں

---

[1] ۔ مولوی۔

تھی ؟حقیقت تو یہ ہے کہ قرآن کے دشمنوں کو قرآن کے چیلنج کا جواب دینے کا بہت شوق تھا؛ کیونکہ اس عظیم اور اعلیٰ کتاب نے ان کے بڑوں پر تنقید کی اور ان کی ناشائستہ طرز زندگی اور غیر عاقلانہ عقائد کی مذمت کی تھی۔ دوسری طرف یہ متعصب اور جنگ جُو قسم کے لوگ تھے اور ان کے درمیان ادیب اور کامیاب خطیبوں کی بھی کمی نہیں تھی۔ چنانچہ قوم کے سادہ لوح افراد نے قرآن کو سنجیدہ نہ لیا اور کہا:

﴿وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا قَالُوا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هَٰذَا إِنْ هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ﴾[1]

اور جب انہیں ہماری آیات سنائی جاتی ہیں تو کہتے ہیں: ہم نے سن لیا ہے اگر ہم چاہیں تو ایسی باتیں بنا سکتے ہیں یہ تو وہی داستان ہائے پارینہ ہیں۔ مگر ان کے بزرگ اور تجربہ کار افراد اپنی دماغی کھلبلی اور پریشانی کو کسی طرح سے چھپا نہ سکے۔ انہوں نے ہر قسم کا اقدام کیا اور ہر وسیلے سے مدد حاصل کی تاکہ روح کو تازگی بخشنے والی قرآن کی آواز، لوگوں کی زبانوں سے جاری نہ ہو۔

﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ﴾[2]

اور جو لوگ کافر ہو گئے ہیں وہ کہتے ہیں: اس قرآن کو نہ سنا کرو اور شور مچا دیا کرو تاکہ تم غالب آ جاؤ۔

یہ کوششیں ، یلغار اور خونی جنگیں وغیرہ سب اس وجہ سے تھیں کہ وہ خود اپنے آپ کو نورِ قرآن کی چمک کے سامنے عاجز پاتے تھے۔

صرفہ، ایک غلط نظریہ

گذشتہ بحث کی روشنی میں واضح ہو گیا کہ اعجاز قرآنی کے بارے میں نظریہ "صرفہ" ایک نادرست رائے ہے۔ "صرف" اور "صرفہ" کا معنی روکنا اور واپس لوٹانا ہے اور اس کا اصطلاحی مفہوم "قوت اور ارادہ کا سلب کرنا" ہے۔ اس نظریے کی بناء پر اعجاز قرآنی کا راز قرآن میں نہیں

---

[1] ۔ انفال (۸) آیت ۳۱۔

[2] ۔ حم سجدہ (۴۱) آیت ۲۶۔

بلکہ یہ ہے کہ خدا قرآن کی برابری کرنے والوں سے قوت اور ارادہ سلب کر لیتا ہے اور اسی وجہ سے وہ قرآن کی مثل لانے سے عاجز ہو جاتے ہیں۔

کتاب "الطراز فی اسرار البلاغه و علوم حقائق الاعجاز" کے مولف یحییٰ بن حمزہ علوی (۷۴۹ھ) سے منقول ہے کہ نظریہ صرفہ کی تین تفسیریں ہیں۔

الف: قرآن کا مقابلہ کرنے کی قوت اور ارادہ کا سلب کر لینا۔

ب: قرآن کی مثل لانے کے لیے وافر علوم وآگاہی کا فقدان۔

چاہے ہم اس بات کے معتقد ہو جائیں کہ بنیادی طور پر یہ علوم اس وقت نوع بشر کے لیے میسر نہ تھے اور خدا نے ان کو ان علوم کی تحصیل سے محروم رکھا یا قائل ہو جائیں کہ یہ علوم موجود تھے لیکن قرآن کا مقابلہ کرتے وقت ان کے وجود سے محو اور ختم ہو گئے۔

ج: قرآن کا مقابلہ کرنے کی قوت پائی جاتی تھی اور اس مقصد کے تحقق کے لیے کافی علم وآگاہی بھی تھی لیکن انجام دینے کے مرحلہ میں خدا نے اپنی قدرت سے انکا رخ پھیر دیا اور انکے ارادے کمزور کر دیا۔

معتزلیوں کے پیشوا ابو اسحاق نظام (۲۳۱ھ) اور "معتزلہ کے راہب" کے لقب سے معروف اور اس نظریہ کے بانی عیسی بن صبیح مزدار کے نزدیک صرفہ سے مراد دشمنوں کے ارادہ اور قوت کو سلب کرنا اور قرآن کا مقابلہ کرنے والوں کو قدرت الٰہی کے ذریعے کمزور کر دینا ہے۔

معتزلی مسلک کے عظیم زبان شناس جاحظ (۲۵۵ھ) اور اشعری مسلک کے متکلم اور شافعی مذہب کے اصولی ابو اسحاق اسفرائینی (۴۸۸ھ) اور ابن حزم اندلسی ظاہری (۴۵۶ھ) بھی اسی نظریے کی طرف تمایل رکھتے تھے جیسا کہ ابو الحسن اشعری (۳۳۰ھ) اور سید شریف جرجانی نے نظّام کے کلام سے اسی قسم کے مفہوم کا اظہار کیا ہے۔[1]

اسی طرح معلوم ہوتا ہے کہ سید مرتضی کا نظریہ صرفہ بھی اسی دوسری تفسیر کے مطابق

---

[1]۔ الفصل فی الملل الاہواء والنحل، ج ۲، ص ۲۱۱۔

ہے یعنی قرآن کے مقابلے کے لیے بشریت کے درمیان وافر علم و دانش کا فقدان ہے۔ جیسا کہ ابن میثم بحرانی (۶۹۹ھ) اور تفتازانی نے اسے قبول کیا ہے اور معاصرین میں سے رافعی اور شہرستانی نے بھی اسی کی تصریح کی ہے۔ [1]

قائلین صرفہ کی دلیل

نظّام معتزلی کا عقیدہ تھا کہ خدا نے قرآن کو نبوت کی دلیل قرار نہیں دیا بلکہ اسے باقی تمام آسمانی کتابوں کی طرح حلال و حرام کے بیان کے لیے نازل کیا ہے اور قرآن کریم کے ساتھ عربوں کے نظریاتی مقابلہ نہ کرنے کی دلیل یہ ہے کہ خدا نے انہیں اس کام سے باز رکھا ہے وگرنہ وہ خود نظم ونثر گوئی کے بہترین زمانے سے تعلق رکھتے تھے اور اسی وجہ سے اظہار کیا کرتے تھے کہ "لونشاء لقلنا لمثل هذا"

ابن حزم کا دعویٰ تھا کہ تمام قرآنی عبارات ایک سطح کی نہیں ہیں اور کبھی مختلف افراد کے اقوال کو بیان کرتا ہے۔ پس متن قرآن، کلام عرب کی طرح ہے اور قرآن کا ناقابل معارضہ ہونا خدا کی طرف سے منع اور اس کے خارجی جبر کی وجہ سے ہے۔ سید مرتضی اور ان کے اصحاب کی طرف نسبت دی گئی ہے کہ عربوں کے پاس {الحمد الله}؛ {رب العالمين}؛ اور ان جیسی تراکیب موجود تھی جس کے نتیجے میں مقابلے کی طاقت اور بڑے جملوں کو بنانے کی قدرت رکھتے تھے اور مزید یہ کہ خود قرآن بھی کہہ رہا ہے:

﴿سَأَصْرِفُ عَنْ آيَاتِيَ الَّذِينَ يَتَكَبَّرُونَ فِي الأَرْضِ﴾ [2]

"میں انہیں اپنی آیات سے دور رکھوں گا جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں۔"

اس کلام کا مطلب یہ ہے کہ ہم لوگوں کو قرآن کا مقابلہ کرنے سے باز رکھتے ہیں۔

---

[1]۔ رجوع کریں: شرح مواقف جرجانی، ج ۳، ص ۱۱۲؛ الحیوان جاحظ، ج ۴، ص ۳۱؛ مقالات اسلامی، ص ۲۹۶، اعجاز القرآن رافعی، ص ۱۴۴؛ المعجزۃ الخالدۃ، شہرستانی، ص ۹۷۔

[2]۔ اعراف (۷) ۱۴۶۔

نظریہ صرفہ کا تنقیدی جائزہ

اس نظریہ پر بہت زیادہ اعتراضات اٹھائے گئے ہیں اور اس بارے میں متعدد کتابیں بھی تحریر کی گئیں۔ [1]

(الف) دعویٰ

اعجاز قرآن کو "صرفہ" قرار دینا، آیات تحدی کے مخالف ہے جو قرآن کو کلام خدا ہونے کے لحاظ سے ایسی خصوصیات کا حامل قرار دیتی ہیں جو بشر کے تفکر کے نتیجے میں سامنے آنے والے کسی بھی کلام سے برتر ہیں:

﴿قُلْ فَأْتُوا بِكِتَابٍ مِنْ عِنْدِ اللهِ هُوَ أَهْدَى مِنْهُمَا أَتَّبِعْهُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ [2]

"کہہ دیجئے: پس اگر تم سچے ہو تو تم بھی اللہ کی طرف سے کوئی ایسی کتاب لے آؤ جو ان دونوں سے زیادہ ہدایت بخش ہو، میں اس کا اتباع کروں گا۔"

علاوہ برایں اگر اعجاز قرآن انسان کی طاقت اور ارادہ کے سلب ہونے سے مربوط ہو تو قرآن کے لیے کسی قسم کی فضیلت شمار نہیں ہوتی اور قرآن کی تحدی بے مقصد ہو گی۔ بالکل ایسے ہی جیسے کوئی دوسرے شخص کے ہاتھ باندھ دے اور پھر اسی حالت میں اپنے دفاع اور مقابلے کی دعوت دے۔ ظاہر ہے ایسا مقابلہ فضول ہے اور یہ بھی واضح ہے کہ قرآن پر ایمان رکھنے والا کوئی شخص خدائے حکیم کی طرف سے قرآن کی تحدی کی دعوت کو ایک لغو امر نہیں قرار دے سکتا۔

ب) نظریہ صرفہ کے دلائل

اول: قرآن، دلیل نبوت شمار نہیں ہوتا اور باقی دیگر آسمانی کتابوں کی طرح صرف احکام

---

[1] ۔ رجوع کریں: اکفار المتاوّلین، ابوبکر باقلانی؛ اعجاز القرآن ،صادق ،رافعی التمہید فی علوم القرآن، ج ۴۔

[2] ۔ قصص (۲۸) آیت ۴۹۔

اور شریعت کی تشریح کے لیے نازل ہوا ہے۔ یہ بات قرآن کی نص کے مخالف ہے۔ قرآن خود کو کافروں کی معجزہ طلبی کے جواب میں پیغمبر خاتم ﷺ کی رسالت کا برہان اور آیت کے عنوان سے پیش کرتا ہے:

﴿وَقَالُوا لَوْلا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَاتٌ مِنْ رَبِّهِ ..... أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَى عَلَيْهِمْ.....﴾[1]

"اور لوگ کہتے ہیں: اس شخص پر اس کے رب کی طرف سے نشانیاں کیوں نہیں اتاری گئیں.... کیا یہ ان کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ پر کتاب نازل کی ہے جو انہیں سنائی جاتی ہے.....؟"

یہی وجہ ہے کہ تمام اسلامی فرقے، قرآن کو تمام معجزات کا سردار اور تمام انبیاء علیہم السلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے سارے معجزات سے برتر جانتے ہیں۔

دوم: اعراب کہتے تھے کہ اگر ہم چاہیں تو ہم قرآن کی مثل لا سکتے ہیں (انفال آیت ۳۱) یہ ان کے خیالی پن اور ناقص اور ناپختہ باتوں کی وجہ سے تھا اور تاریخ کسی قسم کی ایسی کوئی خبر نہیں دیتی کہ وہ اپنی اس آرزو میں کامیاب ہوئے ہوں۔ یقیناً اگر یہ فکر انکے لیے قابل تحقق ہوتی تو ان کے لیے دولت وثروت خرچ کرنے اور جان دینے سے زیادہ آسان تھا اور اس بات کے برعکس ان کے ولید بن مغیرہ جیسے مفکرین اور ادیبوں کا اعتراف یہ تھا:

«واللہ لقد سمعت من محمد کلاماً ما ہو من کلام الانس ولا من کلام الجن وانّ لہ حلاوۃ وانّ اعلاہ لمثمر وان اسفلہ لمغدق وانہ لیعلوا ولا یعلی علیہ»[2]

سوم: کہا گیا ہے کہ ساری قرآنی آیات ایک سطح اور ایک درجے کی نہیں ہیں۔ اس کا مطلب کیا ہے؟ کیا بعض آیات فصاحت و بلاغت کے حد نصاب تک نہیں پہنچتی؟ ایسی کوئی بات

---

[1] ۔ عنکبوت ۲۹، آیت ۵۰ ۔ ۵۱۔

[2] ۔ تفسیر طبری، ج ۲، ص ۹۸۔

نہیں کیونکہ آیات قرآنی اپنے مقام وقوع کے لحاظ سے سب فصاحت و بلاغت کی لازمی حد پر مشتمل ہیں اور ممکن ہے بعض آیات اپنے خاص مقام نزول اور مخاطب اور مضمون کے لحاظ سے دوسری آیات سے بہت سے بلند مقام رکھتی ہوں۔اسی جگہ پر اس نکتہ پر توجہ دینا لازمی ہے کہ اگر قرآن میں دوسرے لوگوں کے اقوال نقل ہوئے ہیں تو وہ نقل بالمعنی ہیں نہ کہ کہنے والے کے خاص وہی الفاظ ہیں۔

چہارم: عربوں کے کلام میں بعض قرآنی تراکیب جیسے {الحمد اللہ}؛ وغیرہ کا پایا جانا قرآن کے چیلنج کا جواب شمار نہیں ہوتا۔ جیسا کہ پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے کہ تحدی قرآن، کم از کم ایک مکمل سورہ کا لانا ہے اور ابھی تک کوئی اس میں کامیاب نہیں ہو سکا ہے۔اور ﴿سَأَصْرِفُ عَنْ آيَاتِيَ .....﴾ ؛ کی آیت کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ خدا قرآن کے مخالفین کے ارادے کو پھیر دیتا ہے بلکہ اس آیت کا مقصد یہ ہے تکبر کرنے والے قرآنی حقائق سے فائدہ اٹھانے سے محروم اور ناکام رہیں گے۔ جیسا کہ اس طرح کا مفہوم قرآن کی دوسری مختلف آیات میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

﴿وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾ [1]

"خدا ایسے ظلم کے مرتکب ہونیوالوں کی ہدایت نہیں کرتا۔"

ج) ارادہ و قوت

ہمارے خیال کے مطابق تاریخ کے گزرے ہوئے اوراق پر نگاہ ڈالنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ صرفہ کی طرف تمایل کی وجہ یہ تھی کہ اس نظریے کے قائل حضرات نے اپنے علمی میلان "ادبیات اور قواعد زبان" کے مطابق اعجاز قرآن میں اپنی تمام تر توجہ، بیان کی بناوٹ اور ظاہری اسلوب پر مرکوز رکھی اور قرآن کی آفاقی اور محتوائی خصوصیات سے غافل رہے۔ اس وجہ سے جب وہ عربوں کے سلیس اور چھوٹے چھوٹے جملوں پر نگاہ ڈالتے تو گویا اپنے آپ کو مجبور پاتے کہ

---

[1]۔ آل عمران (۳) آیت ۸۶ ؛مائدہ(۵) ۵۱۔

قرآن کا ناقابل شکست ہونا خدا کی خارجی قدرت اور صرفہ کی وجہ سے ہے۔ جبکہ وہ اس سے غافل تھے کہ قرآن کا ظاہر اور بیان کا اسلوب اس کی خوبصورتی کے بحر بیکران میں سے ایک ہے۔ قرآن کی جاودانگی اور اس کے مقابلے میں بشر کی عاجزی کا سرچشمہ اس کے بلند ترین، فوق بشر اور محتوائی حقائق ہیں جو الفاظ کے مناسب ترین سانچے اور قالب میں ڈھالے گئے ہیں۔

ناکام کوششیں

گذشتہ مطالب کے علاوہ صرفہ کی نفی کے واضح دلائل میں سے ایک دلیل، مسلسل اور بے نتیجہ کوششیں ہیں کہ جو اعجاز قرآن کا مقابلہ کرنے کے حوالے سے انجام دی گئیں ہیں۔ پیغمبر اکرم ﷺ کی رسالت کی دعوت اور اُن کے کام کی ترقی کا واحد ذریعہ قرآن کریم تھا اور دوسری جانب پیغمبر اکرم ﷺ کے دشمن تمام حیلوں اور مادی و معنوی وسائل کو قرآن کے مقابلے کے لیے میدان میں لے آئے۔ زمانہ گزرنے کیساتھ ساتھ یہ کینے اور دشمنیاں کم نہ ہو سکیں بلکہ بہت سے لوگ مختلف بہانوں اور مقاصد کے ذریعے قرآن کی برابری کی کوشش کرتے رہے مگر کبھی بھی کامیاب نہ ہو سکے اور قرآن کا نور روز بروز بڑھتا گیا۔ تاریخ ان لوگوں کے نام ذکر کرتی ہے جیسے مسیلمہ، سجاح بنت الحارث، طلیحۃ بن خویلد، اسود کے نام سے معروف عبھلہ بن کعب، نصر بن حارث وغیرہ۔ لیکن ان کے انحرافی افکار اُن کے لیے بہت بُرے نتائج کا باعث بنے۔ اُن کے بنائے ہوئے کھوکھلے اور بے معنی جملوں کے مقابلے میں قرآن کریم کے اعلی معارف کی بلندی آشکار ہوتی ہے اور حقیقت کے متلاشی افراد کو فیصلے کے مقام پر لا کھڑا کرتی ہے۔

«الفیل ما الفیل و ما ادرك ما الفیل له ذنب و بیل و خرطوم طویل. انا اعطیناك الجماهر فصل لربّك و هاجر، انّ مبغضك رجل کافر. یاضفدع یابنت ضفدعین نقّی ما تنقّین، نصفك فی الماء و نصفك فی الطین. لاالماء تکدرین و لاالشارب تمنعین الحمد للرحمن رب الاکون، الملك الدیّان، لك العبادة، و بك المستعان، اهدنا صراط الایمان»[1]

---

[1]۔ رجوع کریں: اعجاز القرآن، رافعی نیز التمہید فی علوم القرآن ج ۲ ص ۲۲۸ سے بعد تک۔

وحی کا بے مثل ہونا

نظریہ صرفہ اور قرآن کی مثل لانے میں ارادے اور قوت کا فقدان، حقیقت کے مطابق نہیں ہے۔ للذا قرآن کے مقابلے میں بشر کی عاجزی کا راز خدا کی طرف سے انسانی ارادے میں جبری مداخلت قرار نہیں دیا جا سکتا، بلکہ اس راز کو خود قرآن کی عظمت میں تلاش کیا جانا چاہیے۔ نزول قرآن کے آغاز سے ہی آنحضرت ﷺ اپنے تمام تر وجود کے ساتھ اعتراف کر رہے ہیں کہ یہ بے مثل کتاب میری فکر اور کلام نہیں بلکہ میں فقط وحی ربانی کو بغیر کسی کمی بیشی کے پہچانے والا ہوں۔

﴿وَإِذَا تُتْلَى عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا ائْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَذَا أَوْ بَدِّلْهُ قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِي إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَى إِلَيَّ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ. قُلْ لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا تَلَوْتُهُ عَلَيْكُمْ وَلَا أَدْرَاكُمْ بِهِ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِنْ قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾[1]

"اور جب انہیں ہماری آیات کھول کر سنائی جاتی ہے تو جو لوگ ہم سے ملنے کی توقع نہیں رکھتے وہ کہتے ہیں: اس قرآن کے سوا کوئی اور قرآن لے آؤ یا اسے بدل دو۔ کہہ دیجئے: مجھے یہ اختیار نہیں ہے کہ میں اسے اپنی طرف سے بدل دوں میں تو اس وحی کا تابع ہوں جو میری طرف بھیجی جاتی ہے۔ میں اپنے رب کی نافرمانی کی صورت میں بہت بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ کہہ دیجئے اگر اللہ چاہتا تو میں یہ قرآن تمہیں پڑھ کر نہ سناتا اور نہ ہی اللہ تمہیں اس سے آگاہ کرتا اس سے پہلے میں تمہارے درمیان ایک عمر گذار چکا ہوں، کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟"

اس کلام کا استدلال یہ ہے کہ اگر کچھ لوگوں کی حقیقت میں یہی سوچ ہے کہ بے بدیل نصِ قرآنی، انسانی فکر کا نتیجہ ہے تو چونکہ وہ خود بھی انسان ہیں۔ للذا اُن کے انسان ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ اس جیسا ایجاد کر لیں اور اگر وہ اس خواہش کو پورا نہ کر پائیں تو حکم عقل کے تحت وہ اس بات کا اعتراف کرنے پر مجبور ہیں کہ یہ کلام، وحی الٰہی ہے کیونکہ سب چیزوں پر محیط ذات ہی ایسا جامع

---

[1] یونس (۱۰) آیت ۱۵ ۔ ۱۶۔

کلام کہہ سکتی ہے کہ سبھی اس جیسا کہنے سے عاجز ہوں اور اسی میدان میں انسان اپنے وجود کی محدودیت کی بناپر راستہ گم کر دیتا ہے۔ وگرنہ عام انسانی معارف کا دائرہ کار جس قدر بھی ترقی یافتہ اور پیشرفتہ ہو تب بھی دوسروں کے لیے دروازے بند نہیں کرتا اور برتری کی تلاش کا راستہ ہمیشہ کے لیے کوشش کرنیوالوں کے سامنے کھلا رکھتا ہے۔

جو کچھ ذکر کیا گیا اس سے ایک اور اعتراض کا جواب بھی واضح ہو گیا ہے اور وہ یہ کہ انسانوں کی مختلف صلاحیتوں اور انفرادی اختلاف کے باوجود مثل لانے کا چیلنج سمجھ سے بالاتر ہے کیونکہ بشر کا کوئی بھی علمی صنعتی اور ادبی شاہکار ایسا نہیں ہے جسے دوبارہ خلق کیا جائے اور اس کی مثل لائی جائے اور علوم وفنون کے ہر میدان میں ایسے افراد پائے جاتے ہیں جن سے زیادہ ماہر کوئی نہیں۔

اس وضاحت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے کام جو بشری کاموں کی جنس سے ہیں اور بشری صلاحیت کی حدود میں آتے ہیں (چاہے اس کا عالی ترین مرتبہ ہو کہ دوسرے لوگ اس جیسا نہ لا سکیں) اور ایسے کام جو انسانی کاموں میں سے ہے ہی نہیں اور اس کی حدود سے خارج ہیں کے درمیان فرق ہے۔ انسانی دانشور کسی بھی علوم وفنون میں اس بات کا دعویٰ نہیں کر سکتے کہ ہم نے اس کام کے سلسلے میں سب سے آخری رائے پیش کی ہے اور کوئی دوسرا اس کام کو انجام نہیں دے سکتا درحالانکہ انبیاء علیہم السلام کا معجزہ، نبوت کی نشانی کے طور پر پیش کیا جاتا ہے جس کا تعلق ایسی جنس سے ہے جو انسان کی طاقت سے بالاتر ہے اور بشر کو اس کی تحدی کی جاتی ہے اور اسے ماورائے قدرت بشر کی علامت کے عنوان سے پیش کیا جاتا ہے۔

پانچواں باب

قرآن کے اعجاز کی حدود

اعجاز قرآن کا سبب اور وجہ کیا ہے؟ باالفاظ دیگر قرآن میں کون سی خصوصیات پائی جاتی ہیں جو اعجاز قرآن کا سر چشمہ اور سبب ہیں ؟ کیا ان خصوصیات کو ایک مخصوص صفت میں محدود کیا جاسکتا ہے ؟ خود قرآن سے کیا استفادہ ہوتا ہے ؟ کیا قرآن نے اپنے اعجاز کو کسی خاص پہلو اور خاص جہت میں معین اور اس کی وضاحت کی ہے یا نہیں ؟ یہ ایک اہم نکتہ ہے کہ قرآن نے اپنے متن میں عدم اختلاف کے علاوہ اعجاز سے متعلق کسی خاص جہت کی وضاحت نہیں کی۔

گویا اس موضوع کو کسی خاص جہت میں معین نہیں کیا اور بشر کی تجسسانہ فکر کے حوالے کر دیا ہے اور حق بھی یہی ہے کہ ہم اعجاز قرآن کو ایک مخصوص پہلو میں محدود نہیں کر سکتے۔ان سب کے باوجود اعجاز قرآن کو حسی اور معنوی خصوصیت پر مشتمل سمجھا جاسکتا ہے کہ ایک طرف اس کا ہدف اور مقصد انسانی فکر و اندیشہ ہے اور دوسری طرف انسان کا دل اور حسّ۔اس لحاظ سے اندرونی اور بیرونی دونوں حسوں کو متوجہ کرتا ہے۔

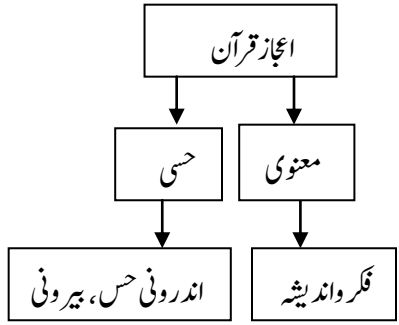

قرآن کی ظاہری ساخت

دین، انسانی فکر و ذہن کے علاوہ اس کے احساسات اور قلب سے بھی سروکار رکھتا ہے۔قرآن جو صاحب قدرت پروردگار کے بے مثل جمال کا ایک جلوہ ہے .

(ولله الاسماء الحسنیٰ)ا

اعراف (۷) آیت ۱۸۰۔

اپنے بلند مرتبہ اور لازوال معانی کے علاوہ ایسی خوبصورتیوں اور بے حد وحساب محبوبیت سے لبریز ہے جو اپنے مخاطبین کی جان و روح کو اپنا متوالا اور شاداب کر دیتی ہیں۔ تاریخ، ادب اور فن خطابت کے ماہر افراد اور دوستوں اور بیگانوں کا یقین گواہی دیتا ہے کہ قرآن فصاحت و بلاغت میں بے بدیل ہے۔ قرآنی کلمات کا ترکیبی انداز ایک مخصوص اور بالکل نئی روش پر مشتمل ہے جو بے سابقہ اور بے لاحقہ ہے۔ قرآن کریم کی حقیقت پر مبنی زبان، دلربا آواز، تسکین والی بشارتوں اور جھنجھوڑ دینے والے اشاروں نے اسے اس انداز میں پیش کیا ہے کہ میدان سخن کے نامور افراد اس کے مقابلے میں حیران رہ جائیں اور کہیں: "یہ کتاب نہ شعر ہے اور نہ ہی نثر؛ قرآن، قرآن ہے۔"[1]

قرآن کا نزول، دنیائے عرب میں فصاحت و بلاغت کے عروج کے دوران ہوا۔ حرام مہینوں میں عرب قوم کے نامور زبان دان اپنے بہترین اور نمایاں ادبی اور ثقافتی شاہکار، بازار عکاظ کی ثقافتی اور ادبی نمائش پیش کرتے تھے اور منصفین ان میں سے بہترین نمونوں کا انتخاب کرتے اور انہیں متعارف کرواتے تھے۔ ان منتخب نمونوں کو دیوار کعبہ پر آویزاں کر دیا جاتا تھا اور یہ نمونے ان کے لیے فخر و مباہات کا باعث ہوتے تھے۔ سات قصیدے "معلقات سبع" کے نام سے مشہور ہیں جو امرؤالقیس، طرفۃ بن العبد، زہیر بن ابی سُلمٰی، لبید بن ربیعہ، عمرو بن کلثوم، عنترہ بن شداد اور حارث بن حلّزہ[2] کی طرف سے تھے۔ یہ ایسے قصائد تھے کہ ان سے پہلے کوئی

---

[1] ۔ مرآۃ الاسلام، ۱۴۴۔

[2] ۔ **امرؤالقیس، ابو الحارث حندج بن حجر الکندی** عصر جاہلیت کا غزل گو شاعر تھا۔ ۵۰۰ء میں پیدا ہوا اور ۵۴۰ء میں وفات پا گیا۔ اس کا باپ بنی اسد پر حکومت کرتا تھا چونکہ اسے قتل کیا گیا لہٰذا انتقام لینے اور اپنا مقام و اقتدار واپس لینے کی خاطر اس نے قیام کیا۔ لیکن اس نے منذر بن ماء السماء سے شکست کھائی اور فرار ہو گیا اور عرب کے صاحب جاہ و حیثیت یہودیوں میں سے سموال بن عادیا سے پناہ

اور قیصر روم سے مدد کی درخواست کی۔ قیصر نے اسے احترام دیا اور فلسطین کی امارت اسے بخش دی۔ شاعر تھوڑے عرصے کے بعد آبلوں کی بیماری میں مبتلا ہوگیا اور مر گیا۔ اس کا ایک دیوان ہے جو ۱۸۷۷ میں پہلی مرتبہ پیرس میں شائع ہوا۔ اس کے معروف ترین اشعار وہی اس کا قصدہ معلقہ ہے جو اس شعر سے شروع ہوتا ہے:

قفانبک من ذکری حبیب و نزل بسقِط اللّوی بین الدخول فحومل

ہم سفر دوستو! ایک لحظہ کی تاخیر کریں تاکہ یاد یار میں سفر کرکے ریگستان میں دخول اور حومل اور توضح اور مقرات کے مابین اس کے گھر تک پہنچ جائیں۔

طرفۃ بن العبد بن سفیان بن سعد زمانہ جاہلیت کے نامور شعراء میں سے تھا اور شریف خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ بحرین میں ۵۴۳ء میں پیدا ہوا اور ۵۶۹ء میں وفات پاگیا۔ اپنے مال و ثروت کو خرچ کرنے کے بعد حیرہ کے بادشاہ عمرو بن ہند سے جاملا اور اس کی مدح شروع کردی۔ تھوڑے عرصے کے بعد بادشاہ اس سے ناراض ہوگیا اور ۲۶ سال کی عمر میں قتل ہوگیا اس کا معلقہ اس شعر سے شروع ہوتا ہے:

لِخَولۃ اطلال ببُرقۃ ثہمد تَلوحُ کباقی الوشم فی ظاھر الید

ثہمد کے سنگلاخ میں خولہ کے خیمے اور اصطبل کے آثار ہتھیلی کی پشت پر تل کے نشان کی طرح نمایاں ہیں۔

زہیر بن ابی سلمی المزنی جاہلیت کے شعراء میں سے ہے۔ ۵۳۰ء سے ۶۲۷ء کے درمیانی سالوں میں زندگی بسر کرتا رہا۔ اس کے قبیلے کے سب لوگ شاعر تھے۔ وہ عقلمند اور سلیم النفس انسان تھا اور صلح و امن کو پسند کرتا تھا۔ جنگ و جدال سے نفرت کرتا تھا۔ اسی وجہ سے اس نے ہرم بن سنان ذبیانی کی عبس اور ذبیان قبیلوں کے درمیان پیمان صلح باندھنے کے لیے کی گئی اس کی کوششوں کی وجہ

سے تعریف کی ہے۔ اس کے اشعار میں حکمت بھرے معانی بہت زیادہ ہیں اور اسی بناء پر حکیم شاعر مشہور ہوا۔ اس کا دیوان پہلی مرتبہ ۱۸۷۰ میں لندن میں چھپا ہے۔ اس کے معلقہ کا پہلا بیت یہ ہے:

أمِن أمّ اَو فِی دِمنۃٌ لم تکلّم　　　بَحُو مانَۃِ الدَّراج فالمُتَثلُّم

کیا دراج اور متثلم کی چٹیل سرزمین میں میرے عزیز یار ام اوفی کے گھر کی کوئی نشانی باقی ہے جس نے اس کے ساتھ کلام کی ہو؟

لبید بن ربیعہ عامری جاہلیت کا نامور شاعر ہے۔ اس کا باپ ربیعہ المعترین عرب کے سخاوت مند افراد میں سے تھا اور اس کا ماموں ملاعب الاسنہ اس قوم کے شجاع لوگوں میں سے تھا۔ لبید کو جود و سخا اپنے باپ سے اور شجاعت اپنے ماموں سے ورثے میں ملی، وہ پیغمبر اسلامؐ کے دور میں تھا اور بنی عامر کے وفد کے ہمراہ آنحضرتؐ کی خدمت میں پہنچا اور اسلام لے آیا اور قرآن کو حفظ کیا اور شعر کہنے سے اجتناب کرنے لگا۔ اور مسلسل تلاوت قرآن میں مشغول رہتا اس کی وفات ۴۱ ھ میں حکومت معاویہ کے ابتدائی ایام میں لکھی گئی ہے۔ اس کا دیوان ہے اور اس کا مشہور قصیدہ وہی معلقہ ہے جو اس شعر سے آغاز ہوتا ہے:

عَفَتِ الدّیار مَحَلّها فمُقامها　　　بمنی تابدٌ عَولُها فرجامُها

دوستوں کے گھر جہاں وہ لحظہ آرام کرتے تھے اور گزر جاتے تھے اور جہاں وہ تھوڑی مدت کے لیے آیا کرتے تھے ویران ہو چکے اور ان کے آثار بھی ختم ہو گئے ہیں۔ سرزمین منا میں دریغا اور غول و رجام پہاڑوں کے دامن میں اب ان کی کوئی علامت باقی نہیں بچی۔

عمرو بن کلثوم مالک التغلبی جاہلیت کا نامور شاعر اور سات معلقہ قصائد میں سے ایک قصیدہ اس کا ہے۔ ۱۵ سال کی عمر میں قوم کی سرداری مل گئی۔ عمرو بن ہند کے سامنے تغلب اور بکر کے درمیان فیصلے کرنے میں شکست کھائی اور غصے کے عالم میں دربار سے باہر نکل آیا اور آخر کار ایک محفل میں عمرو بن ہند کو اپنی ماں کی توہین کرنے کی وجہ سے قتل کر دیا اور اس کا معلقہ اس شعر سے شروع ہوتا ہے:

الا هُبِّی بِصَحِنِک فاصبحینا　　　و لا تبقی خمور الاندرینا

بہتر کلام موجود نہ تھا اور یہ عرب کے بہترین ادبی شاہکار شمار ہوتے تھے۔ جب قرآن نازل ہوا

اے ساقی! صبح کا وقت ہے، نیند سے بیدار ہو، اپنے ظرف سے شراب کا جام پر کر اور اندرین کی شراب کو ہم سے دور مت رکھ۔

عنترہ بن شداد العبسی جاہلیت کے عظیم شاعروں میں سے تھا اور ایک روایت کے مطابق ۵۲۵ء میں پیدا ہوا اور ۶۱۵ء میں اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کی ماں حبشی کنیز اور باپ بنی عبس کے بزرگوں میں سے تھا۔ چونکہ اس کی ماں کنیز تھی اس کے باپ نے اپنی فرزندی میں اسے قبول نہ کیا اور غلام بنا ڈالا۔ وہ شجاعت اور شعر کہنے میں ماہر تھا۔ کہا جاتا ہے ایک دن بنی عبس پر ایک جماعت نے حملہ کر دیا اس کے باپ نے پکارا: اے عنترہ! حملہ کر واس نے جواباً کہا کہ غلام کو حملے سے کیا سروکار؟ باپ نے کہا: تو آزاد ہے پس اس نے دشمن پر حملہ کیا اور مال غنیمت واپس لے آیا وہ اپنی چچازاد بہن عبلہ سے عشق کرتا تھا اس کا قصیدہ بھی اسی عشق کا نتیجہ ہے جو اس طرح آغاز ہوتا ہے:

هل غَادَرَ الشُّعَراء من متردَّم ام هل عرفتَ الدار بعد توهُّم

آیا کوئی ایسا نغمہ ہے جسے شعراء نے نہ کہا ہو اور تو اے پریشان حال شاعر آیا اس سرگردانی کے بعد بھی اپنے محبوب کے گھر کا پتہ جانتے ہو؟

حارث بن حِلّزہ الیشکری البکری جاہلیت کے مشہور شاعروں میں سے تھا۔ اس کے مشہور ترین اشعار میں اس کا قصیدہ معلقہ ہے جسے حیرہ کے بادشاہ عمرو بن ہند کی محفل میں عمرو بن کلثوم کے شعر کے جواب میں انشاء کیا تھا اور اس میں اپنی قوم کے افتخارات کو بیان کیا۔ اس کا معلقہ فن خطابت میں ایک نمونہ ہے۔ اس سے منسوب دیوان ۱۹۲۲ میں شائع ہوا۔ اس کے معلقہ کا پہلا شعر یہ ہے:

اذنتنا ببينها اسماء رُبَّ ثاو يُملّ منه الثواء

اسماء نے کہا: جن کا ٹھہرنا باعث ملامت ہو ممکن ہے وہ ہم سے جدا ہو جائے مگر کوئی ہے جو اسماء سے زنجیدہ ہو۔

رجوع کریں: معلقات سبع، ترجمہ آیتی نیز تاریخ ادبیات زبان عربی، حنا الفاخوری ترجمہ آیت

اوراس کی صدا قصیدہ گواور سخن شناس افراد کے کانوں تک پہنچی توقرآن کی محفل آرائی اوراس کے بیان کے جادو نے ان کے دلوں اوران کی محفلوں کواس طرح متاثر کیا کہ ایک ہی نظر میں ان کے ادبی آثار بے اثر ہو کر رہ گئے اوران کی خود نمائی اور باقی رہنے کی کوئی وجہ باقی نہ رہی: "طلع الصباح فاطفا القندیلا" صبح ہو چکی پس شمع بجھادو۔

نام تو قرآن نشانت احمدی است
ساز تو عرشی مجالت سرمدی است
این هیاهوهای بی مقدار را
صاحبان این همه گفتار را
توبه «الحمد»ی توانی نسخ کرد
آن چنان که سامری را مسخ کرد

سات قصائد میں سے ایک قصیدہ کا مالک اور مشہور عرب شاعر لبید جب قرآن سے آشنا ہوا تو اسی وقت اس طرح عاشق قرآن بن گیا کہ اس کے بعد کوئی شعر نہ کہااور اپنی تمام تر فرصتوں کو مسلسل قرائت قرآن پر خرچ کرنے لگا۔ جب اس سے پوچھا گیا کہ شعر کیوں نہیں کہتے ؟ تو اس نے کہا: قرآن کی موجودگی میں شعر نہیں کہہ سکتا۔ اگر کلام یہ ہے تو ہمارے تمام کہے گئے کلام قابل مذمت ہیں۔ میں قرآن سے اس قدر لذت حاصل کرتا ہوں کہ کسی بھی کلام کو اس سے بڑھ کر نہیں سمجھتا۔

ولید بن مغیرہ مخزومی کو "ریحانۃ العرب" کہا جاتا تھا یعنی گلشن عرب کے گلدستے کا نمایاں پھول اور مشرکین میں اسے امیر سخن وکلام کہا جاتا تھا۔ جب پروردگار کے الہامی کلام کو سنا تو پیغمبر ﷺ اور ان کے پیغام وحی کے ساتھ تمام تر دشمنیوں اور کینے کے باوجود اعتراف کرنے پر مجبور ہو گیا کہ یہ کلام انسان کے کلام سے بالاتر ہے:

«فوالله ما هو بشعر و لا بسحر و لا بهذّی جنون، و ان قوله من کلام الله..... ان له لحلاوة و ان علیه لطلاوة و ان اعلاه لمثمرٌ و انّ اسفله لمغدق و انه یعلوا و لا یعلی علیه» [1]

یہ بات سن کر مشرکین طیش میں آگئے اور انہوں نے اسے مجبور کیا کہ قرآن کی مذمت (العیاذ باللہ) میں کچھ کہے۔ اسی وجہ سے ایک آیت اس کے بارے میں نازل ہوئی:

﴿ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ فَقَالَ إِنْ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْثَرُ﴾ [2]

"پھر پلٹا اور تکبر کیا، پھر کہنے لگا یہ جادو کے سوا کچھ نہیں ہے جو منتقل ہو کر آیا ہے۔"

قریش کی بڑی شخصیت عتبہ بن ربیعہ پیغمبر ﷺ کو نبوت کے دعوی سے دست بردار کرنے کے لیے آنحضرتؐ کی خدمت میں آیا۔ رسول اکرم ﷺ نے سورہ حم سجدہ کی ابتدائی آیات کی اس کے سامنے تلاوت فرمائی۔ جب پیغمبر اکرم ﷺ کی محفل سے واپس آیا تو اس نے کہا "خدا کی قسم! آج میں نے ایسا کلام سنا ہے کہ اس سے پہلے کبھی نہیں سنا تھا، وہ شعر، سحر، کہانت، وغیرہ نہیں ہے بلکہ نباء عظیم ہے۔" [3]

قرآنی آیات کی خوبصورتی اس قدر حیران کن اور عام تھی کہ ولید بن مغیرہ، اخنس بن شریق و عمر بن ہشام (ابو جہل) جیسے قرآن کے دشمنوں بھی رات کے وقت چوری چھپے سننے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ [4] قرآن کی ایک آیت، ان کے رُک کر سننے کے متعلق مختصر اشارہ کر رہی ہے:

﴿نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُونَ بِهِ إِذْ يَسْتَمِعُونَ إِلَيْكَ وَإِذْ هُمْ نَجْوَى.....﴾ [1]

---

[1] ۔ تفسیر طبری، ج ۲، ص ۹۸؛ تفسیر المنار، ج ۱، ص ۱۹۹۔

[2] ۔ مدثر (۷۴) آیت ۲۳۔۲۴۔

[3] ۔ ابن ہشام، السیرہ النبویہ، ج ۱، ص ۳۳۱، ج ۲، ص ۲۱۔

[4] ۔ ابن ہشام، ایضا، ص ۳۳۸، مجمع البیان، ج ۵، ص ۳۸۷۔

"ہم خوب جانتے ہیں کہ جب یہ لوگ آپ کی طرف کان لگا کر سنتے ہیں تو کیا سنتے ہیں اور جب یہ لوگ سرگوشیاں کرتے ہیں۔"

قرآن سے لوگوں کو دور رکھنے کے لیے قرآن سننے سے منع کرتے تھے۔

﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ﴾ [2]

"اور جو لوگ کافر ہو گئے وہ کہتے ہیں: اس قرآن کو نہ سنا کرو اور شور مچا دیا کرو تاکہ تم غالب آجاؤ۔"

زبان قرآن کی خوبصورتی اور دلوں کو تسخیر کرنے کی قدرت گذشتہ زمانے کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ آج بھی میخائیل نعیمہ، جبران خلیل جبران، جارج جرداق جیسے عربوں اور غیر عربوں کو بھی اپنا عاشق بنایا ہوا ہے۔

گولڈ زیہر لکھتے ہیں:

"دنیا میں کوئی بھی ادبی شاہکار قرآن کی بے نظیر، عظیم اور حیرت انگیز فصاحت و بلاغت میں برابری نہیں کر سکتا۔" [3]

جان ڈیون پورٹ لکھتے ہیں:

"قرآن ادبی لحاظ سے مشرق کی شاعرانہ ترین کتاب ہے جو ہم وزن اور مسجع نثر پر مشتمل ہے۔ عربی زبان کی بلیغ ترین اور فصیح ترین صورت ہے اور اس زبان کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے، در خشان ترین امثال اور محکم ترین تشبیہات پر مشتمل ہے۔ اس کے طریقہ انشاء میں استعمال شدہ سحر، جذابیت اور لطافت و روانی نے عربوں کو داد تحسین دینے پر مجبور کر دیا ہے۔ اس کی آیات

---

[1] ۔ بنی اسرائیل، (۱۷) آیت ۴۷۔

[2] ۔ حٰم سجدہ (۴۱) آیت ۲۶۔

[3] ۔ العقیدۃ والشریعۃ فی الاسلام، ص ۴۱۔

ملکوت خداوند کا عکس پیش کرتی ہیں۔ اس کی سر، تان اور عبارات جنت اور جہنم کا خاکہ بنانے میں ہلا کر رکھ دیتی ہیں....."[1]

سید قطب کہتے ہیں:

"مکتب قرآن میں میری اصلی کوشش یہی ہے کہ قرآن کا ادبی پہلو اور اس کی ادبی خصوصیات واضح ہوں اور افکار اس کی مخفی زیبائی اور خوبصورتی کو تلاش کریں..... میری نظر کے مطابق ابتدا میں ہی عرب لوگ قرآن کی جذابیت کے قائل ہو گئے تھے اور یہ خوبصورت بیان ہی تھا کہ جوان کے احساس کی گہرائی تک اتر گیا اور ان کے نفوس کو ابھارا۔"[2]

دریای سخن ها سخن خوب خدای است
بر گوهر با قیمت و پر لولو لالا
اندربن دریاست همه گوهر و لولو
غواص طلب کن چه روی بر لب دریا[3]

قرآن کا ظاہری حسن و زیبائی

ایک پختہ، بے عیب اور خوبصورت و زیبا عمارت سخت اور محکم میٹریل اور ماہر معمار کی مدبرانہ ڈیزائننگ کا نتیجہ ہوتی ہے کہ جسے وہ مناسب ترین صورت میں بناتا ہے۔ کلام کی عمارت بھی اسی طرح سے ہے۔ کلام کو تشکیل دینے والے حروف اور الفاظ اگر استحکام اور پختگی پر مشتمل ہوں اور کلمات کی تشکیل اور جملات کی ترکیب کے موقع پر مدبرانہ، مناسب اور ہم آہنگ طور پر انتخاب اور ترکیب ہوں تو ایک فصیح و بلیغ اور دلکش کلام کو تشکیل دیں گے۔ حروف، مخارج، صدا اور تلفظ کے لحاظ سے مختلف خصوصیات رکھتے ہیں اور اسی بناء پر مختلف دستوں تقسیم ہوتے ہیں:

---

[1] ۔ عذر تقصیر بہ پیشگاہ محمد و قرآن، ص ۹۱؛ اسلام، مغربی دانشوروں کی نگاہ میں، ص ۴۲۔

[2] ۔ مشاهد القیامة فی القرآن، ص ۱۰۔

[3] ۔ ناصر خسرو۔

بعض حروف مستعلیہ ہوتے ہیں کہ ان کی آواز بلندی کی طرف جاتی ہے اور تفخیم کے ساتھ ادا ہوتے ہیں ۔ جیسے (ص) بعض مستفلّہ ہیں کہ جن کی آواز نیچے کی طرف اور باریک ادا ہوتی ہے۔ جیسے (س)؛ بعض مہموسہ ہیں کہ جن کی ظاہری آواز نہیں ہوتی جیسے (ح)؛ بعض مجہورہ ہوتے ہیں جن کی آواز تیز اور موٹی ہوتی ہے۔ جیسے (ج)؛ بعض شدیدہ ہیں جو شدت کے ساتھ ادا ہوتے ہیں جیسے (د)، بعض خوردہ ہیں جو سستی اور کُندی سے تلفظ ہوتے ہیں مانند (ذ)؛ بعض ان کی درمیانی حالت میں ادا ہوتے ہیں جیسے (ر)؛ بعض مطبقہ ہیں جو کھینچی ہوئی آواز کے ساتھ ادا ہوتے ہیں جیسے (ط)؛ بعض منفتحہ ہوتے ہیں کہ زبان کھلتی ہے اور صدا آسانی اور آزادی کے ساتھ باہر آتی ہے جیسے (ت)؛ بعض مذلقہ ہیں جو ہونٹ اور زبان کے کناروں سے آسانی اور نرمی سے اداہوتے ہیں ۔ جیسے (ل)؛ بعض مصمّتہ ہوتے ہیں جو سختی کے ساتھ مخرج حرف میں پہنچتے ہیں جیسے (ب)؛ بعض حروف کا تلفظ قلقلہ اور اضطراب کے ساتھ ہوتا ہے جیسے (ق)؛ بعض صفیر (سیٹی) کے ساتھ جیسے (ص)؛ بعض زبان کے پھیلنے سے جیسے (ش) بعض لرزش اور ارتعاش کے ساتھ جیسے (ر) بعض استطالہ اور زبان کے اُکھڑنے سے ادا ہوتے ہیں جیسے (ض)؛ بعض زور اور بلندی سے ادا ہوتے ہیں جیسے ہمزہ؛ بعض خراش کے ساتھ جیسے (خ)؛ بعض گلے کی گرفتگی سے اداہوتے ہیں جیسے (ح)؛ بعض غنہ کے ساتھ اور ناک میں آواز گھمانے سے جیسے (ن)؛ بعض نرمی اور کشش کے ساتھ ادا ہوتے ہیں جیسے (ی) وغیرہ..... [1]

---

[1]۔ ڈاکٹر عبداللہ دراز کہتے ہیں: « ویجد الانسان لذة بل و تعتریه نشوة اذا ما طرق سمعه جواهر حروف القرآن، خارجة من مخارجها الشحیحة، من نظم تلك الحروف و رصفها و ترتیب اوضاعها فیا بینها: هذا ینقر، و ذاك یصفر، و ثالث یهمس، و رابع یجهر، و آخر ینزلق علیه النَفَس، و آخر یحتبس عنده النَفَس، فتری الجمال النغمی ماثلا بین یدیك فی مجموعة مختلفة و لکنها موتلفة... نعم من هذا الثواب القشیب یتالف جمال القرآن

انتہائی مختصر طور پر جس کی طرف اشارہ کیا ہے وہ تجوید اور قرائت کی کتابوں میں درج حروف کی دقیق خصوصیات ہیں جو مسلمانوں کی شناخت صدا کی تحقیق کی مصادر ہیں۔سیبویہ (۱۷۷ھ) ابن درید(۳۲۱ھ) رمانی ، باقلانی ، خفاجی، بیضاوی(۶۸۵ھ)اور ابن جزری(۸۳۳ھ) وغیرہ جیسے اسلامی دانشوروں کی ادبی تالیفات میں ذکر ہوئی ہیں اور آج بھی علم شناخت زبان اور شناخت صدا کی واضح پیشرفت ،الیکٹرونک وسائل کی مدد سے قرآن پر ایمان لانے والے محنتی افراد کی بہترین اور قابل تحسین انجام دی جانے والی کوششوں کو احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔زبان شناسی کے میدان میں اور کلمات اور جملات کے زندہ عناصر کے متعلق وہ گزشتہ بہترین تحقیقات اور روز مرہ کی یہ علمی ، دقیق اور تجزیاتی تحقیقات سب کی سب اس واقعیت کا پتہ دے رہے ہیں کہ حروف کا انتخاب اور ان کی ترکیب، بولنے والوں کے بیان میں اور کلمات کی ادائیگی اور ان کی جذابیت اور دلربائی یا ساماعین کی نفرت کو دور کرنے میں اور مطلوب معانی تک منتقل ہونے میں کس قدر حیرت انگیز تاثیر رکھتی ہے۔زبان شناس افراد کی نگاہ میں بعض قرآنی جملات اور کلمات کی آواز ، آبشاروں کی آواز اور نسیم بہار جیسی اور دلربا اور آرام بخش ہے۔آوازوں اور تلفظ کی آسانی، حروف کا باہمی ارتباط ، بہترین ترکیب ، تنظیم ، دریا جیسی روانی، تسلسل اور کانوں میں رس گھولنے والا انداز ، مخاطب کی قوت سامعہ میں ایسا تلاطم برپا کرتا ہے جس کی کوئی مثال نہیں۔

حروف کی صفات اور کلام کی آوازیں خاص تاثیر رکھتی ہیں اور کلام کے خوبصورت یا نفرت انگیز ہونے کا باعث بنتے ہیں۔لہٰذا ضروری ہے کہ حروف کی ترکیب میں انتہائی توجہ کی جائے اور ہر ایک کی خصوصیات کو ملحوظ خاطر رکھا جائے؛تاکہ کلمات کی ادائیگی سلیس اور خوبصورت ہو

اللفظی، و لیس الشان فی هذا الغلاف الاّ کشان الاصداف، تتضمن لالی نفیسة و تختضمن جواهرثمینة...»النباء العظیم، ص ۹۴۔

اور نفرت ایجاد کرنے اور بھدّی ہونے سے دور ہو۔ قرآن ان تمام رازوں سے آگاہ اور تمام اسرار پر محیط ذات پروردگار کے علم کی تجلّی ہے۔

﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا﴾[1] "اور آپ کا پروردگار بھولنے والا نہیں ہے۔"

پروردگار عالم نے ان تمام خصوصیات اور ظرافتوں کا خیال رکھا ہے۔ کلمات اور تراکیب میں مناسب حروف اور الفاظ کا استعمال کیا ہے۔ عرب عام طور پر کلمہ "آجر" یا "قَرمَد" کو استعمال کرتے تھے لیکن قرآن نے جس مقام پر اس کے مفہوم سے استفادہ کرنا چاہا ان کلمات میں سے کسی ایک کو بھی مناسب نہیں سمجھا اور ان دو کلمات کو استعمال میں لائے بغیر جملہ کی بناوٹ کو تبدیل کر دیا اور ان کو پختہ اور پکی مٹی کے عنوان سے بیان کیا ہے۔

﴿فَأَوْقِدْ لِي يَا هَامَانُ عَلَى الطِّينِ فَاجْعَلْ لِي صَرْحًا لَعَلِّي أَطَّلِعُ إِلَىٰ إِلَٰهِ مُوسَىٰ﴾[2]

"اے ہامان! میرے لیے گارے کو آگ (لگا کر اینٹ بنادے) پھر میرے لیے ایک اونچا محل بنادے تاکہ میں موسیٰؑ کے خدا کو جھانک کر دیکھ سکوں۔"

سوال کے جواب میں "نعم" اور "بلی" کے کلمات استعمال ہوتے ہیں لیکن ہر ایک کے استعمال کا خاص مقام ہے۔ "بلی" اس مقام پر استعمال ہوتا ہے کہ جہاں پر سوال ہمزاہ استفہام کے ساتھ ہو اور نفی کا مضمون رکھتا ہو اور اس کا نتیجہ اثبات میں ہو۔ {أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَىٰ}[3] "کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں سب نے کہا ہاں۔" "نعم" ہل استفہامیہ کے ساتھ پوچھے

---

[1] ۔ مریم (۱۹) آیت ۶۴۔

[2] ۔ قصص (۲۸) آیت ۳۸۔

[3] ۔ اعراف (۷) آیت ۱۷۲۔

جانے والے سوال کے جواب میں استعمال ہوتا ہے۔ {فَهَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا قَالُوا نَعَمْ} [1] "کیا تم نے بھی اپنے رب کے وعدوں کو سچا پایا تو وہ جواب دیں گے ہاں۔"

قرآن میں {فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللهُ} ؛[2] {لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الأَرْضِ} ؛[3] {عَلَى أُمَمٍ مِمَّنْ مَعَكَ}[4] جیسے طولانی ترین کلمات اور جملات متوالی حروف کے ساتھ آئے ہیں جو ایک دوسرے کے ساتھ ہم ساز اور ہم آواز ہیں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے اور تنافر کا باعث نہیں بنتے۔ اس باغ کی زیبائی اور حروف کا انتخاب اور کلمات کی ترکیب اور جملات کا تسلسل اس قدر ملائم خوش طبع اور خوش گوار ہے کہ ہر ہر آیت میں خوبصورت حروف کی عظمت جھلک رہی ہے۔

زمخشری آیت {وَلَقَدْ مَكَّنَّاهُمْ فِيمَا إِنْ مَكَّنَّاكُمْ فِيهِ} [5] کے ذیل میں کہتے ہیں:

"ان نافیہ" کا "ما نافیہ" کی جگہ پر انتخاب ایک عظیم خوبصورتی اور زیبائی کا پتہ دیتا ہے۔[6]

کلمات کا انتخاب

قرآن میں حروف، کلمات، ضمائر اور افعال وغیرہ کا انتخاب اس قدر سنجیدہ اور دقیق ہے کہ انہیں تبدیل یا عوض نہیں کیا جاسکتا کلمہ "ظلمات" جو گمراہی کے مختلف مصادیق کو بیان کر رہا ہے

---

[1] ۔اعراف (۷) آیت ۴۴۔

[2] ۔بقرہ (۲) آیت ۱۳۷۔

[3] ۔نور (۲۴) آیت ۵۵۔

[4] ۔ہود (۱۱) آیت ۴۸۔

[5] ۔احقاف (۴۶) آیت ۲۶۔

[6] ۔الکشاف، ج ۴، ص ۳۰۸۔

جمع کی صورت میں استعمال ہوا ہے۔ لیکن کلمہ "نور" جو صراط مستقیم اور ہدایت سے کنایہ ہے، مفرد کی صورت میں بیان ہوا ہے : {اللهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَوْلِيَاؤُهُمُ الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُمْ مِنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ } [1]

قرآن کے ادیبانہ جملے دقیق اور حکیمانہ فرق کو ظاہر کرتے ہیں کہ سخن شناس افراد کے لیے حیرانی اور عشق وجذابیت کا موجب بن جاتے ہیں۔ جیسے یہ خوبصورت اور ظریف آیت ہے :

﴿وَإِنَّا أَوْ إِيَّاكُمْ لَعَلَى هُدًى أَوْ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴾[2]

"تو ہم اور تم میں سے کوئی ایک ہدایت پر یا صریح گمراہی میں ہے۔"

اس آیت میں جس طرح کہ مشاہدہ کیا جاسکتا ہے ہدایت حرف اضافی "علی" کے ساتھ اور ضلالت حرف اضافی "فی" کے ساتھ آیا ہے جو ظرفیت، نیچے اور لاچاری اور عاجزی پر دلالت کرتا ہے پس "علی" ہدایت کے لیے اور "فی" ضلالت کے لیے مناسب ہیں۔

زمخشری کے مطابق ہدایت کا طالب انسان، ایک منفرد تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہے جو جہاں چاہے جاسکتا ہے لیکن گمراہ انسان گہری تاریکی میں ڈوبا ہوا ہے اور نہیں جانتا کہ کس طرف اپنا رخ کرے۔[3]

درج ذیل مضمون دو آیات میں زمین کی دو مختلف صفات کا بیان اسی بناء پر ہے :

﴿وَتَرَى الأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ﴾[1]

---

[1] ۔ بقرہ (۲) آیت ۲۵۷۔

[2] ۔ سبأ (۳۴) آیت ۲۴۔

[3] ۔ الکشاف، ج ۳، ص ۵۸۳۔ "صاحب الحق کانه مستعمل علی فرس جواد یرکضه حیث شاء و الضال کانه منغمس فی ظلام مرتکب فیه لایدری این یتوجه"

"اور تم دیکھتے ہو زمین خشک ہوتی ہے لیکن جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو یہ جنبش میں آجاتی ہے۔"

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنَّكَ تَرَى الأَرْضَ خَاشِعَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ﴾[2]

"اور اُس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ آپ زمین کو جمود کی حالت میں دیکھتے ہیں اور جب ہم اس پر پانی برسائیں تو وہ یکایک جنبش میں آجاتی ہے۔"

ان دو آیتوں میں سے ہر ایک آیت زمین کی مخصوص صفت بیان کر رہی ہے۔ پہلی آیت کا سیاق قیامت، مُردوں کے حشر اور قبروں میں آرام سے رہنے والوں کے بارے میں ہے جس کے لیے کلمہ "هامده" بمعنای سکون اور آرام کرنا، زیادہ مناسب ہے اور دوسری آیت عبادت، خضوع، فروتنی کے مفہوم پر مشتمل ہے جس کے لیے کلمہ "خاشعه" یعنی نیچے گرنا اور انقیاد مناسب تر ہے۔ یہ استواری اور حکمت، تاریخی واقعات اور دوسروں کے اقوال کے نقل کرنے میں بھی ظاہر ہے:

﴿أَمَّا السَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِمَسَاكِينَ يَعْمَلُونَ فِي الْبَحْرِ فَأَرَدْتُ أَنْ أَعِيبَهَا وَكَانَ وَرَاءَهُمْ مَلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا. وَأَمَّا الْغُلَامُ فَكَانَ أَبَوَاهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِينَا أَنْ يُرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَكُفْرًا. فَأَرَدْنَا أَنْ يُبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِنْهُ زَكَاةً وَأَقْرَبَ رُحْمًا. وَأَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ وَكَانَ تَحْتَهُ كَنْزٌ لَهُمَا وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا فَأَرَادَ رَبُّكَ أَنْ يَبْلُغَا أَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا رَحْمَةً مِنْ رَبِّكَ ...﴾[3]

---

[1] ۔ حج (۲۲) آیات ۵۔

[2] ۔ حٰم سجدہ (۴۱) آیت ۳۹۔

[3] ۔ کہف (۱۸) آیت ۷۹۔۸۲۔

یہ آیات ان تمام متشابہ کاموں کی وضاحت کر رہی ہیں جن میں حضرت موسیٰ کے ساتھی اوران کے استاد اپنے کاموں کی حکمت بیان کر رہے ہیں۔ پہلی آیت میں فرماتے ہیں: ''وہ کشتی چند غریب لوگوں کی تھی جو سمندر میں محنت کرتے تھے میں نے چاہا کہ اسے عیب دار بنادوں کیونکہ اس کے پیچھے ایک بادشاہ تھا جو ہر (سالم) کشتی کو جبراً چھین لیتا تھا۔ یہاں فعل ''اردت'' ایک ایسے امر کو جو ظاہراً ناپسند ہے اپنی طرف نسبت دے رہا ہے نہ کہ خداوند متعال کی طرف۔''

دوسری آیت نوجوان کے قتل سے مربوط ہے اس کی روحی، اعتقادی حالت کے بیان کے بعد اس کے والدین کے ایمان کے بارے میں ارشاد ہو رہا ہے:

"پس ہم نے چاہا کہ ان کا رب انہیں اس کے بدلے ایسا فرزند دے جو پاکیزگی میں اس سے بہتر اور محبت میں اس سے بڑھ کر ہو۔"

یہاں پر ایک مثبت کام کی وجہ کی طرف اشارہ ہو رہا ہے جو اس جوان کے والدین کی خیر خواہی سے متعلق ہے اور دو فعلوں کا دو خصوصیت مثبت (خیر خواہی) اور منفی (قتل نفس) کے ساتھ اکٹھا ہونا، اپنے اور خداوند کے ارادہ کو بتلا رہا ہے: ﴿فاردنا أن يبدلهما﴾ مورد بحث سب سے آخری آیت میں گرتی ہوئی دیوار کو بنانے کے حوالے سے ہے کہ اس میں فقط خالص نیکی کا عنصر نمایاں ہے اور کسی قسم کا برا شائبہ تک نہیں پایا جاتا وہاں فقط خداوند کے ارادے کو بیان کر رہا ہے اور فرماتا ہے: ''اور رہی دیوار تو وہ اسی شہر کے دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس کے نیچے ان دونوں کا خزانہ موجود تھا اور ان کا باپ نیک شخص تھا لہٰذا آپ کے ربّ نے چاہا کہ یہ دونوں اپنی جوانی کو پہنچ جائیں اور آپ کے ربّ کی رحمت سے اپنا خزانہ نکال لیں: ﴿اراد ربّك﴾"

ان دو آیات کے مضمون پر نگاہ ڈالیں:

{وَلا تَقْتُلُوا أَوْلادَكُمْ مِنْ إِمْلاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ}[1]

---

[1] ۔انعام (٦) آیت ۱۵۱۔

"اور مفلسی کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور انہیں بھی۔"

﴿وَلا تَقْتُلُوا أَوْلادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ...﴾[1]

" اور تم اپنی اولاد کو تنگ دستی کے خوف سے قتل نہ کیا کرو ہم انہیں رزق دیں گے اور تمہیں بھی۔"

پہلی آیت کے مخاطب ایسے انسان ہے جو انتہائی فقیر ہیں اسی وجہ سے اپنی بیٹیوں کو زندہ در گور کر دیتے ہیں۔ کیونکہ ارشاد ہو رہا ہے: "من املاق" "انتہائی فقر کی وجہ سے" اسی وجہ سے ان کو روزی دینا، ان کی اولاد کو روزی دینے پر مقدم رکھا گیا ہے۔ مگر دوسری آیت کے مخاطب ایسے سنگدل لوگ ہیں جو اپنے فقیر ہونے کے خوف سے اپنی بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیتے ہیں۔ اسی وجہ سے فرماتا ہے کہ "خشیة املاق" فقر کے خوف کی وجہ سے اسی بناء پر بیٹیوں کو رزق دینا مقدم رکھا ہے کیونکہ دوسری آیت کے مخاطبین، حال حاضر میں فقیر نہیں ہیں بلکہ مستقبل میں اپنی بیٹیوں کے فقر میں مبتلا ہونے سے خوف زدہ ہیں۔

اسی وجہ سے قرآنی محققین اور علم اشتقاق اور فن اصطلاحات سے واقف حضرات کا عقیدہ تھا کہ قرآن میں ہر حرف اور لفظ اپنے مقام پر لاثانی ہے اور اس کی وضع اور ساخت میں کسی بھی قسم کی معمولی تبدیلی بھی اس کے معنی کی تبدیلی کا موجب بنے گی۔

جاحظ اپنی کتاب "البیان و التبین" میں لکھتے ہیں:

"لوگ مسامحہ اور چشم پوشی کرتے ہوئے الفاظ کو ایک دوسرے کی جگہوں پر استعمال کرتے ہیں اور ان کے دقیق اور باریک فرق اور تفاوت کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ کیا آپ دیکھ نہیں رہے کہ خداوند متعال نے قرآن میں لفظ "جوع" کو عذاب، تنگ دستی، شدید ضرورت اور

---

[1] ۔ بنی اسرائیل (۱۷) آیت ۳۱۔

واضح ناتوانی کے مقام کے علاوہ استعمال نہیں کیا؟ در حالانکہ لوگ اس کلمہ کو "سغب" کے مقام پر استعمال کرتے ہیں جس کا معنی "عادی بھوک" جو تندرستی، قدرت اور توانائی کے ساتھ ہوتی ہے۔ اسی طرح "مطر" کا کلمہ قرآن میں فقط انتقام کے مقام پر استعمال ہوا ہے لیکن عام لوگ اور حتی کہ بہت سارے اہل فن بھی کلمہ "مطر" اور "غیث" کے درمیان فرق نہیں کرتے۔"[1]

خطابی بھی قرآن کی بلاغت کی بنیاد یہی قرار دیتے ہیں: "اگر ایک لفظ میں تبدیلی لائی جائے تو معنی مکمل طور پر ختم ہو جائے گا یا اس کی بلاغت کے لیے ضرر رساں ہوگا۔ ان کی نظر میں اکثر لوگ مترادف الفاظ کو اپنے مقاصد سمجھانے میں یکساں اور مساوی خیال کرتے ہیں۔ جیسے علم و معرفت، حمد و شکر، بخل و شحّ وغیرہ۔ مگر انہی الفاظ کے ظاہر میں مدلول مشترک اور معانی متشابہ ہیں۔ اگر دقت سے ملاحظہ کیا جائے تو ان الفاظ میں ظریف فرق دیکھے جا سکتے ہیں۔[2]

آیات کی دلکشی، کلمات کا ناقابل تبدیل ہونے اور نپی تلی قرآنی تراکیب پر تاکید کرنے والے ایک مسلمان ماہر ادیب عبد القاہر جرجانی "دلائل الاعجاز" کے مؤلف ہیں۔ وہ ان دقتوں اور لطافتوں پر توجہ کرتے ہوئے آیات قرآنی کو دیکھتے ہیں۔ نمونے کے طور پر ﴿وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ

---

[1] ۔«قد یستخف الناس الفاظاً و یستعملونها و غیرها احق بذالك فیها الاتری ان الله تبارك و تعالی لم یذکر فی القرآن الجوع الا فی موضع العقاب او فی موضع الفقر لمدقع و العجز الظاهر و الناس لایذکرون السغب و یذکرون الجوع فی حال القدرة و السلامة و کذالك ذکر المطر لانك لاتجد القرآن یلفظ به الا فی موضع الانتقام و العامّة و اکثر الخاصه لا یعضلون بین المطر و ذکر الغیث» البیان والتبیین، تحقیق حسن السندوبی، مصر، ص ۴۰۔

[2] ۔ثلاث رسائل فی اعجاز القرآن، ص ۲۶۔

شَيْبًا﴾[1] پیش کرتے ہیں: یہ آیت حضرت زکریا علیہ السلام کا بارگاہ الٰہی سے حاجت طلب کرنے سے متعلق مکرر بیان کو پیش کر رہی ہے۔اس کی توصیف میں کہتے ہیں: یہ جملہ ادبی صحت، کلامی فصاحت اور دلکش تراکیب کے علاوہ اپنے اندر ایسے لطائف کو سموئے ہوئے ہے جن کا کوئی بدل نہیں۔ اگر عبارت «وَاشْتَعَلَ شَيْبُ الرأس» یا «وَاشْتَعَلَ الشيبُ فی الرَّأْسُ» کی طرح بھی ہوتی تب بھی خوبصورت اور دلربا ہوتی؛ لیکن ﴿وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا﴾ میں موجود نظم ان سب سے بڑھ کر ہے۔«اشْتَعَلَ» معنی میں "شیب" سے متعلق ہے اور لفظ کے اعتبار سے "رأس" کی طرف نسبت دی گئی ہے اور "شیب" کو جو "اشتعال رأس" کا سبب ہے تمیز کے طور پر لایا گیا ہے؛ تاکہ سر پر بڑھاپے کے آپہنچنے (سر کے تمام بالوں کا سفید ہو جانے) کو بیان کرے۔اس کے علاوہ یہ نہیں فرمایا: «اشتعل رأسی شیبا» یعنی "رأس" کو الف ولام کے ساتھ اور نہ ہی اضافت کے ساتھ معرفہ بنایا ہے؛ کیونکہ فرق یہ ہے کہ کہا جائے کہ "بڑھاپے کے شعلے سر پر بھڑک اٹھے" یا یہ کہیں کہ "بڑھاپے کے شعلے میرے سر پر بھڑک اٹھے" پہلے جملے میں بلاغت اور ایک ایسا جلوہ ہے جس سے دوسرا فاقد ہے۔اسی طرح جملہ {وَفَجَّرْنَا الأَرْضَ عُيُونًا}[2] بھی ہے اور جملہ «و فجرنا العیون فی الارض» سے بالاتر مراتب رکھتا ہے۔[3]

---

[1] ۔ مریم (۱۹) آیت ۴۔

[2] ۔ قمر (۵۴) آیت ۱۲۔

[3] ۔ دلائل الاعجاز، ص ۱۵۹۔

راغب اپنی کتاب "المفردات" کے دیباچہ میں اس اُمید کا اظہار کرتے ہیں کہ ایک روز قرآن کے مترادف الفاظ کے حوالے سے کتاب لکھوں اور یہ بتاؤں کہ ان کے معانی کے مابین کس قدر زیادہ تفاوت اور فرق پایا جاتا ہے۔

مثال کے طور پر قلب، فواد اور صدر کے درمیان کیا فرق ہے؟ اسی طرح بعض آیات کا اختتام {ان فی ذلك لآیات لقوم یومنون}؛ {لقوم یفقهون}؛ {لقوم یتفکرون}؛ {لقوم یعلمون}؛ {لاولی الابصار}؛ {لذی حجر} {لاولی النهی}؛ وغیرہ پر کیوں ہوا ہے۔

"تفسیر الکشاف" کے مولف نے بھی اپنے تفسیر میں ان ظرافتوں کی یاد دہانی سے غفلت نہیں کی ہے۔ مثال کے طور پر اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں: ﴿فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ نَفْسًا﴾[1] "پھر اگر وہ خوشی خوشی تمہیں دینا چاہیں....." یہاں اس وجہ سے «وهبن» یا «سمحن» جیسے الفاظ استعمال نہیں کئے تاکہ تاکید کرے کہ جو چیز وہ بخش رہی ہیں وہ دل سے اور رضایت نفس کے ساتھ ہو۔[2] زمخشری آیت ﴿إِنَّ شَجَرَةَ الزَّقُّومِ، طَعَامُ الأَثِيمِ﴾؛[3] کی تفسیر میں ابودرداء کا ایک شخص کو قرآن پڑھانے کی داستان نقل کرتے ہیں کہ وہ شخص اس آیت کو صحیح انداز میں ادا نہیں کرسکتا تھا اور مسلسل «طعام الیتیم» پڑھتا تھا۔ ابو درداء نے بہت زیادہ کوششوں کے بعد مجبوراً ایک مترادف لفظ سے مدد لی اور کہا: «طعام الفاجر» تاکہ قرآن کی تعلیم لینے والا شخص اس لفظ کے معنی پر توجہ کرکے اسے صحیح طور پر قرائت کرسکے۔

زمخشری اس داستان کو نقل کرنے کے بعد کلام کو جاری رکھتے ہوئے کہتے ہیں:

---

[1] ۔نساء (۴) آیت ۴۔

[2] ۔الکشاف، ج۱، ص ۴۷۱۔

[3] ۔دخان (۴۴) آیت ۴۳۔۴۴۔

"ابو حنیفہ نے اسی وجہ سے قرائت قرآن کو فارسی میں جائز قرار دیا ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ قاری آیات کے معانی کو کامل اور بغیر کسی کمی کے ادا کرے۔ زمخشری پھر اسی بارے میں اپنی تحقیق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ابو حنیفہ کی کہی ہوئی شرط کو پورا کرنا اس قدر دشوار اور اور مشکل ہے کہ کہا جاسکتا ہے کہ ابو حنیفہ نے در حقیقت اس کام کو ناجائز قرار دیا ہے؛ کیونکہ کلام عرب، خصوصاً قرآن میں جو کہ اپنی پیشوائی اور مخصوص نظم واسلوب میں معجزہ ہے ایسے لطائف پائے جاتے ہیں جو اس کی عبارتوں کو فارسی اور دیگر زبانوں میں ادا کرنے سے ناممکن ہو جاتے ہیں۔"[1]

پھر وہ لکھتے ہیں: "جو لوگ اہل تحقیق نہیں ہیں ان کا خیال ہے کہ یہ سب یکساں اور برابر ہیں یا تصور کرتے ہیں کہ قرآن کی تفسیر "حمد" کو "شکر" اور "ریب" کو "شک" کی طرف لوٹانے سے کی جاسکتی ہے"

سیوطی ابن عطیہ سے نقل کرتے ہیں: "اگر قرآن کے ایک کلمہ کو ہٹادیں اور عربی کلام میں اس کا مترداف تلاش کریں تو ہمیں کوئی ایسا لفظ نہیں ملے گا جو اس کا قائم مقام ہونے کے باوجود قرآن کے خارق العادہ بیان کے لیے نقصان دہ نہ ہو۔"[2]

بنت الشاطی نے کتاب "اعجاز" میں اس نکتے پر توجہ مرکوز رکھتے ہوئے قرآن کی بے مثال صفات میں سے چند مثالیں ذکر کی ہیں: "باب «دلالة الالفاظ و سر الكلمه» اور باب «الاسالیب و سر التعبیر» کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کے الفاظ اور تعبیرات دقیق اور ظریف اسرار

---

[1] ۔الکشاف، ج ۴، ص ۲۸۱۔

[2] الاتقان، نوع ۶۴۔

کی حامل ہیں کہ ان کے مترادف الفاظ و تعبیرات کسی بھی طرح سے وہ دقیق معنی نہیں دیتے ۔"[1]

قرآن کے انتخاب کلمات کے طریقہ سے متعلق یہ نظریہ ہے کہ قرآن کے الفاظ اور حروف اس طرح ہیں کہ کسی ایک کو ہٹا کر اس کی جگہ پر اس کا مترادف رکھ دینا ممکن نہیں ہے۔ اس طرح کہ ان الفاظ کے معانی تبدیل نہ ہونے پائیں، بلکہ صدا، حرکت، کھینچ کر پڑھنا اور قرآن میں ہر آواز اس اعجاز بیانی کی مالک ہے۔[2]

اس کی منتخب مثالوں میں سے ایک کلمہ "انس" ہے۔﴿آنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّورِ نَارًا قَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَارًا﴾[3] "تو کوہ طور کی طرف سے ایک آگ دکھائی دی وہ اپنے اہل سے کہنے لگے ٹھہرو میں نے ایک آگ دیکھی ہے۔"

آیت کے مورد نظر معنی کو سمجھانے کے لیے بظاہر مترادف الفاظ "اَبصَرَ و اَبصَرتُ"، "نَظَرَ و نَظَرتُ"، "شَهِدَ و شَهِدتُ" پائے جاتے ہیں؛ لیکن ان میں سے کوئی بھی "انس و انستُ" میں موجود خاص قسم کا معنی نہیں دے رہا۔ "انس" یعنی "رَأیَ یُونِسُهُ" (دیکھا ایسی چیز کو جس سے انس رکھتا ہے) اسی آیت کی وجہ سے قرآن میں یہی مادہ حضرت موسیٰ (ع) کے متعلق (تاریک بیابان اور شدید سردی میں آگ کا دیکھنا) تین مرتبہ استعمال ہوا:

۱۔ طہ (۲۰) آیت ۱۰۔
۲۔ نمل (۲۷) آیت ۷۔
۳۔ قصص (۲۸) آیت ۲۹ اور ایک مرتبہ یتیموں کے بارے میں استعمال ہوا ہے۔

---

[1] ۔ الاعجاز البیانی للقرآن، ص ۱۹۳۔
[2] ۔ ایضاً، ص ۲۶۵۔
[3] ۔ قصص (۲۸) آیت ۲۹۔

﴿فَاِنۡ اٰنَسۡتُمۡ مِّنۡهُمۡ رُشۡدًا فَادۡفَعُوۡۤا اِلَيۡهِمۡ اَمۡوَالَهُمۡ﴾ [1]

"پھر اگر تم ان میں رشد عقلی پاؤ تو ان کے اموال ان کے حوالے کر دو۔"

یہاں بھی وہی لطیف معنی پایا جاتا ہے یعنی سب کا ہدف یہ ہونا چاہیے کہ یتیم رشد تک پہنچ جائیں۔ اس مقصد کے لیے سب سے پہلے ان کے کام اپنے ذمہ لے لیں؛ لیکن ان میں رشد کی علامات دیکھتے ہی خوش ہو جائیں اور ان کے اموال انہیں واپس لوٹا دیں۔ سورہ نور کی آیت ۲۷ میں "استیناس" بھی اسی معنی پر دلالت کر رہا ہے۔ [2]

یہ حیرت انگیز بالادستی اور عمومیت، قرآن میں جگہ جگہ پر ظاہر ہے اور فہم و فراست ان نکات کو تلاش کر سکتی ہے۔ من جملہ مقامات میں بنت الشاطی کا مورد توجہ مقام، سورہ ضحیٰ میں "کاف" ضمیر کا حذف ہونا ہے۔

﴿وَالضُّحٰى وَالَّيۡلِ اِذَا سَجٰىۙ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰىؕ﴾ [3]

"قسم ہے روز روشن کی اور رات کی جب (اس کی تاریکی) چھا جائے آپ کے رب نے آپ کو نہیں چھوڑا اور نہ ہی ناراض ہوا۔"

جس طرح کہ تیسری آیت میں مشاہدہ ہو رہا ہے کہ "ما ودّعك" میں کاف ضمیر مفعول ہے اور تیسرے شخص سے مربوط ہے اور پیغمبر اکرم ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے استعمال ہوئی ہے۔

---

[1] ۔ نساء (۴) آیت ۶۔

[2] ۔ الاعجاز البیانی للقرآن، ص ۲۵۷۔

[3] ۔ ضحیٰ (۹۳) آیت ۱۔۳۔

اس کے بعد جملہ ''و ماقلي'' کو ضمیر "ك" کے بغیر کیوں لایا گیا ہے؟ گذشتہ ادبی کتابوں میں اس کے حذف کرنے کی علت یہ بیان ہوئی ہے کہ اس کی وجہ سے صرف ''سجی''، ''اولی''، ''ترضی'' وغیرہ کی ''یا'' کے لفظی اور وزنی فاصلے کی خاطر ہے، لیکن بنت الشاطی اس کا سبب صرف لفظی تقارن اور ہم آہنگی سے بالاتر سمجھتی ہیں۔ ان کی نظر میں ''ماودَّعك'' کے سیاق کی "ك" پر دلالت کرنا اور اس سے (و ما قلی) کا خالی ہونا، ایک اور راز کا پتہ دے رہا ہے۔ مقام گفتگو خدا اور پیغمبر ﷺ کے درمیان مقام لطف اور انس ہے خدا واضح انداز میں نہیں کہنا چاہتا ''وماقلاك'' کیونکہ مادہ ''قلی'' کا معنی چھوڑ دینا، دور کرنا، کینہ اور غصہ کا شدید ہونا ہے؛ جبکہ "ك" مفعول کو ''ودعك'' میں لانا اشکال نہیں رکھتا؛ کیونکہ دوست بھی ایک دوسرے سے وداع کرتے ہیں اور چھوڑ دیتے ہیں۔ لیکن ہمیشہ واپسی کی امید اور ملاقات کی تمنا دل میں رکھتے ہیں۔[1]

کلام الٰہی میں موجود یہ خوبصورت اور بے شمار دقتیں اور ظرافتیں عظیم تفسیر ''المیزان'' کے مولف کی توجہ کا محور رہی ہیں۔ انہوں نے اپنی تفسیر کے آغاز میں ہی سورہ حمد کی تشریح میں اس نکتہ پر گہری توجہ کی ہے اور فرمایا کہ اس سورہ میں کلام کا آغاز غائبانہ طور پر خدا کی توصیف سے ہوا ہے۔

﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ﴾

''ثنائے کامل اللہ کے لیے ہے جو سارے جہاں کا پروردگار ہے جو رحمٰن و رحیم ہے، روز جزا کا مالک ہے۔''

---

[1] ۔ایضاً، ص ۲۵۰۔

پھر خدا وند متعال اور صفات کمال، ربوبیت اوراس کی وسیع رحمت کی طرف توجہ کی صورت میں خدا کی عبادت کرنے والا اپنے آپ کو مہربان خدا کی بارگاہ میں حاضر پاتا ہے اور اسی وجہ سے بے اختیار طور پر غائبانہ کلام، حضوری گفتگو میں تبدیل ہو جاتا ہے۔(غیبت سے حضور کی طرف توجہ)

﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾

پھر اس موقع پر طلب حاجت کے مقام میں تمام خوبیوں اور نعمتوں کا مانگنا اور تمام برائیوں کے دور ہونے کے لیے اس ذات سے درخواست کرتا ہے۔

﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلا الضَّالِّينَ﴾

"ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت فرما، ان لوگوں کے راستے کی جن پر تو نے انعام فرمایا جن پر نہ تیرا غضب ہوا اور نہ وہ گمراہ ہوئے۔"

اس درخواست میں بھی انتہائی دقیق کلام ادا ہوا ہے۔ یعنی جب نیک لوگوں پر خدا کے احسان کی بات ہوتی ہے تو فعل معلوم کی صورت میں استعمال ہوتا ہے اور اس کی نسبت خدا کی طرف ہوتی ہے۔ لیکن جب بات گناہ کاروں سے متعلق ہوتی ہے تو مفعول کے صیغے "مغضوب علیہم" اور فاعلی صفت "ضالین" کے ساتھ اور خدا کی طرف نسبت دیے بغیر ہوتی ہے؛ کیونکہ تمام نعمتیں خدا کی جانب سے اور تمام کمی وکاستی انسان کی طرف سے ہوتی ہے۔[1]

یہ بیانات اشارے اور اجمال کی صورت میں پیش کئے گئے ہیں یہ فقط قرآنی فصاحت و شیوائی کے خزانے پر طائرانہ نگاہ ڈالی ہے جبکہ اس کی تشریح بہت زیادہ تفصیل کی محتاج ہے۔

قرآن گنج است تو سخن سنج همین قربان گرد بر سر گنج

---

[1] ۔المیزان، ج ا۔

بر گنج بسی کنند قربان قربان شود پیش گنج قرآن.[1]

بلاغت

بلاغت کی تعریف یہ ہے کہ متکلم اپنی بات کو اس طرح ادا کرے کہ اس کے مقصد کو مکمل طور پر ادا کر رہی ہو، سامع کے مقام و موقعیت کے مناسب، روح کلام اور کے تقاضوں کے عین مطابق ہو۔ اگر سامع علم نہ رکھتا ہو تو کلام کو تفصیل سے پیش کرے؛ لیکن اگر وہ موضوع کے متعلق تھوڑا سا بھی علم رکھتا ہو تو ایجاز اور اختصار کا خیال رکھے۔ تفصیل اور ایجاز میں ہمیشہ میانہ روی کا خیال رکھے اور تھکا دینے والی تفصیل اور مراد کے مخالف ایجاز سے پرہیز کرے۔ اگر مخاطب تردید کا شکار ہو یا منکر ہو تو تاکید سے استفادہ کرے لیکن جہاں تردید نہ پائی جائے وہاں بغیر وجہ کے تاکید نہ لائے۔[2]

قرآن ان خصوصیات سے مکمل استفادہ کرتا ہے اور اسی وجہ سے اپنے مورد نظر معانی کو مخاطبین کی روح کی گہرائی میں اتار دیتا ہے اور ان کی کی فکر کو متاثر کرکے ان کو قلوب کو تسخیر کرلیتا ہے۔ کلام میں ایجاز، قرآن کی عظیم بلاغت کا ایک زاویہ ہے جو ابتدا ہی سے قرآن کے سامعین کی توجہ کا محور رہا ہے۔ ثعالبی قرآن مجید اور دوسروں کے کلام میں موازنہ کے دوران ایجاز قرآنی کی برتری پر تاکید کرتے ہوئے اس آیت کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

﴿وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَى سَوَاءٍ﴾[3]

"اور اگر آپ کو کسی قوم سے خیانت کا خوف ہو تو ان کا عہد اسی طرح مسترد کریں جیسے انہوں نے کیا ہے۔"

---

[1] ۔ خاقانی

[2] ۔ البلاغہ الواضحہ، ص ۹۔

[3] ۔ انفال (۸) آیت ۵۸۔

وہ لکھتے ہیں: ''اگر کوئی بھی بلیغ شخص چاہے کہ جن معانی کو یہ آیت بیان کر رہی ہے ادا کرے تب بھی اتنی کم مقدار میں کلام پیش نہیں کر سکتا اور ناگزیر اپنے کلام کو تفصیل اور وسعت کے ساتھ بیان کرے گا۔''[1]

علامہ طبرسیؒ سورہ یوسف کی ان آیات کی تشریح میں لکھتے ہیں:

﴿وَقَالَ الَّذِی نَجَا.....فَأَرْسِلُونِ. یُوسُفُ أَیُّهَا الصِّدِّیقُ أَفْتِنَا﴾[2]

''جس نے رہائی پائی تھی اس نے کہا..... مجھے (یوسفؑ کے پاس زندان) بھیج دیجئے۔ اے یوسف! اے بڑے راستگو! ہمیں (اس کی تعبیر) بتائیں۔

یہاں کلام میں ایجاز ہے اور اس کی اصل یہ ہے «فارسلون الی یوسف فارسل فاتی یوسف فی السجن و قال له ایها الصدیق»؛ مجھے یوسف کے پاس بھیجو، پس اسے بھیجا اور جب وہ زندان میں یوسفؑ کے پاس آیا تو اس نے کہا اے سچے شخص"[3]

علامہ طباطبائیؒ نے ایک دوسری آیت کی تفسیر کے ضمن میں اسی نکتے کو مورد توجہ قرار دیا ہے: {وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِی عَنِّی فَإِنِّی قَرِیبٌ أُجِیبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیبُوا لِی وَلْیُؤْمِنُوا بِی لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُونَ}[4]

---

[1] ۔الاعجاز والایجاز، ص ۱۳۔

[2] ۔یوسف (۱۲) آیت ۴۵۔۴۶۔

[3] ۔مجمع البیان، ج ۵، ص ۲۳۸۔

[4] ۔بقرہ (۲) آیت ۱۸۶۔

"اور جب میرے بندے آپ سے میرے متعلق سوال کریں تو (کہہ دیں کہ) میں (ان سے) قریب ہوں دعا کرنے والا جب مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں۔ پس انہیں بھی چاہئے کہ میری دعوت پر لبیک کہیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ راہ راست پر رہیں۔"

وہ لکھتے ہیں:

"یہ آیت اپنے مقصود و مطلوب کو خوبصورت ترین بیان، ظریف ترین اسلوب اور انتہائی کم عبارت کے ذریعہ پیش کررہی ہے۔ «احسن بیان لما اشتمل علیه من المضمون و ارق اسلوب و اجمله» کہ اس عبارت کا ایجاز یہ ہے کہ متکلم واحد کی ضمیر سات مرتبہ آئی ہے تاکہ مناجات اور خدا کے ساتھ انسان کے رابطے کے حوالے سے عنایت الٰہی کے کمال کو بیان کرے۔ اور "ناس" کی جگہ پر لفظ "عبادی" کو استعمال کرکے اپنی خاص عنایت کو اپنے بندوں پر نثار کیا ہے۔ اس عبارت میں جواب کے مقام پر کسی بھی فعل کا واسطہ نہیں بنایا اور یہ نہیں فرمایا: ﴿اذا سالك عبادی عنی فقل انه قریب﴾؛ تاکہ اپنے معنوی اور بلاواسطہ قرب کو بیان کرے اس پر اکتفاء نہیں کیا اور "انّ" کے لفظ کے ذریعے تاکید کی ہے بہ تحقیق میں قریب ہوں۔ "اقرب" فعل کی جگہ پر "قریب" صفت کو استعمال کیا ہے تاکہ قرب کے ثبوتی اور زیادتی والے معنی کو بیان کرے "اجیب" (میں قبول کروں گا) فعل مضارع، اجابت الٰہی کے استمرار پر دلالت کرتا ہے۔ "اذا دعان" یعنی جب بھی حقیقتاً مجھ سے طلب کریں، یعنی فقط یہی، بغیر کسی دوسری شرط کے۔"[1]

ایجاز قرآن کا ایک اور نمونہ ملاحظہ فرمائیں جب عالم آخرت میں مومنین کے وارد ہوتے ہی رحمت کے فرشتے ان کا عظیم استقبال کریں گے:

---

[1] المیزان، ج ۲، ص ۲۹۔

﴿وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ﴾ [1]

"اور فرشتے ہر دروازے سے ان کے پاس آئیں گے (اور کہیں گے) تم پر سلامتی ہو یہ تمہارے صبر کا صلہ ہے۔"

اس کلام کا اصلی متن یہ ہے کہ "قائلین لھم" یا "یقولون لھم سلام علیکم" لیکن ایجاز کی خاطر فرشتوں کی آمد کے بیان کے بعد بغیر فاصلے کے "سلام علیکم" کی تعبیر لائی گئی ہے اور باقی سب حذف کر دیا گیا ہے۔ قرآن کی بلاغت فقط ایجاز میں منحصر نہیں ہے بلکہ جہاں تفصیل کی ضرورت ہوتی تو تفصیل کی خوبصورتی اور فن بھی جلوہ گر ہو جاتا ہے۔

﴿وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَا مُوسَى قَالَ هِيَ عَصَايَ أَتَوَكَّأُ عَلَيْهَا وَأَهُشُّ بِهَا عَلَى غَنَمِي وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرَى﴾ [2]

"اور اے موسی! یہ آپ کے داہنے ہاتھ میں کیا ہے۔ موسیٰ نے کہا یہ میرا عصا ہے اس پر میں ٹیک لگاتا ہوں اور اس سے اپنی بکریوں کے لیے پتے جھاڑتا ہوں اور میرے لیے اس میں کئی اور فوائد بھی ہیں۔"

رات تاریک ہے اور موسم سرد اور ٹھنڈا ہے۔ حضرت موسی (ع) آگ کی تلاش میں ہیں تاکہ اپنی بیوی کو اس کے ذریعے حرارت پہنچائیں۔ اچانک دور سے ایک نور پر نگاہ پڑتی ہے۔ جلدی سے اس کی طرف جاتے ہیں ایک غیبی آواز کو سنتے ہیں اور اپنے آپ کو حقیقت ہستی کے حضور پاتے ہیں۔ خداوند عالم ان سے کلام کرتا ہے اور ان سے سوال کرتا ہے کہ اے موسیٰ تیرے ہاتھ میں کیا ہے۔ موسیٰ ایک کلمہ عصا کے ذریعے جواب دے سکتے تھے یا یہ کہہ سکتے تھے

---

[1] ۔ رعد (۱۳)، ص ۲۳۔۲۴۔

[2] ۔ طہ، (۲۰) آیت ۱۷۔۱۸۔

کہ ''یہ میرا عصا ہے'' لیکن اس پر اکتفا نہیں کیا؛ کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ سچے محبوب کے ساتھ ان کی گفتگو منقطع ہو جائے۔

معشوق کی خدمت میں اور گمشدہ کو پالینے کے مقام پر دلدادہ ہو جانے اور اطناب کا مقام ہے قرآن، حضرت موسیٰ (ع) کی زبان سے بیان کر رہا ہے کہ انہوں نے عرض کیا: یہ میرا عصا ہے اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور اس سے اپنی بکریوں کے لیے پتے جھاڑتا ہوں اور میرے لیے اس میں کئی اور فوائد بھی ہیں۔

ادبی کتابوں میں خوبصورت اور مناسب گریز ''حسن تخلص''، ''استطراد'' اور ''حسن ختام'' کے عنوان سے درج بلاغت قرآنی کے جلووں میں سے ایک ہیں:

{فَدَلاَّهُمَا بِغُرُورٍ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفَانِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَرَقِ الْجَنَّةِ... يَا بَنِي آدَمَ قَدْ أَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُوَارِي سَوْآتِكُمْ وَرِيشًا وَلِبَاسُ التَّقْوَى ذَلِكَ خَيْرٌ}[1]

''پھر فریب سے انہیں (اس طرف) مائل کر دیا جب انہوں نے درخت کو چکھ لیا تو ان پر ان کے شرم کے مقامات نمایاں ہوگئے اور جنت کے پتے اپنے اوپر جوڑنے لگے۔۔۔ اے فرزندان آدمؑ! ہم نے تمہارے لیے لباس نازل کیا جو تمہارے شرم کے مقام کو چھپائے اور تمہارے لیے آرائش بھی ہو اور سب سے بہترین تو لباس تقوی ہے۔''

ان آیات میں حضرت آدم (ع) اور ان کی زوجہ حضرت حوا علیہا السلام کی بہشتی زندگی کا تذکرہ ہے۔ یہاں تک کہ شیطان ان کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے۔۔۔ اور آخر کار حضرت آدم (ع) اور ان کی زوجہ اپنی عریانی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اپنے آپ کو جنتی درختوں کے پتوں سے ڈھانپنے کی جلدی کرتے ہیں۔ ان سے بعد والی آیات میں ''نعمت لباس'' اور ''ظاہری آرائش'' کے متعلق انتہائی مناسب اشارہ ہوا ہے اور اس کے ساتھ ''لباس تقویٰ و پارسائی اور باطنی تربیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔''

---

[1] ۔اعراف (۷)، آیت ۲۲۔۲۶۔

بلاغت قرآنی کی دوسری اقسام میں سے ایک ''تاکید'' کا استعمال ہے جیسا کہ ہم نے کہا کہ قانون بلاغت یہ ہے کہ بے جا تاکید سے پرہیز کیا جائے تو پھر قرآن میں مذکور یہ تمام قسمیں اور مختلف تاکیدات کس لیے ہیں؟ ان تاکیدوں میں کون سی لطافت مخفی ہے؟ اس کا راز یہ ہے کہ یہ کتاب ہستی کے ایسے عظیم حقائق کے بارے میں خبردار کر رہی ہے جو انسان کے محدود اور محسوس افق سے بالاتر ہے۔ یہ کتاب انسان کو دنیاوی زندگی سے زیادہ اہم اور اعلیٰ حیات اور حقیر خواہشات سے بلند اہداف کی جانب دعوت دے رہی ہے۔

{يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ} [1]

''اے ایمان والو! اللہ اور رسول ﷺ کی پکار پر لبیک کہو جب وہ تمہیں حیات آفرین باتوں کی طرف بلائیں۔''

یہ وہ چیز ہے جس سے انسان عام طور پر بچتا ہے، اسے اہمیت نہیں دیتا اور فراموش کر دیتا ہے، غفلت کرتا ہے، غیر ذمہ داری کا ثبوت دیتا ہے اور اپنی ذمہ داری سے ٹال مٹول کرنے کی وجہ بیان کرنے میں ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اس حوالے سے قرآن مناسب انداز میں اور ضرورت کے مطابق تاکید سے استفادہ کرتا ہے، سنجیدہ اور جھنجھوڑ دینے والی زبان اور مسلسل ارشادات کے ذریعے انسان کے بے حس و حرکت بدن میں جان ڈالنے کی سعی کرتا ہے اور اسے حرکت کی طرف کھینچتا ہے۔

مندرجہ ذیل چھوٹی سی سورہ کے بہت زیادہ اہمیت کے حامل موضوعات اور اس کی پے در پے تاکیدوں کے بارے میں غور و فکر کریں۔

{وَالْعَصْرِ إِنَّ الإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ إِلاَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ} [1]

---

[1] ۔ انفال (۸) آیت ۲۴۔

۱۔ قسم (والعصر)
۲۔انّ (بہ تحقیق)
۳۔ لفظ انسان پر الف اور لام جنس (یعنی سبھی انسان خسارے میں ہیں)
۴۔لام تاکید (لَ)
۵۔ ظرفیت کے لیے فی (انسان خسارہ نہیں اٹھاتا؛ بلکہ خسارے میں ڈوبا ہوا ہے)۔
۶۔ نکرہ کا استعمال (خسر، بہت زیادہ خسارہ، بہت زیادہ ہولناک)
۷۔ لفی خسر (انّ کی خبر جملہ فعلیہ کے بجائے جملہ اسمیہ کی صورت میں آئی ہے تاکہ خسارے کے استمرار اور ثبوت کے متعلق توجہ دلائے)

نظم واسلوب

قرآن کے مخاطبین، عربی زبان اور ادبیات سے واقف افراد اس حقیقت کے شاہد ہیں کہ قرآن کا اسلوب اور روش عام طور پر رائج عربی زبان کے مطابق نہیں ہے۔ قرآن کی عبارتیں متعارف نثر نہیں ہیں۔ اسی طرح نظم و شعر بھی نہیں ہیں۔ اس کے باوجود قرآن میں موجود خوبصورت تانین، شعر کی مانند ردیف اور قافیہ یا متوازن اور سجع دار نثر کے قرائن بھی پائے جاتے ہیں۔

«لایشبہ شی من کلامہ بکلام البشر.....[2] والمعجزۃ فی نظمہ»[3]

یہ اسلوب اپنے اندر ایک دیگر خصوصیت کو بھی چھپائے ہوئے ہے اور وہ یہ ہے کہ قرآن کی آیات اور عبارات کسی خاص موضوع اور محدود معانی پر مشتمل نہیں ہیں بلکہ معانی اور موضوعات کے ایک وسیع مجموعے کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں۔ عرب، قرآن سے آشنا ہوتے

---

[1] ۔ عصر (۱۰۳) آیت ۱۔۳۔

[2] ۔ بحار الانوار، ج ۸۹، ص ۱۰۷۔

[3] ۔ عیوان اخبار الرضا علیہ السلام، ج ۲، ص ۱۲۸۔

ہی قرآن کی موسیقائی ترنم سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے اور کبھی کبھار قرآن کو ادیبوں کے اشعار اور کاہنوں کی جادوئی باتوں سے موازنہ کرنے کے بعد قرآن کی حقانیت کا اعتراف کرتے اور قبول اسلام کے بعد اس نغمہ آسمانی کی قرائت اور تجوید کے عاشق ہوگئے اور پھر اُنہوں نے قرآن کی متوازن زبان اور اس کی زیبائیوں کی تلاش میں بہت زیادہ کوششیں کیں۔

قرآن میں موجود خوبصورتی اور زیبائی کے بارے میں قرآن کے ہم پلہ اور بلند مرتبہ کے حامل اہل بیت علیہم السلام کے کلام علاوہ ابو عبیدہ معمر بن المثنی [1] (۲۰۹ھ) کی کتاب "مجاز القرآن" فرّایحیٰ ابو زکریا الدیلمی (۲۰۸ھ) کی "معانی القرآن" اور ابن قتیبہ ابو محمد عبداللہ (۲۷۶ھ) کی "تأویل مشکل القرآن" ابتدائی دور کی بہترین تالیفات میں سے شمار کی جاسکتی ہیں جو اسلوب قرآن اور اس کی خاص روش کے متعلق تحریر کی گئی ہیں۔

ابو عبیدہ قرآن کی لطیف تعابیر اور اس کی نظم کی وجوہ کا عرب کی رائج ادبیات کے ساتھ موازنہ کرنے کے بعد اس نکتے پر تاکید کرتے ہیں کہ قرآن کا مثل و نظیر تلاش نہیں کیا جاسکتا۔ فرّا، قرآن کی ترکیب اور اعراب کے بارے میں بحث کرتے ہیں اور اس کے کنایہ، استعارہ، تشبیہ، مجاز و التفات کو بیان کرتے ہیں اور الفاظ قرآنی کے دلربا نغموں، نظم، وزن، انسانی حس اور ضمیر پر اس کے حیران کن اثر کو مورد توجہ قرار دیتے ہیں۔ ابن قتیبہ نے بھی قرآن کے الفاظ کی کڑیوں کی طرح ترتیب، روانی، شرینی، خوش گواریت اور دلوں میں حیرت انگیز تاثیر کو توجہ کا محور قرار دیا ہے، وہ کہتے ہیں:

"خداوند نے قرآن کو اس کے حیرت انگیز نظم کے ذریعے ممتاز کیا ہے اور ایسا بنایا ہے کہ سارا قرآن تلاوت کیا جاسکتا ہے اور کسی قسم کے ملال اور تھکن کا باعث نہیں بنتا۔ قرآن قابل

---

[1] ۔ابو عبیدہ معمر بن المثنیٰ "مجاز القرآن" تحقیق محمد فواد سزگین، مکتبہ خانجی۔

سماعت ہے، کانوں کو ناخوش گوار محسوس نہیں ہوتا۔ تروتازہ اور پر لطف ہے۔ زیادہ اور بار بار قرائت سے پرانا اور فرسودہ نہیں ہوتا۔''[1]

اسی زمانے میں مشہور ادیب اور معتزلی دانشور جاحظ پہلی بار ''نظم القرآن'' کے نام سے مستقل کتاب تحریر کرتے ہیں۔[2]

اسی طرح ابو سعید عبدالملک اصمعی (۲۱۳ھ) اور ابو عبید قاسم بن سلّام (۲۲۳ھ) کا بھی ان افراد میں سے شمار ہوتا ہے جنہوں نے اس زمانے میں قرآن کی موسیقائی زبان کے متعلق بحث کی ہے۔ ان کے بعد ابو العباس بن المعتز (۲۹۶ھ) کتاب ''البدیع'' میں قرآن کے وزن اور اس کی سر کے بارے میں بحث کرتے ہیں۔ لغوی، نحوی اور معتزلی متکلم ابوالحسن علی بن عیسی الرمانی (۳۷۴ھ) نے بھی اپنے رسالے ''النکت'' میں الفاظ، روش، نظم واسلوب، دلوں میں

«معجز بالفاظه و اسلوبه و نظمه و اثره فی النفوس... فاعلاها طبقه فی الحسن بلاغة القرآن..»

تاثیر کے حوالے سے قرآن کی عظمت اور اعجاز کو تسلیم کیا ہے اور بلاغت قرآن کو خوبصورتی کے اعلی مرتبہ پر فائز شمار کیا ہے۔[3]

ابو سلیمان حمد بن محمد بن ابراہیم الخطابی بستی (۳۸۸ھ محدث، فقیہ شاعر نیشاپوری کے ہم عصر) نے قرآن کے نظم، لفظی اور معنائی سازگاری کو مورد تاکید قرار دیا ہے۔ اُن کی نگاہ میں

---

[1] ۔ تاویل مشکل القرآن، تحقیق سید احمد صقر، دار التراث مصر، ص ۱۰۔

[2] ۔ گولڈ زیہر، عبدالحلیم النجار، مذاہب تفسیر الاسلامی، قاہرہ، ص ۱۴۴۔

[3] ۔ الرمانی والخطابی و عبدالقاہر، ثلاث رسائل فی اعجاز القرآن، ص ۶۹۔ ۱۰۴۔

قرآن دلکشی اور استواری میں یکتا اور مٹھاس، تحریک و تحرک، پیوستگی اور خوش اسلوبی میں ایک برترین کلام ہے۔[1]

ان کی رائے میں قرآن کی زبان، فخامت، جزالت اور متانت کے باوجود سادہ اور سلیس ہے ایسی حیرت انگیز نفسیاتی اور لاثانی خاصیت پر مشتمل ہے جو دلوں کو شدت سے ہلا دیتی ہے۔ کبھی نشاط اور مسرت پیدا کرتی ہے اور کبھی خوف اور ہراس ڈال دیتی ہے۔[2]

جاحظ کے بعد عربی ادبیات کے نقاد ابو ہلال عسکری (۳۹۷ھ) اپنی کتاب "الصناعتین" میں قرآن کی بے بدل ساخت کے بارے میں لکھتے ہیں: "اعجاز قرآن کا جلوہ، اس کی بہترین تحریک کلمات و عبارات کے دلکش ارتباط، ایجاز بدیع، لطیف اختصار، شیرینی اور دلنشینی، رونق و طراوت، آسانی، پُر مطلب ہونا، گوارائی، اور روانی کو صرف علم بلاغت اور فصاحت کے وسیلے سے ہی سمجھا جاسکتا ہے۔ ایسی خوبصورتی کہ جو عام لوگوں کے بس سے باہر اور جس میں ان کی فکر و سوچ متحیر ہے۔"

اشعری متکلم ابن الطیب باقلانی (۴۰۳ھ) نے بھی اپنی کتاب "اعجاز القرآن" میں قرآن کی زبان کو نہ صرف عرب کے سارے فصیح کلام سے برتر مانا ہے بلکہ ماہیت کے لحاظ سے دیگر عربی فصیح کلام سے جدا اور اس دور میں رائج نظم و اسلوب سے بھی خارج تسلیم کیا ہے۔[3]

اسی وجہ سے باقلانی نے نظم قرآن کو کلام بشر میں موجود عادی نظم کے پیمانوں سے یکسر خارج قرار دیا ہے:

---

[1] ۔ایضاً، ص ۲۴۔

[2] ابو ہلال عسکری، کتاب الصناعتین الکتابہ والشعر، محمد علی صبیح واولادہ مصر، ص ۲۔

[3] ۔الباقلانی، اعجاز القرآن تحقیق، سید احمد صقر، مصر، دار المعارف، ص ۳۰۰۔

«ولقد كان فی نظم القرآن معجزاً لان نظمه خارج عن جميع وجوه النظم المتعادة فی كلامهم» [1]

ان کے بعد نوبت عبدالقاہر جرجانی (۴۷۴ھ) تک پہنچتی ہے جو مشہور اشعری متکلم اور عربی بلاغت کے بانیوں اور اسلوب و روش قرآنی کی شرح کرنے والوں میں سے ایک ہیں۔ جرجانی اپنی دو بہترین کتابوں "اسرار البلاغہ" اور "دلائل الاعجاز" میں قرآن کی اعجاز بیانی کو مفردات و فواصل، اوزان و استعارات اور بدیع کی تمام اقسام میں ہی نہیں بلکہ اس کے لفظی اور معنائی حیرت انگیز نظم میں سمجھتے ہیں۔

عبدالقاہر کی رائے میں نظم، لفظی زیبائیوں سے بہت زیادہ فراخ اور وسیع ہے۔ کلام کی معنائی ہدایت اور اس کی ظرافتیں بھی اس دائرے کی کرنیں ہیں اور نظم قرآنی میں دو عنصر لفظ و معنی کے درمیان ایک نہ ٹوٹنے والا رابطہ پایا جاتا ہے۔ ذہن اور زبان کے درمیان ایک گہرا ارتباط ہے۔ ذہن اپنے اندر چھپے مختلف معانی کو بیان کرنے کے لیے متناسب زبانی علامات کا استعمال کرتا ہے۔ زبان، ایک وسیلہ بلکہ سوچ کی علامت اور اس پر دلالت کرتی ہے۔ ہر مجموعہ کلام چاہے بڑا ہو یا چھوٹا ایک خاص معنی پر دلالت کرتا ہے اور معانی میں کمترین تبدیلی سے اسی طرح اپنے آپ کو کلمات کی تبدیلی اور الفاظ کی ترکیبات کے ذریعے ظاہر کرتا ہے اور اس کے برعکس الفاظ میں کم سے کم تغییر، معانی میں تبدیلی کی علامت ہے اور لفظ و معنی ایک جان و بدن کی طرح ہیں جو ایک دوسرے کے ساتھ ایک ترکیبی ارتباط رکھتے ہیں۔ زبان مندرجہ ذیل ترتیب میں دیئے گئے مجموعوں سے تشکیل پاتی ہے۔ حروف، آواز، حروف کو اعراب سے پڑھنا، الفاظ، کلمات، ان کا مجموعہ، جملات۔

عبدالقاہر کے نظریہ نظم کی بنیاد پر زبان فقط ابتدائی رائج عناصر جیسے فعل و فاعل و مفعول و مسندالیہ و مسند و رابط و قید و صفت و متمم سے تشکیل نہیں پاتی بلکہ بعض دیگر چیزیں جیسے تقدیم و

---

[1]۔ایضاً، ص ۷۵۔

تاخیر، حذف، تکرار، تعریف و تنکیر، اخمار و اضمار، ایجاز و اطناب، حقیقت و مجاز، تشبیہ و استعارہ، کنایہ و ابہام، حصر و اطلاق و تاکید وغیرہ پائی جاتی ہیں جن میں سے ہر ایک اپنی جگہ پر معانی سے تعلق رکھتی ہیں۔ زبان اپنی علامتوں اور نشانیوں کا ایک نہ ختم ہونے والا خزانہ ہونے کے ساتھ ذہن کا نمائندہ ہے۔

صفحہ ذہن پر مشکل معانی کے علاوہ انتہائی آسان معانی، لطائف اور بے شمار ظرافتیں پائی جاتی ہے جو زبان کے ساتھ بیان ہوتی ہیں اور زبان کی مختلف اور متنوع عبارتیں، متنوع ذہنی معانی کو ظاہر کرتی ہیں۔ ذہن جتنا زیادہ چالاک اور تیز ہوگا زبان دقیق سے دقیق تر ہوتی جائے گی

قرآن کے خاص اسلوب کا ایک نمونہ "سجع" کی بجائے "فاصلہ" یا مرکزی عنوان شمار کیا ہے جو قرآنی مخصوص نغموں کے یک نوا ہونے کا سبب ہے۔ البتہ اس خاصیت کے ساتھ کہ اولاً جو چیز مرکزی کردار کی حامل ہے وہ معنی ہے نہ صرف لفظ: یعنی فواصل قرآن فقط یک لفظی ہم آہنگی کا نام نہیں ہے بلکہ اس سے بھی عام تر، ایک مخصوص معنائی نظم اس کے پیراگرافوں کے درمیان تابندہ ہے اور معانی کے تناسب سے مختلف ہوتا رہتا ہے۔ ثانیاً یہ فواصل سہل آزاد اور بے تکلف ہیں۔[1]

سجع اور قافیہ، علم بدیع کی اصطلاح میں یہ ہے کہ متکلم اپنے کلام میں ہم وزن اور متوازن کلمات سے استفادہ کرے۔ نثر میں سجع شعر والے قافیہ کا حکم رکھتی ہے اور قرآن کے حوالے سے "سجع" کے بجائے کلمہ "فاصلہ" کو استعمال کرتے ہیں۔[2]

سجع کی تین قسمیں ہیں:

ا۔ سجع متوازی: یہ ہے کہ جملوں کے آخری کلمات وزن (ہجا) اور حروف رویّ[1] میں مطابقت رکھتے ہوں جیسے کاروبار، خامہ و نامہ۔ قرآن مجید کے ان فواصل کی مثالیں یہ آیات ہیں۔

---

[1] ۔ الاتقان نوع ۵۹، نیز بنت الشاطی، الاعجاز البیانی، ص ۲۳۹۔

[2] ۔ بدرالدین زرکشی، البرہان فی علوم القرآن، نوع سوم، ج ۱، ص ۱۴۹، تحقیق مرعشلی۔

﴿فِيهَا سُرُرٌ مَرْفُوعَةٌ وَأَكْوَابٌ مَوْضُوعَةٌ﴾ [2]

﴿فِي سِدْرٍ مَخْضُودٍ وَطَلْحٍ مَنْضُودٍ وَظِلٍّ مَمْدُودٍ﴾ [3]

﴿وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا وَالْقَمَرِ إِذَا تَلَاهَا وَالنَّهَارِ إِذَا جَلَّاهَا وَاللَّيْلِ إِذَا ..... سُقْيَاهَا﴾ [4]

۲۔ سجع مطرّف: یہ ہے کہ جملات کے آخری الفاظ حرف رویّ میں ایک ہوں لیکن وزن میں مختلف ہوں۔ جیسے کار و شکار، مال و آمال، شانہ و نشانہ، قرآن کریم کے فواصل میں سے مندرجہ ذیل نمونوں کو بعنوان "سجع مطرف" شمار کیا جاسکتا ہے۔

﴿مَا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلَّهِ وَقَارًا وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا﴾ [5]

﴿وَالصُّبْحِ إِذَا أَسْفَرَ إِنَّهَا لَإِحْدَى الْكُبَرِ نَذِيرًا لِلْبَشَرِ لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ أَنْ يَتَقَدَّمَ أَوْ يَتَأَخَّرَ﴾ [6]

﴿أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ أَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِي تَضْلِيلٍ وَأَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا أَبَابِيلَ تَرْمِيهِمْ بِحِجَارَةٍ مِنْ سِجِّيلٍ﴾ [7]

---

[1] ۔رویّ، سیراب کرنے والا بادل، اصطلاح عروض میں، قافیہ کے حرف اصلی کو کہا جاتا ہے۔ جس پر قافیہ کا دار ومدار ہوتا ہے جیسے حرف "ر" نشر، زیر، در، وغیرہ ہیں۔

[2] ۔غاشیہ (۸۸) آیت ۱۳۔۱۴۔

[3] ۔واقعہ (۵۶) آیت ۲۸۔۳۰۔

[4] ۔شمس (۹۱) ۱۔۱۲۔

[5] ۔نوح (۷۱) آیت ۱۳۔۱۴۔

[6] ۔مدثر (۷۴) آیت ۳۴۔۳۷۔

[7] ۔فیل (۱۰۵) آیت ۱۔۴۔

۳۔ سجع متوازن: یہ ہے کہ جملات کے آخری کلمات وزن میں ایک اور حرف رویّ میں مختلف ہوں جیسے کار و کام، نہال و بہار، شریف و کریم۔ فواصل قرآنی میں سے "سجع متوازن" کی تین نشانیوں پر غور کریں:

﴿وَآتَيْنَاهُمَا الْكِتَابَ الْمُسْتَبِينَ وَهَدَيْنَاهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ﴾ [1]

﴿وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الطَّارِقُ النَّجْمُ الثَّاقِبُ إِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ﴾ [2]

{وَ الطُّورِ وَ كِتَابٍ مَسْطُورٍ فِی رَقٍّ مَنْشُورٍ وَ الْبَیْتِ الْمَعْمُورِ وَ السَّقْفِ الْمَرْفُوعِ وَ الْبَحْرِ الْمَسْجُورِ} [3]

اس سورہ کی مختلف آیات میں تنوع کے باوجود، کلام کا مخصوص سر اور تان محفوظ اور ملموس ہے۔ یہ خاصیت دوسری مختلف آیات اور سورتوں میں بجا طور پر ظاہر ہے اور کلام کے حروف و کلمات و مقصود، لحن کے مساوی معانی منعکس ہو رہے ہیں اور پڑھنے والے کے ذہن کو بے اختیار اپنے ساتھ مانوس کر لیتے ہیں۔ چاہے کلام ذمہ داری کے متعلق ہو۔

{یَا بُنَیَّ أَقِمِ الصَّلاَةَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلَى مَا أَصَابَكَ إِنَّ ذَلِكَ مِنْ عَزْمِ الأُمُورِ} [4]

خواہ دلیل و حجت، استدلال اور ایک غلط فکر کو مسترد کرنے کے موقع پر ہو۔

---

[1] ۔صافات (۳۷) آیت 117۔118۔

[2] ۔طارق (۸۶) آیت ۱۔۴۔

[3] ۔طور (۵۲) آیت ۶۔

[4] ۔لقمان (۳۱) آیت ۱۷۔

{يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوا لَهُ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللهِ لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوِ اجْتَمَعُوا لَهُ وَإِنْ يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَا يَسْتَنْقِذُوهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ} [1]

چاہے بشارت اور ترغیب کے موقع پر ہو۔

{وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ غَيْرَ بَعِيدٍ. هَذَا مَا تُوعَدُونَ لِكُلِّ أَوَّابٍ حَفِيظٍ. مَنْ خَشِيَ الرَّحْمَنَ بِالْغَيْبِ وَجَاءَ بِقَلْبٍ مُنِيبٍ. ادْخُلُوهَا بِسَلَامٍ ذَلِكَ يَوْمُ الْخُلُودِ. لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ فِيهَا وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ} [2]

خواہ توجہ اور تنبیہ کرنے کے مقام پر:

{فَإِذَا جَاءَتِ الصَّآخَّةُ.....هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ} [3]

یا انبیائے الٰہی کی بہترین سیرت کی خبر دیتے ہوئے:

{قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللهِ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا.....وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا شَقِيًّا} [4]

نگارش کے ایک دوسرے طریقے سے فواصل کے بارے میں لکھی گئی بعض تالیفات میں اس کو ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ [5]

---

[1] ۔حج (۲۲) آیت ۷۳۔

[2] ۔ق (۵۰) آیت ۳۱۔۳۵۔

[3] ۔عبس (۸۰) آیت ۳۳ و ۴۲۔

[4] ۔مریم (۱۹) آیت ۳۰ و ۳۲۔

[5] ۔عباس اعرابی ہاشمی، نگارش میں آیات الٰہی کا نظم جزء ۲۹ و ۳۰۔

فواصل کے علاوہ، قرآن کے جمالیاتی بیان میں دیگر ایجادات بھی فراوان طور پر پائی جاتی ہیں جو قرآن کی عظمت ترکیبی کو جلاء بخشتی ہیں اور مخاطب کے ضمیر کو اپنا عاشق اور محب بنالیتی ہیں۔ان ایجادات میں سے ایک "جناس" ہے جو خود بھی مختلف اقسام پر مشتمل ہے۔

جناس یا ہم جنس ہونا: اصطلاح بدیع میں یہ ہے کہ متکلم اپنی بات میں دو کلمات استعمال کرے جو تلفظ میں ایک دوسرے کے مشابہ یا ہم جنس ہوں مگر معنی میں مختلف ہوں۔ جیسے :

بهرام که گور می‌گرفتی همه عمردیدی که چگونه «گور» بهرام گرفت

جناس تام: یہ ہے کہ الفاظ بولنے اور لکھنے میں ہم جنس ہوں (یعنی حروف و حرکات) ایک ہوں اور معنی میں مختلف ہوں جیسے فارسی میں لفظ "شیر" اور عربی میں کلمہ "عین" جناس تام

قرآنی مثال میں کلمہ "ساعة" میں جلوہ گر ہوئی ہے۔ {وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُونَ مَا لَبِثُوا غَيْرَ سَاعَةٍ كَذَٰلِكَ...} صافات (۳۷) آیت 72-73۔

جناس ناقص: یہ ہے کہ جناس کے ارکان، حروف میں ایک اور حرکت میں مختلف ہوں۔ قرآن میں جناس ناقص ملاحظہ فرمائیں :

{وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا فِيهِمْ مُنْذِرِينَ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِينَ}[1]

جناس زائد: یہ ہے کہ ہم جنس کلمات میں ایک کلمہ میں دوسرے کلمہ سے ایک حرف زیادہ ہو۔ وہ حرف زائد کبھی کلمہ کے اول میں ہوتا ہے جیسے (ع) تاب و عتاب میں اور کبھی آخر کلمہ میں جیسے (ہ) جام، جامہ ، نام، نامہ اور کبھی حرف زائد کلمہ کے وسط میں ہوتا ہے جیسے (ا) قامت و قیامت، جناس زائد کو قرآنی مثال میں نظارہ کرنے کے لیے سورہ قیامت کی ان آیات کو دیکھیں:

{كَلَّا إِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ وَقِيلَ مَنْ رَاقٍ وَظَنَّ أَنَّهُ الْفِرَاقُ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ إِلَى رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمَسَاقُ} [1]

جناس خط : یہ ہے کہ جناس کے ارکان کتابت میں ایک جیسے اور تلفظ اور نکتہ گذاری میں مختلف ہوں۔ جیسے بیمار و بیمار۔

اس آیت میں جناس خط کے استعمال کے متعلق اوج جمال و زیبائی موجود ہے :

{الَّذِي خَلَقَنِي فَهُوَ يَهْدِينِ وَالَّذِي هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِ وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ وَالَّذِي يُمِيتُنِي ثُمَّ يُحْيِينِ} [2]

جناس مضارع: یہ ہے کہ جناس کے دو رکن پہلے حرف میں یا درمیانی حرف میں مختلف ہوں۔ پس اگر دو حروف کا مخرج ایک دوسرے کے نزدیک ہو تو جناس مضارع یا مشابہ کہا جاتا ہے۔ جیسے حروف (ر،ل) اور (ب، پ) مندرجہ ذیل آیات جناس مضارع پر مشتمل ہیں اور بہت زیادہ زیبائی اور دلربائی سے بہرہ مند ہیں :

{وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْأَوْنَ عَنْهُ...} [3]

{ذَلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُونَ فِي الأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُونَ} [4]

{وَإِنَّهُ عَلَى ذَلِكَ لَشَهِيدٌ وَإِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ} [5]

---

[1] ۔ قیامت (۷۵) آیت ۲۶۔۳۰۔

[2] ۔ شعراء (۲۶) آیت ۷۸۔۸۱۔

[3] ۔ انعام (۶) آیت ۲۶۔

[4] ۔ غافر (۴۰) آیت ۷۵۔

[5] ۔ عادیات (۱۰۰) آیت ۷۔۸۔

جناس لفظ : یہ ہے کہ ہم جنس کلمات تلفظ میں ایک جیسے اور کتابت و معنی میں مختلف ہوں، جیسے خوار، خار یا جیسے ناضرہ و ناظرہ اس خوبصورت آیت شریفہ میں آیا ہے :

{وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ} [1]

جناس قلب : یہ ہے کہ ایسے الفاظ کا استعمال جن کے حروف بر عکس اور معکوس لائے جائیں۔ جیسے شارع وشاعر، گنج وجنگ، اس منظر کے لیے اسی چھوٹی آیت پر نگاہ دوڑائیں :

{وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ} [2]

اشتقاق و شبہ اشتقاق : اشتقاق یہ ہے کہ نظم یا نثر میں ایسے الفاظ لائے جائیں جن کے حروف متجانس اور ایک دوسرے کے مشابہ ہوں۔ خواہ ایک مادے سے مشتق ہوں جیسے رسول، رسائل یا ایک مادہ سے مشتق نہ ہوں مگر ان کے حروف اس قدر شبیہ اور ایک دوسرے کے نزدیک ہوں کہ ظاہر میں اشتقاق کا گمان گذرے، جیسے زمان اور زمین، مندرجہ ذیل دو آیات جمالیاتی بیان کی جلوہ نما ہیں۔

{يَا أَسَفَىٰ عَلَىٰ يُوسُفَ} [3]

{أَأَنْتُمْ تَخْلُقُونَهُ أَمْ نَحْنُ الْخَالِقُونَ} [4]

طباق : متقابل کلمات کے درمیان جمع کرنے کو کہتے ہیں ان آیات میں ظاہر ہو رہا ہے :

{لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ} [1]

---

[1] ۔ قیامت (۷۵) آیت ۲۲۔ ۲۳۔

[2] ۔ مدثر (۷۴) آیت ۳۔

[3] ۔ یوسف (۱۲) آیت ۸۴۔

[4] ۔ واقعہ (۵۶) آیت ۵۹۔

{لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ...} [2]

{وَتَحْسَبُهُمْ أَيْقَاظًا وَهُمْ رُقُودٌ...} [3]

تناسب اور تطابق سے استفادہ، آیت ذیل کو ایک نئی طراوت اور حلاوت بخش رہا ہے:

{...يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ...} [4]

مشاکلہ جس کا حُسن اس آیت میں نمایاں ہے:

{وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللهُ وَاللهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ} [5]

عکس و تبدیل کہ جس کا مندرجہ ذیل آیت میں استعمال عروج پر نظر آرہا ہے:

{مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِنْ شَيْءٍ وَمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِنْ شَيْءٍ...} [6]

تصدیر: کلام کے اختتام کو آغاز کی طرف پلٹانا کہ اسے "رد العجز علی الصدر" بھی کہتے ہیں۔ اس زاویہ سے درج ذیل آیت کی خوبصورتی حیرت انگیز ہے:

{...وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ} [7]

---

[1] ۔ حدید (۵۷) آیت ۲۳۔

[2] ۔ بقرہ (۲) آیت ۲۸۶۔

[3] ۔ کہف (۱۸) آیت ۱۸۔

[4] ۔ اعراف (۷) آیت ۱۵۷۔

[5] ۔ آل عمران (۳) آیت ۵۴۔

[6] ۔ انعام (۶) آیت ۵۲۔

[7] ۔ آل عمران (۳) آیت ۸۔

مثالوں کی رعایت کرنا اس آیت کی خوبصورتی کو سوگنا کر رہی ہے :

﴿أَفَلَا يَنْظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ وَإِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعَتْ﴾ [1]

معانی کو مجسم کرنا

پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے کہ قرآن کی زیبائی، معانی کے ساتھ گہرا ارتباط رکھتی ہے۔

علم اصوات، ہجا کے متغیرات، علم المعانی اور معانی کے متغیرات سے مخلوط ہیں۔ حرکت و سکون، مخارج حروف، مد و شد و غنہ، فواصل اور تجویدی قواعد اور الفاظ کا ہندسی اختلاف، آیات کی نغماتی موسیقی، سیاق معانی اور مفہوم کلام کے ساتھ تناسب کی وجہ سے بدل جاتی ہے۔ عظمت قرآن صرف اسی میں نہیں؛ بلکہ علامہ طباطبائیؒ کی تعبیر اور عبدالقاہر جرجانی کے نظریہ نظم کے مطابق قرآن کی بے نظیر عظمت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ الفاظ کا جزء جزء اور ذرہ ذرہ معانی کے ساتھ تنظیم ہو اور لفظ اور معنی حقیقی و واقعی امور کے ساتھ مطابقت رکھتے ہوں۔ اس بناپر بہترین کلام وہ ہے جس میں لفظ کی خوشگواری، روش و اسلوب کی استواری، معنی کی درستگی اور حقائق جمع ہوں اور اجزائے کلام میں کسی قسم کا اختلاف پیش نہ آئے۔ [2]

یہی وہ چیز ہے جو قرآن میں جلوہ گر ہو رہی ہے۔ قرآن، بلند مرتبہ اور متعالی حقائق کا ترجمان ہے۔ ایک خیالاتی اور جذباتی رسالہ نہیں ہے۔ یہ کتاب حقائق کے بیان میں اس قدر زیادہ آرائش اور ہوش اڑا دینے والی سجاوٹ و خوبصورتی پر مشتمل ہے کہ اپنے مخاطبین کو بے

---

[1] ۔ غاشیہ (۸۸) آیت ۱۷۔۱۸۔

[2] ۔ المیزان، ج ۱، ص ۱۷: "الکلام الجامع بین عذوبة اللفظ و جزالة الاسلوب و بلاغة المعنی و حقیقة الواقع هو ارقی الکلام.... موتلف الاجزاء و متحد الارکان"

اختیار معنی کی گہرائی تک لے جاتی ہے اور معانی کی حقیقت اور عینیت کو ان کی نگاہوں میں متصور اور مجسم کر دیتی ہے اور ان کی بیرونی حس اور اندرونی شعور کو تحریک اور تسخیر کر لیتی ہے۔

﴿... فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ...﴾[1] کے ذیل آٹھویں صدی میں کے دانشور طیّبی لکھتے ہیں: ''اس کلام میں اطناب عبارت ''مِنْ فَوْقِهِمْ'' کے ذریعے کلمہ سقف کے باوجود ظاہراً اس کی ضرورت نہیں تھی اس دہشت ناک واقعہ کو بیان کیا ہے ۔ «ليصوّر الحالة الفظيعة الهائله...»''[2]

﴿فَأَصْبَحَ فِي الْمَدِينَةِ خَائِفًا يَتَرَقَّبُ﴾[3]

یہ آیت موصوف شخص کے مقام اور اس کی روحی حالت کی توصیف پر مشتمل ہونے کے علاوہ ، مخارج حروف، کلمات کے خاص انتخاب ، چناؤ، آواز، اور ایسے نشیب و فراز کی مالک ہے جو معنی کو کمال لطافت سے بیان کر رہے ہیں۔ بکری شیخ امین اس بارے میں لکھتے ہیں:

''«الكلمة تبعث في خيالك صورة المعنى محسوساً مجسّماً دون حاجة للرجوع الى معاجم اللغة»''[4]

---

[1] ۔ نحل (۱۶) آیت ۲۶۔

[2] التبیان فی تفسیر القرآن، ص ۱۵۹۔

[3] ۔ قصص (۲۸) آیت ۱۸۔

[4] ۔التعبیر الفنی فی القرآن، ص ۱۵۹۔

احمد احمد بدوی کی رائے کے مطابق خاکہ پیش کرنے میں قرآن کا جمالیاتی ہنر اس مندرجہ ذیل آیت میں جلوہ افروز ہے: ﴿إِنَّا نَخَافُ مِنْ رَبِّنَا يَوْمًا عَبُوسًا قَمْطَرِيرًا﴾[1]

''اس آیت کے لفظ لفظ سے گزشتہ ایام کی سختی کا احساس ہو رہا ہے اور اس کا بھی عروج ثقیل مخرج سے ادا ہونے والے حرف ''طا'' سے لمس کیا جاسکتا ہے۔''[2]

ڈاکٹر صبحی صالحی اس بارے میں کہتے ہیں:

''قرآن کے حوالے سے کلمات اور ادبی قواعد کی سطح سے عام ایک واقعیت سے ہمارا سامنا ہے۔ قرآن میں تعبیروں کا مجموعہ کلماتی، الہامات اور داستانوں کی رنگین تصویر اور علامات و نشانیاں، خارج میں پائی جانے والی جاندار حقیقتوں کے ساتھ ساتھ تمام واقعات کو کاملا پیش کر رہا ہے گویا ان حوادث کے مرکزی کردار ابھی مرے نہیں بلکہ زندہ ہیں۔''[3]

قرآن نے اپنے برتر اور ماورائے طبیعت معانی کو مجسم کرنے کے لیے اور لوگوں کی سمجھ بوجھ کے مطابق بنانے کے لیے حقیقی نمونوں کی بہت زیادہ تمثیل اور تشبیہ استعمال کی ہے اور کنایہ و استعارہ سے وافر مقدار میں استفادہ کیا ہے کہ ایک طرف عظیم خوبصورتی کو جنم دے رہا ہے اور دوسری طرف بلند مرتبہ حقائق کو سمجھانے کا ایک مناسب وسیلہ ہے۔

تشبیہ: تشبیہ کا معنی ہے کہ ایک چیز کو دوسری چیز کی صفت یا کیفیت میں ایک جیسا کر دینا ہے۔ تشبیہ کے چار ارکان ہے:

۱۔ مشبّہ: وہ شخص یا چیز جسے کسی صفت میں دوسرے شخص یا چیز سے تشبیہ دی گئی ہو۔

۲۔ مشبّہ بہ: وہ شخص یا چیز جس کے ساتھ اس کے مشبّہ بہ کو تشبیہ دی جائے۔

---

[1] ۔ دھر (۷۶) آیت ۱۰۔

[2] ۔ من بلاغۃ القرآن، ص ۹۹۔

[3] ۔ مباحث فی علوم القرآن، ص ۱۲۹۔

۳۔وجہ شبہ: مشبّہ اور مشبّہ بہ کے مابین مشترک صفت یا کیفیت کو کہتے ہیں۔

۴۔ادوات تشبیہ: ایسے الفاظ جو تشبیہ پر دلالت کریں جیسے ''میرے دوست کا چہرہ، آفتاب کی مانند چمکتا ہے'' میں مندرجہ بالا چار ارکان پائے جاتے ہیں:

دوست کا چہرہ	مشبّہ
مانند	ادات تشبیہ
آفتاب	مشبّہ بہ
چمکتا ہے	وجہ شبہ

تشبیہ کا بنیادی ہدف اور مقصد یہ ہے کہ متکلم کے مطلوبہ معنی کو مجسم کرکے سامعین کی آنکھوں کے سامنے لائے۔معروف ادیب سکاکی نے اغراض تشبیہ کو ان امور میں بیان کیا ہے:

ایک: مشبّہ کے ممکن ہونے کی وضاحت۔

دو: مشبّہ بہ کی خاص صفت کی وضاحت۔

تین: شدت یا نرمی کے لحاظ سے وضاحت جیسے ہٹ دھرم گمراہوں کے دلوں کو پتھر سے تشبیہ دی گئی ہے۔﴿فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً﴾[1]

چار: مشبّہ کی شرافت یا گھٹیا پن کی حالت۔[2]

ماہرین ادب کا اس بات پر یقین ہے کہ قرآن کی تشبیہیں عربی زبان کی استوار و محکم اور دقیق اور بلیغ ترین قسم ہیں۔ابن اثیر مفرد کی مفرد سے تشبیہ کی مثال کے لیے اس آیت کو لائے ہیں:﴿وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا﴾[3]

---

[1] ۔بقرہ(۲)آیت ۷۴۔

[2] ۔مفتاح العلوم، ص ۱۶۲۔

[3] ۔نباء (78) آیت 10۔

جس میں خداوند نے رات کو لباس سے تشبیہ دی ہے چونکہ یہ لوگوں کی جدائی، دشمن سے فرار اور ایسے امور کو چھپانے کے لیے ایک لباس کی مانند ہے کہ جن سے انسان دوسروں کو آگاہ نہیں کرنا چاہتا ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''یہ ایسی تشبیہات میں سے ہے جو صرف قرآن کے ساتھ مخصوص ہیں اسی طرح اس آیت میں ﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ﴾[1] زوجین میں سے ہر ایک کو لباس سے تشبیہ دی گئی ہے۔ کیونکہ لباس، زینت اور خوبصورتی، حیاء و عفت کا دوسروں کی دست اندازی سے بچنے کا باعث ہے۔''[2]

ان لوگوں کے افعال مکڑی کے جالے کی طرح ہیں جو خدائی رنگ سے خالی اور اس کی ذات سے مرتبط نہیں ہیں اور یہ افعال اس قدر کمزور اور بے بنیاد ہوتے ہیں کہ ہلکی سی ہوا کے زور سے اُڑ جاتے ہیں۔

{مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللهِ أَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوتِ اتَّخَذَتْ بَيْتًا وَإِنَّ أَوْهَنَ الْبُيُوتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوتِ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ}[3]

''جنہوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا ولی بنایا ہے ان کی مثال اس مکڑی کی سی ہے جو اپنا گھر بناتی ہے اور گھروں میں سب سے کمزور یقیناً مکڑی کا گھر ہے اگر یہ لوگ جانتے ہوتے۔''

کافروں کا کردار سراب کی مانند ہے دھوکہ دینے والا اور اندر سے خالی: اور جو لوگ کافر ہوگئے ہیں ان کے اعمال ایسے ہیں جیسے ایک چٹیل میدان میں سراب، جسے پیاسا پانی خیال کرتا

---

[1] ۔ بقرہ (۲) آیت 187۔

[2] ۔ المثل السائر، ج ۲، ص ۱۳۳۔

[3] ۔ عنکبوت (۲۹) آیت ۴۱۔

ہے۔"استواری میں مومنین کی مثال سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح ہے اور نشو نما میں طراوت اور شادابی سے بھرپور پودے کی مانند ہیں۔﴿كَأَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَرْصُوصٌ﴾ [1]

"گویا سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔"

{كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَى عَلَى سُوقِهِ} [2]

"ایک کھیتی جس نے (زمین سے) اپنی سوئی نکالی پھر اسے مضبوط کیا اور وہ موٹی ہو گئی پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہو گئی۔"

جہنم گویا ایک زندہ موجود کی طرح ہے جو قہر بھری آواز اور دہشت ناک دھاڑ والی ہے:

{كَلَّا إِنَّهَا لَظَى نَزَّاعَةً لِلشَّوَى تَدْعُو مَنْ أَدْبَرَ وَتَوَلَّى} [3]

"ایسا ہر گز نہ ہوگا کیونکہ وہ تو بھڑکتی ہوئی آگ ہے جو منہ اور سر کی کھال ادھیڑنے والی ہے وہ ہر پیٹھ پھیرنے والے اور منہ موڑنے والے کو پکارے گی۔"

{إِذَا رَأَتْهُمْ مِنْ مَكَانٍ بَعِيدٍ سَمِعُوا لَهَا تَغَيُّظًا وَزَفِيرًا} [4]

"جب وہ (جہنم) دور سے انہیں دیکھے گی تو یہ لوگ غضب سے اس کا بپھرنا اور دھاڑنا سنیں گے۔"

{إِذَا أُلْقُوا فِيهَا سَمِعُوا لَهَا شَهِيقًا وَهِيَ تَفُورُ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ} [5]

---

[1] ۔صف (٦١) آیت ۴۔

[2] ۔فتح (48) آیت ۲۹۔

[3] ۔معارج (٧٠) آیت ١٥۔١٧۔

[4] ۔فرقان (٢٥) آیت ١٢۔

[5] ۔ملک (٦٧) آیت ٧۔٨۔

"جب وہ اس میں ڈالے جائیں گے تو اس کے بھڑکنے کی ہولناک آواز سنیں گے اور وہ جوش مار رہی ہو گی قریب ہے کہ شدت غیظ سے پھٹ پڑے۔"

تمثیل

تمثیل خود تشبیہ کی اقسام میں سے ہے اور مخصوص آثار کی حامل ہے:

{وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الأَعْلَى}[1]

{لَهُ الْمَثَلُ الأَعْلَى}[2]

تفسیر "الکشاف" کے مؤلف زمخشری سورہ بقرہ کی ۱۷ تا ۲۰ آیات {مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ}؛ کی تشریح کے مقام پر کہتے ہیں:

"خداوند جب منافقین کی صفات کو ظاہر کرنا چاہتا ہے تو مثل لے کر آتا ہے کیونکہ یہ مثل معانی کو واضح کرنے اور حقائق سے پردہ اُٹھانے کے لیے بہت زیادہ موثر ہے۔ اس طرح کہ خیالاتی واقعات، وجودی اور عینی صورت میں مشاہدہ کیے جا سکتے ہیں۔"[3]

سیوطی بھی اپنے سے پہلے محققین سے نقل کرتے ہیں:

"قرآن کی تماثیل کا مقصد اپنے مقصود و مطلوب کو محسوس شکل میں پیش کرنا ہے۔"[4]

علامہ طباطبائیؒ مثل کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں:

---

[1] ۔ نحل (۱۶) آیت ۶۰۔

[2] ۔ روم (۳۰) آیت ۲۷۔

[3] ۔ الکشاف، ج ۱، ص ۷۲۔

[4] ۔ الاتقان، ج ۲، نوع۔

"مثل ایسا وسیلہ ہے جو مراد کی توصیف بیان کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے اور اصلی مقصود کو تمثیل اور تشبیہ کے ذریعے سامع کے ذہن کے نزدیک کرتا ہے۔"[1]

علامہ طباطبائیؒ کی نظر میں قرآن میں مثل کا استعمال اس وجہ سے ہے کہ یہ حقائق اور دقائق کی وضاحت کرنے کا آسان ترین راستہ ہے جس سے عالم اور غیر عالم، ہر ایک اپنی سطح پر اس سے مستفید ہوتا ہے۔[2]

اسی طرح ان کی رائے میں تمثیلی زبان، نامعلوم معانی کو معلوم اور عام لوگوں کے ذہن میں موجود تصور کے ذریعے بیان کرتی ہے۔ کیونکہ قرآن کی ہدایت عام ہے اور کسی خاص گروہ سے مخصوص نہیں ہے اور اس میں عام لوگوں کی فکری سطح کا خیال رکھا جاتا ہے اور دوسری طرف سب انسانوں کا فہم مادی محسوسات کی سطح سے بالاتر نہیں ہوتا۔ پس اس وجہ سے کہ غیر مادی معانی، عام لوگوں کی سمجھ میں آجائیں امثال ضروری ہو جاتی ہے۔[3]

"المیزان" کے محترم مؤلف اپنی گہری نگاہوں سے اس آیت {وَتِلْكَ الأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلا الْعَالِمُونَ}[4] کی تفسیر میں لکھتے ہیں: "یہ صحیح ہے کہ قرآن کی مثالیں عام اور عوام کے لیے ہیں مگر اس آیت کے مطابق معانی کی حقیقت اور ان کے اصلی مقاصد پر توجہ دینا اہل علم و دانش اور صاحبان عقل کے ساتھ مخصوص ہے جو ان مثالوں میں تعقل اور تدبر کے ذریعے ظواہر سے گزر کر امور کی حقیقت اور حقیقی معانی تک پہنچتے ہیں۔"[5]

---

[1] ۔المیزان، ج ۱۳، ص ۲۰۲۔

[2] ۔المیزان، ج ۱۵، ص ۱۲۵۔

[3] ۔المیزان، ج ۳، ص ۶۳۔۶۲۔

[4] ۔ عنکبوت (۲۹) آیت ۴۳۔

[5] ۔المیزان، ج ۱۶، ص ۱۳۲۔

استعارہ

استعارہ لغت میں ادھار لینے کے معنی میں ہے۔ کسی کلمہ کو اس کے غیر وضعی معنی میں ''مشابہت'' کی وجہ سے استعمال کو استعارہ کا نام دیا جاتا ہے یعنی استعارہ ایک قسم کا ''مجاز مرسل'' ہے کہ جس میں تشبیہ کے دو رکن میں سے ایک کو لایا گیا ہو۔ اس ادبی صنعت سے استفادہ جمالیاتی اور زیبائی کی جہت کے علاوہ بلند مرتبہ اور برتر معانی کی تسہیل کا باعث ہے جو انسانی فکر و اندیشہ کی حدود سے خارج ہیں اور الفاظ کے قالب میں نہیں آتے۔ علم و ہدایت کے لیے حیات و زندگی کا استعارہ:

{أَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَاهُ}[1]

ظاہری حیات کے باعث پانی کو معنوی زندگی کے لیے بطور استعارہ استعمال کرنا:

{أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَابِيًا وَمِمَّا يُوقِدُونَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِثْلُهُ كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً وَأَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الأَرْضِ كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللهُ الأَمْثَالَ}[2]

تجارت کا استعارہ ہدایت سے روگردانی اور گمراہی کی جانب بڑھنے کے لیے:

{أُولَئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلالَةَ بِالْهُدَى فَمَا رَبِحَتْ تِجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ.}[3]

کنایہ

---

[1] ۔انعام (٦) آیت ۱۲۲۔

[2] ۔رعد (۱۳) آیت ۱۷۔

[3] ۔بقرہ (۲) آیت ۱٦۔

کنایہ لغت میں ، مخفی کلام کہنے کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں ایسا کلام ہے جو (دور اور نزدیک) دو معانی کا حامل ہے جو کہ ایک دوسرے کے لازم و ملزوم ہیں۔ بات کہنے والا کنایہ کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ پڑھنے والا یا سامع اس کے صریح اور واضح معنی کی مدد سے اس کے بعید معنی کو سمجھ لیتا ہے۔ مثلاً "دست درازی" دوسروں کے حقوق پامال کرنے سے کنایہ ہے۔ جس طرح "روی بر خلق کردن" و "پشت بہ قبلہ کردن" اس شعر میں ریاکاری سے کنایہ ہے۔

عار فانی که روی بر خلقند پشت بر قبله می‌کنند نماز

قرآن جنسی مسائل میں مس و لمس اور مباشرت جیسی کنائی تعبیروں سے استفادہ کرتا ہے {أوْ لامَسْتُمُ النِّسَاءَ}[1]

اس طرح زلیخا کا حضرت یوسف صدیق علیہ السلام کی داستان کی تشریح میں کلمہ رفت و آمد (مراودہ) کا استعمال کیا گیا ہے اور حتی کہ حضرت یوسف کی خوبصورتی کی توصیف اور تشریح نہیں کی گئی بلکہ جلدی سے اور کنایہ کے ذریعے اس نکتے کو ترک کر دیا گیا ہے۔

{فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ أَرْسَلَتْ إِلَيْهِنَّ وَأَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَأً وَآتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِنْهُنَّ سِكِّينًا وَقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ فَلَمَّا رَأَيْنَهُ أَكْبَرْنَهُ وَقَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا هَذَا بَشَرًا إِنْ هَذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ}[2]

"تخت پر بیٹھنا" قدرت، ربوبیت یا مالکیت سے کنایہ ہے جس طرح "ید" قدرت الٰہی کی عظمت و جلال سے کنایہ ہے۔

---

[1] ۔نساء (۴) آیت ۴۳۔

[2] ۔یوسف (۱۲) آیت ۳۱۔

{الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَىٰ}[1] {بِيَدِهِ الْمُلْكُ}[2]

{وَالسَّمَاوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ}[3]

زمخشری مذکورہ آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

''اس تعبیر کے ذریعے عظمت خدا ہمارے لیے مجسم ہو جاتی ہے اور خدا اپنے کلام کے ذریعے بندوں کو اپنے جلال کی طرف متوجہ کر رہا ہے کیونکہ عظیم اور بزرگ امور جن میں ذہن و فہم بشر متحیر ہو جاتا ہے اور گہری افکار بھی آسانی سے ان کو سمجھ نہیں سکتیں تو ناگزیر طور پر تمثیل و تخیل کے ذریعے ظاہر ہونا لازمی ہے اور یہ وہ چیز ہے جس پر علم بیان میں بحث ہوتی ہے لیکن گذشتہ زمانے سے کتنے ہی قدم اس وادی میں ڈگمگائے ہیں کہ بحث اور کوشش نہ کرنے کی وجہ سے آیات اور روایات سے غلط نتیجہ حاصل کرتے ہیں۔''[4]

مرحوم طبرسیؒ کہتے ہیں: ''اس طرح کا بیان ہمیں سمجھانے کے لیے اور ہماری روزمرہ کی زبانی گفتگو کے مطابق پیش کیا گیا ہے۔''[5]

قرآن، عالم آخرت کے عظیم اور معنوی فوائد اور سخت تکلیف دہ مشکلات کو اس جہان کے محسوس فوائد اور مشکلات سے تشبیہ دیتا ہے۔

{وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ}[1]

---

[1] ۔طٰہٰ (۲۰) آیت ۵۔

[2] ۔ملک (٦٧) آیت ۱۔

[3] ۔زمر (۳۹) آیت ٦٧۔

[4] ۔الکشاف، ج ۴، ص ۲۴۳۔

[5] ۔مجمع البیان، ج ۷۔۸، ص ۵۰۸۔

علامہ طباطبائیؒ اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں: ''گویا کہ اس قسم کی تعبیر وسعت اور فراخی سے کنایہ ہے جو وہم بشر سے خارج ہے۔''[2]

مرحوم طبرسی اس آیت {یَوْمَ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ}[3] ''جس دن مشکل ترین لمحہ آئے گا'' کی تشریح میں لکھتے ہیں: ''یہ جملہ اس ماحول کی سخت اور شدید حالت سے استعارہ ہے۔''[4]

زمخشری بھی کہتے ہیں: ''یہ مثل شدت امر اور کام کی سختی کو پہنچانے کے لیے ہے (جیسا کہ سختی اور مشقت کے موقع پر خواتین اپنے دامن کو چڑھائے اس طرح بچتی ہیں کہ ان کی پنڈلیاں ظاہر ہو جاتی ہیں) وگرنہ وہاں تو نہ پنڈلی ہے اور نہ ہی اس کا ظاہر ہونا۔''[5]

قرآن، مادیت کی طرف مائل اور معنویت سے دور انسانوں کی دنیا سے بہت زیادہ وابستگی اور محبت کو کلمہ ''ثقل'' کے ذریعے بیان کرتا ہے تاکہ ان کی انتہائی پستی اور حب دنیا کو احساس مخاطب کی گہرائیوں تک پہنچائے گویا کہ یہ لوگ کسی وزنی بوجھ کی طرح زمین پر پڑے ہیں کہ کسی قسم کی حرکت و جنبش بھی نہیں کر سکتے:

{...مَالَکُمْ إِذَا قِیلَ لَکُمُ انْفِرُوا فِی سَبِیلِ اللهِ اثَّاقَلْتُمْ إِلَی الأَرْضِ...}[6]

''تمہیں کیا ہوا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے اللہ کی راہ میں نکلو تو تم زمین پر چمٹ جاتے ہو۔''

---

[1] ۔آل عمران (۳) آیت ۱۳۳۔

[2] ۔المیزان، ج ۴، ص ۱۸۔

[3] ۔ قلم (۶۸) آیت ۴۲۔

[4] ۔ مجمع البیان، ج ۹۔۱۰، ص ۳۳۹۔

[5] ۔الکشاف، ج ۴، ص ۵۹۳۔

[6] ۔توبہ (۹) آیت ۳۸۔

قرآن کا کلام مستکبرین کی آسان اور بے اہمیت موت کے حوالے سے اس خوبصورت اور کامل تعبیر سے استفادہ کرتا ہے کہ ان کے مرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا:

{فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالأَرْضُ وَمَا كَانُوا مُنْظَرِينَ}[1]

"پھر نہ آسمان اور زمین نے ان پر گریہ کیا اور نہ ہی وہ مہلت ملنے والوں میں سے تھے۔"

۲۔ پیغمبر امیّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بے نظیر معارف

انسان کی ذہنی اور فکری صلاحتیوں کی پیداوار تمام کتابیں اور نوشتہ جات محدود علوم اور معارف پر منحصر ہیں اور ان کے مصنفین کے محدود علم کی علامت ہیں۔ ابھی تک تاریخ بشر کے کسی بھی تجربہ سے ثابت نہیں ہوا کہ ایک انسان کے ذہن میں غیر معمولی صلاحیت کا نظام، تمام اسرار ہستی سے آگاہ ہو اور تمام علوم میں آخری بات کہہ سکے؛ بلکہ ہر دانشور نے اپنی معلومات کی کمی اور مجہولات کی وسعت کا خود اعتراف کیا ہے۔ اس آسمان کے نیچے ایک کتاب موجود ہے جو لامحدودیت کا مرکز ہے اور اس کے موضوعات کی وسعت اور ان کا تنوع کسی حد کو تسلیم نہیں کرتا۔ یہ کامل صحیفہ قرآن عظیم ہے جسے خالق انسان نے پیغمبر اُمّی کے قلب پر نازل کیا تاکہ وہ اپنے وجود کی سب سے اعلیٰ شے سے استفادہ کرسکے۔ قرآن مجید میں ہدف حیات تک رسائی کے لیے لازم کسی بھی نکتے کی وضاحت میں سستی کا مظاہرہ نہیں کیا گیا:

{...وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ...}[2]

اُمّی گویا به زبان فصیح از الف آدم و میم مسیح[3]

---

[1] ۔ دخان (۴۴) آیت ۲۹۔

[2] ۔ نحل (۱۶) آیت ۸۹۔

[3] ۔ نظامی۔

قرآن، بشر کے لیے ایسے ضروری معارف کا وسیع ترین مجموعہ ہے؛ جن کی ضرورت مختلف فکری اور اعتقادی میدانوں سمیت جہان وانسان کے آغاز، معاد کے متعلق بنیادی معلومات، سماجی وانفرادی، مادی ومعنوی اور دنیوی واخروی زندگی کے نشیب وفراز میں محسوس ہوتی ہے۔

بے شک قرآن میں درج موضوعات کا استخراج اور ان کی دستہ بندی کرنا ایک شخص کی قدرت سے باہر ہے۔ نزول قرآن کو صدیاں گزرنے کے بعد آج انسان کے علم و ثقافت میں قابل مشاہدہ ترقی ہو چکی ہے۔ معرفت خدا، معرفت انسان، معرفت مادہ جیسے مختلف علوم کے بارے میں دنیا کی بڑی بڑی علمی انجمنیں بہت زیادہ وسائل کے ساتھ مطالعہ اور تحقیق میں ایک دوسرے کی مددگار ثابت ہو رہی ہیں؛ لیکن اس کے باوجود خود معترف ہیں کہ ان کی علمی ترقی معارف قرآن کی عظمت کے سامنے ناچیز ہے۔ مختلف علوم اور معارف کی وضاحت میں اعجاز قرآن ایسے بے بدل، ہدایت بخش اور تربیتی معارف پر مشتمل ہے؛ جن سے انسان اپنے علم و دانش کی بنا پر ہرگز آگاہ نہیں ہو سکتا تھا:

{...يُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَالَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ}[1]

خدائے کائنات، قرآن کریم کی نظر میں

خداوند متعال کے بارے میں انسان کی تمام عمیق افکار و نظریات اور غور و فکر کا اگر قرآن سے موازنہ کریں تو قرآن کریم کی نگاہ میں بشر اور خدائے کائنات میں ایک واضح فرق پایا جاتا ہے۔ خدائے قرآن وہ وحدہ لاشریک ذات ہے جس میں تمام کمالات ہستی پائے جاتے ہیں اور مادی و ممکن موجودات کے تمام خصائص اور نقائص سے منزہ ہے: {وَلِلَّهِ الأَسْمَاءُ الْحُسْنَى...}[2]

---

[1] ۔ بقرہ (۲) آیت ۱۵۱۔

[2] ۔ اعراف (۷) آیت ۱۸۰۔

''اور زیباترین نام اللہ ہی کے لیے ہیں۔'' وہ قرب وجودی اور احاطہ قیومی کے باوجود بشر کے محدود تخیل سے بالااور برتر ہے۔ وہ خالق بھی ہے اور تمام کائنات کا مدبر بھی اور عالَم وجود اپنے ظہور کے لیے لحظہ بہ لحظہ اس کا محتاج ہے۔ {كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ}

ای همه هستی ز تو پیدا شده خاک ضعیف از تو توانا شده
زیر نشین عَلَمَت کائنات ما به تو قائم، چون تو قائم به ذات

اس کے افعال، حکیمانہ اہداف، فیض اور رحمت و حق کی بنیاد پر تشکیل پاتے ہیں:

{أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا فِي أَنْفُسِهِمْ مَا خَلَقَ اللهُ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلاَّ بِالْحَقِّ...}[1]

''کیا انہوں نے اپنے (دل کے) اندر یہ غور و فکر نہیں کیا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے، کو برحق خلق کیا ہے؟''

{...وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُورًا}[2]

''اور آپ کے پروردگار کا عطیہ (کسی کے لیے بھی) ممنوع نہیں ہے۔''

خوی مَلَک، رحمت و بخشدگی است خصلت خورشید درخشندگی است.[3]

توحید قرآن، توحید خالقیت، ربوبیت و الوہیت ہے کہ یہ مراتب ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے۔ قرآن، معرفت خدا کے متعلق تمام طرق آیات کو ''آفاقی''، ''انفسی''، ''تزکیۂ نفس'' گہرے تعقل کو مخاطبین کے لیے پیش کرتا ہے:

{سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ...}[1]

---

[1] ۔روم (۳۰) آیت ۸۔

[2] ۔بنی اسرائیل (۱۷) آیت ۲۰۔

[3] ۔شہریار۔

"ہم عنقریب انہیں اپنی نشانیاں آفاق عالم میں بھی دکھائیں گے اور خود ان کی ذات میں بھی یہاں تک کہ ان پر واضح ہو جائے کہ یقیناً وہی (اللہ) حق ہے۔"

ای در طلب تو عالمی در شر و شور
نزدیک تو درویش و توانگر همه عور
ای با همه در حدیث و گوش همه کر
وی با همه در حضور و چشم همه کور

{...أَفِي اللهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ...} [2]

"کیا (تمہیں) اس اللہ کے بارے میں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا خالق ہے۔"

قرآن مجید، توحید کو عقل کے مطابق اور انسان کی فطرت کا نتیجہ اور شرک کو تقلید اور فکر نہ کرنے کا نتیجہ قرار دیتا ہے:

{خَلَقَ السَّمَاوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَأَلْقَى فِي الأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيمٍ. هَذَا خَلْقُ اللهِ فَأَرُونِي مَاذَا خَلَقَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ بَلِ الظَّالِمُونَ فِي ضَلالٍ مُبِينٍ} [3]

"اس نے آسمانوں کو ایسے ستونوں کے بغیر پیدا کیا جو تمہیں نظر آئیں اور اس نے زمین میں پہاڑ گاڑ دیے تاکہ وہ تمہیں لے کر ڈگمگا نہ جائے اور اس میں ہر قسم کے جانور پھیلا دیئے اور ہم نے آسمان سے پانی برسایا پھر ہم نے اس میں ہر قسم کے نفیس جوڑے اگائے یہ ہے اللہ کی تخلیق اب ذرا مجھے اللہ کے سوا دوسروں کی مخلوق دکھاؤ بلکہ ظالم لوگ صریح گمراہی میں ہے۔"

---

[1] ۔ حم سجدہ (۴۱) آیت ۵۳۔

[2] ۔ ابراہیم (۱۴) آیت ۱۰۔

[3] ۔ لقمان (۳۱) آیت ۱۰۔۱۱۔

سینکڑوں نمونوں میں سے ایک مذکورہ آیت ہے جس میں (خلقت کائنات میں خدا کے انحصاری افعال کی طرف اشارہ کرنے کے بعد) صراحت کے ساتھ اعلان ہو رہا ہے کہ یہ خدائے احد کا جمال ہے اگر دوسروں کے خداؤں میں کوئی جمال پایا جاتا ہے تو اسے سامنے لائیں۔

خدائے قرآن، خدائے عقل و حکمت ہے، خدائے عشق و محبت جمال و خوبصورتی ہے، وجود کے تمام اعضاء اس کے مجذوب ہیں، اسی کی طرف رواں دواں ہیں اور سب کے سب اپنے وجود کی گہرائی میں اسی کے ساتھ راز و نیاز میں مشغول ہیں:

{إِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ إِلاَّ آتِي الرَّحْمَنِ عَبْدًا}[1]

"جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہے اس رحمٰن کے حضور صرف بندے کی حیثیت سے پیش ہوگا۔"

همگان طالب یا رند چه هوشیار و چه مست
همه جانا نه عشق است چه مسجد چه کُنشت

{أَفَغَيْرَ دِينِ اللهِ يَبْغُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ...}[2]

"کیا یہ لوگ اللہ کے دین کے سوا کسی اور دین کے خواہاں ہیں؟ حالانکہ آسمانوں اور زمین کے موجودات اللہ کے آگے سر تسلیم خم ہیں۔"

{...إِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَكِنْ لا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ...}[3]

"اور کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی ثنا میں تسبیح نہ کرتی ہو لیکن تم اس کی تسبیح کو نہیں سمجھتے ہو۔"

---

[1] ۔ مریم (۱۹) آیت ۹۳۔

[2] ۔ آل عمران (۳) آیت ۸۳۔

[3] ۔ بنی اسرائیل (۱۷) آیت ۴۴۔

ما سمعییم و بصیر و با ھُشتیم با شما نا محرمان ما خامشیم

انسان، قرآن کی نظر میں

اعجاز قرآن کا ایک دوسرا جلوہ، انسان کی تفسیر ہے، اس کی وسیع و عریض زندگی اور آخرت کی معرفت ہے۔ انسان کے جسم و روح و عقل کی مختلف حیثیتوں شناخت، انسان کے آغاز و انجام کی جانب توجہ کرنا وہ کہاں سے آیا ہے؟ کہاں جائے گا؟ کہاں ہے؟ کن مقاصد اور خواہشات کی تکمیل چاہتا ہے؟ اسے کس طرح ہونا چاہے؟ اسے کیا کرنا چاہئے؟ جنین کی پیدائش کے مرحلہ بہ مرحلہ حالات اور اس کا دنیا میں آنے کی طرف دقیق اور گہری علمی توجہ یہ سب انسان کی تجربی، فلسفی یا عرفانی شناخت کے متعلق عظمت قرآن کی تعجب آور علامت ہے۔ (توجہ)

{وَلَقَدْ خَلَقْنَا الإِنْسَانَ مِنْ سُلالَةٍ مِنْ طِينٍ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَكِينٍ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ أَنْشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ فَتَبَارَكَ اللهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ثُمَّ إِنَّكُمْ بَعْدَ ذَلِكَ لَمَيِّتُونَ ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تُبْعَثُونَ}[1]

"اور بہ تحقیق ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصے سے بنایا، پھر ہم نے اسے ایک محفوظ جگہ میں نطفہ بنا دیا۔ پھر ہم نے نطفے کو لوتھڑا بنایا، پھر لوتھڑے کو بوٹی کی شکل دی، پھر بوٹی سے ہڈیاں بنا دیں، پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا، پھر ہم نے اسے ایک دوسری مخلوق بنا دیا۔ پس با برکت ہے وہ اللہ جو سب سے بہترین خالق ہے۔ پھر اس کے بعد تم بلاشبہ مر جاتے ہو پھر تمہیں قیامت کے دن یقینا اٹھایا جائے گا۔"

قرآن کی نظر میں انسان، گذشتہ تحریف شدہ دینی کتابوں کی طرح ذاتی خبائث نہیں رکھتا؛ بلکہ ملکی اور ملکوتی دو پہلوؤں کا مالک ہے وہ جماداتی، نباتی اور حیوانی خواص سے ہٹ کر "ادراک و شعور" اور "اختیار" کی قوت بھی رکھتا ہے، یہ ایسی خصوصیت ہے جو انسان کا تعارف فرزند ہستی،

---

[1] ۔ مومنون (۲۳) آیت ۱۲۔۱۶۔

خلیفہ، امانت دار اور اپنی تقدیر خود لکھنے والے کے عنوان سے کراتی ہیں: {إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا}[1] ''ہم نے اسے راستے کی ہدایت کر دی خواہ شکر گزار بنے اور خواہ ناشکرا۔''

اس نظریے کے مطابق، ہر انسان کی فطرت، الٰہی اور متعالی خواہشات کا وسیلہ بھی ہے اور مادی اور پست میلانات کا ذریعہ بھی، اب انسان کی اپنی مرضی ہے کہ وہ کس طرف اپنے قدموں کا رخ کرے۔

در جهان دو بانگ می آید به ضد
تا کدامین را تو باشی مستعد
آن یکی بانگش نُشور اتقیا
و ین دگر بانگش فریب اتقیاء[2]

{وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا}[3]

''اور قسم ہے نفس کی اور اس کی جسے اس نے معتدل کیا پھر اس کو اس کی بدکاری اور اس سے بچنے کی سمجھ دی، بتحقیق جس نے اسے پاک رکھا کامیاب ہوا اور جس نے اسے آلودہ کیا نامراد ہوا۔ انسان اور کائنات کی خلقت، حکیمانہ مقصد کے تحت ہوئی ہے۔ کائنات، عمل اور رد عمل کا مقام اور سرائے آخرت سے ہٹ کر ہے۔ اسی جہان میں ہر ایک اپنی کوشش، نیک و بد کردار اور خواہشات کا نتیجہ دیکھ لے گا۔

{أَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى وَأَنْ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُرَى}[1]

---

[1] ۔دہر (۷۶) آیت ۳۔

[2] مولوی۔

[3] ۔شمس (۹۱) آیت ۷۔۱۰۔

"آگاہ رہو! کوئی بوجھ اُٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، انسان کو صرف وہی ملتا ہے جس کی وہ سعی کرتا ہے، اس کی کوشش عنقریب دیکھی جائے گی۔"

{إِنْ أَحْسَنْتُمْ أَحْسَنْتُمْ لأَنْفُسِكُمْ وَإِنْ أَسَأْتُمْ فَلَهَا...} [2]

"اگر تم نے نیکی تو اپنے لیے نیکی کی اور اگر تم نے برائی کی تو وہ بھی اپنے حق میں کی۔"

چوبد کردی مباش ایمن ز آفات
که واجب شد طبعیت را مکافات
سپهر آئینیه عدل است و شاید
که هر چه از تو بیند و انماید

مقدس دینی کتابوں اور انسانی مکتوبات میں حیات انسان کے اصلی حصہ یعنی قیامت کو فراموشی کے سپرد کر دیا گیا ہے اور اس کے بارے میں واضح طور پر کچھ بیان نہیں کیا گیا جبکہ قرآن میں ابدی حیات اور قیامت کی معرفت ایک مخصوص خصوصیت و وضاحت کی حامل ہے اور قرآنی آیات کا 1/3 حصہ اس تقدیر ساز موضوع کے ساتھ مخصوص ہے۔ قرآن مجید میں حیات برزخی اور اخروی زندگی کے حالات کو حیرت انگیز اور خواب غفلت سے بیدار کرنے کی صورت میں بیان کیا گیا ہے۔ تنبیہی اور ترغیبی انداز میں غم انگیز اور پر ہیجان واقعات اور انکے اسباب کا تذکرہ کسی دوسری کتاب میں سابقہ نہیں رکھتا۔

{إِذَا زُلْزِلَتِ الأَرْضُ زِلْزَالَهَا وَأَخْرَجَتِ الأَرْضُ أَثْقَالَهَا وَقَالَ الإِنْسَانُ مَا لَهَا يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا بِأَنَّ رَبَّكَ أَوْحَى لَهَا يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ النَّاسُ أَشْتَاتًا لِيُرَوْا أَعْمَالَهُمْ فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ} [3]

---

[1] ۔ نجم (۵۳) آیت ۳۸۔۴۰۔

[2] بنی اسرائیل (۱۷) آیت ۷۔

[3] ۔ زلزال (۹۹) ۱۔۸۔

"جب زمین اپنی لرزش سے ہلائی جائے گی اور زمین اپنا بوجھ نکال دے گی اور انسان کہے گا کہ اسے کیا ہوگیا ہے۔ اس دن وہ اپنے حالات بیان کرے گی کیونکہ اس کے رب نے اسے ایسا کرنے کا حکم دیا تھا اس دن لوگ گروہ گروہ ہو کر نکل آئیں گے تاکہ ان کے اعمال دکھائے جائیں پس جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔"

نبوت، قرآن کی نظر میں

قرآن کے اہم موضوعات کا ایک رخ، شناخت پیغمبر اور نبوت ہیں جنہیں بشریت کے لیے تحفے کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ قرآن کی نظر میں نبوت کا جائزہ لینے سے پہلے مناسب ہے کہ نبوت کے بارے میں ایک نظر دنیائے مسیحیت کی کتب پر ڈالی جائے۔

عہدین کی پیروی کے دعویدار مقدس کتابوں کی طرف سے پیش کئے گئے نمونہ عمل کی بناپر خود کو الوہیت سے وابستہ شمار کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک نبوت اور حصول وحی میں کسی بھی قسم کی خصوصیت اور امتیاز نہیں پایا جاتا اور فال، کہانت، حکمت، سحر و جادو وغیرہ یہ سب حصول وحی کے مختلف ذرائع ہیں۔ اس نظریے میں پیغمبر اور وحی حاصل کرنے والے افراد معمولی قسم کے لوگ ہیں جو عصیان اور گناہ سے آلودہ ہو جاتے ہیں اور اخلاق کے منافی اعمال، اپنی اور دوسروں کی ناموس پر تجاوز کے بھی مرتکب ہو جاتے ہیں۔[1] حتی کہ دھوکہ، فراڈ، جھوٹ اور نفاق ان کا معمول ہوتا ہے۔[2] نبوت اور رسالت کے عہدہ پر فائز ہوتے ہوئے کبھی کبھار ایک دوسرے پر لعن و نفرین کرتے ہیں۔[3] یہ افراد اپنے تاریک ماضی کی بنیاد پر دوسروں کو قتل اور

---

[1] ۔ سفر پیدائش ۹، ۲۰۔۲۷، نیز سفر پیدائش ۱۹، ۳۰۔۳۸، ۴۹۔

[2] ۔ سفر پیدائش ۲۷، دوم سموئیل، ۱۱، ۱۳، ۱۸، اول بادشاہان ۱۳، ارمیا ۲۳، ۱۲ وارمیا ۲: ۸۔

[3] ۔ مرقس ۱۴، ۷۱؛ متی، ۱۶، ۱۳، ۱۹۔

آزار و اذیت دینے کے حوالے سے حد سے گزر چکے ہوتے ہیں کہ اچانک انہیں مکاشفہ ہوتا ہے اور انہیں رسالت کا عہدہ مل جاتا ہے۔ [1]

نبوت اور رسالت کے بارے میں یہ ایک تفکر کا خلاصہ ہے ہیں جس کی طرف اجمالاً اور توضیح کے بغیر اشارہ کیا گیا ہے۔ قرآنی تفکر میں نجات بشر کا پیغام لانے والے انبیائے الٰہی، حقیقی کمال کی جانب انسان کی ہدایت اور انسانی صلاحیتوں پر اعتماد بڑھانے کے لیے مبعوث ہوئے ہیں۔ قرآن کی نگاہ میں انبیاء تمام ناشائستہ اعمال و کردار سے منزہ ہوتے ہیں اور نبوت ایک الٰہی نعمت ہے جو خدا کی طرف سے شائستہ اور لائق ترین افراد کو عطا کی جاتی ہے۔ اس نظریے میں نبوت اور وحی کے حصول کے لیے کچھ بنیادی خصوصیتوں کا حامل ہونا ضروری ہے مثلاً پیغام خدا کو دریافت کرنے اور اس پیغام کی حفاظت اور ابلاغ میں عصمت کا مالک ہونا نیز عقل و شرع کے حکم کے مطابق اپنی انفرادی ذمہ داری میں عمل کرنے میں معصوم ہونا اساسی ترین شرائط میں سے ہیں:

{عَالِمُ الْغَيْبِ فَلا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا إِلا مَنِ ارْتَضَى مِنْ رَسُولٍ فَإِنَّهُ يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ رَصَدًا لِيعلَمَ أَن قَد أبلَغُوا رِسَالَات رَبِّهِمْ وَ أَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِم وَ أَحْصَى كُلَّ شَيْءٍ عَدداً} [2]

"وہ غیب کا جاننے والا ہے اور اپنا غیب کسی پر ظاہر نہیں کرتا سوائے اس رسول کے جسے اس نے برگزیدہ کیا ہو وہ اس کے آگے اور پیچھے یقینا نگہبان مقرر کر دیتا ہے تاکہ اسے علم ہو جائے کہ انہوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچائے ہیں اور جو کچھ ان کے پاس ہے اس پر اللہ نے احاطہ کر رکھا ہے اور اس نے ہر چیز کو شمار کر رکھا ہے۔"

انبیائے الٰہی کی علمی اور عملی سیرت کی جو تصویر قرآن مجید نے پیش کی ہے وہ یہ ہے کہ انبیاء انسانوں میں سے بہترین، پاکیزہ ترین اور سچے ترین افراد ہوتے ہیں۔ [1]

---

[1] ۔ اعمال رسولان، ۷، ۸، ۹: غلاطیان، ا۔

[2] ۔ جن (۷۲) آیت ۲۶۔ ۲۸۔

ایسے عظیم کردار کے مالک افراد جن کی دعوت اور عمل توحید کا نمونہ اور صفات الٰہی کا مظہر واقع ہوتا ہے۔

{وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلاَّ نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لاَ إِلَهَ إِلاَّ أَنَا فَاعْبُدُونِ} [2]

"ہم نے آپ سے پہلے جو بھی رسول بھیجا ہے اس کی طرف یہی وحی کی ہے بتحقیق میرے سوا کوئی معبود نہیں پس تم صرف میری عبادت کرو۔

یہ حضرات عقلی کمال، فکری سلامتی، صداقت، امانت اور پاکیزگی میں اپنے ہم نوع افراد کی نسبت اعلی مرتبہ پر فائز تھے۔انبیاء درد مند اور معرفت کے سچے نمونہ عمل تھے جو کبھی بھی حق کے علاوہ کوئی کلام اور نیک عمل کے علاوہ کوئی کام نہ کرتے تھے اور لوگوں کی دنیوی اور اخروی زندگی کی فلاح و بہبود کی کوشش و سعی کرتے رہتے تھے۔

{...وَكُلاًّ جَعَلْنَا صَالِحِينَ وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا وَأَوْحَيْنَآ إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَإِقَامَ الصَّلاَةِ وَإِيتَآءَ الزَّكَاةِ وَكَانُوا لَنَا عَابِدِينَ...} [3]

" اور ہم نے ہر ایک کو صالح بنایا اور ہم نے انہیں پیشوا بنایا جو ہمارے حکم کے مطابق رہنمائی کرتے تھے اور ہم نے نیک عمل کی انجام دہی اور قیام نماز اور ادائیگی زکوۃ کے لیے ان کی طرف وحی کی اور وہ ہمارے عبادت گزار تھے۔"

انسان صفتان خدا صفت آمده‌اند چون حق افزون ز منقبت آمده‌اند
پس معرفت خدا ز انسان مَطلَب کا ین قوم دلیل معرفت آمده‌اند. [4]

---

[1] ۔انعام (٦) آیت ۸۵۔۸٦۔

[2] ۔انبیاء (۲۱) آیت ۲۵۔

[3] ۔انبیاء (۲۱) آیت ۷۲۔۷۳۔

[4] ۔رازی شیرازی۔

انہوں نے رضائے خدا کی خاطر اپنی رسالت کو انجام دینے کے لیے تکلیف، ہجرت، تہمت، اہانت اور بہت زیادہ دشواریوں کو برداشت کیا۔ ہاں ایسے ہی لوگ حامل وحی اور رسالت حق کے امانتدار تھے۔

{...اللهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ...}[1]

" اللہ بہتر جانتا ہے کہ اپنی رسالت کہاں رکھے۔"

اسرار خلقت کی طرف قرآن کے علمی اشارے

کائنات کی معرفت اور اس میں مخفی رازوں کی طرف قرآن کے علمی اشارے اس بے مثل و بے ہمتا کتاب کے حیرت انگیز نمونوں میں ایک ہیں۔ قرآن، الٰہی کتاب ہے جو انسان کی ہدایت اور تربیت کے لیے نازل کی گئی ہے۔ ہاں! قرآن معرفت کائنات کی نہیں بلکہ ایک انسان پرور کتاب ہے لیکن چونکہ اس کا بھیجنے والا، خالق اور کائنات کے اسرار و رموز سے آگاہ ہے تو قدرتی طور پر مختلف موضوعات کی مناسبت سے اس کلام میں کائنات کی بعض مثالیں ظاہر ہوتی ہیں جو تکوین حیات کے رازوں کا ایک جلوہ ہیں:

{قُلْ أَنْزَلَهُ الَّذِي يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ...}[2]

" کہہ دیجئے! اسے تو اللہ نے نازل کیا ہے جو آسمانوں اور زمین کا راز جانتا ہے۔"

نسخه ای اسرار تکوین حیات بی ثبات از قوتش گیرد ثبات

اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل آیات کا مطالعہ، تدبر اور بیداری کی اساس بن سکتا ہے۔

---

[1] ۔انعام (٦) آیت ۱۲۴۔

[2] ۔فرقان (۲۵) آیت ٦۔

{أَوَلَمْ يَرَالَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ أَفَلا يُؤْمِنُونَ}[1]

"کیا کفار اس بات پر توجہ نہیں دیتے کہ یہ آسمان اور زمین باہم ملے ہوئے تھے پھر ہم نے انہیں جدا کر دیا ہے اور تمام جاندار چیزوں کو ہم نے پانی سے بنایا ہے؟ تو کیا (پھر بھی) وہ ایمان نہیں لائیں گے۔"

{وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا بِأَيْدٍ وَإِنَّا لَمُوسِعُونَ}[2]

"اور آسمان کو ہم نے اپنی قوت سے بنایا اور ہم ہی وسعت دینے والے ہیں۔"

ستاروں بھری فضا کی جذابیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد رب العزت ہے:

{اللهُ الَّذِي رَفَعَ السَّمَاوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا...}[3]

"اللہ وہ ذات ہے جس نے آسمانوں کو تمہیں نظر آنے والے ستونوں کے بغیر بلند کیا۔"

اس جہان میں ہر شے کو جوڑا جوڑا خلق کرنے کے بیان میں فرماتا ہے:

{وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ...}[4]

"اور ہر چیز کے ہم نے جوڑے بنائے ہیں۔"

---

[1] ۔انبیاء (۲۱) آیت ۳۰۔

[2] ۔ذاریات (۵۱) آیت ۴۷۔

[3] ۔رعد (۱۳) ۲۔

[4] ۔ذاریات (۵۱) آیت ۴۹۔

{وَالَّذِی خَلَقَ الأَزْوَاجَ کُلَّهَا...}[1]

"اور جس نے تمام اقسام کے جوڑے پیدا کئے۔"

جهان را فزایش زجُفت آفرید که از یک فزونی نیاید پدید
یکی نیست جز داور کردگارکه او را نه انبار و نه جفت و یار
هر آنچه آفریدست به جفت آفرید گشاده ز زار نَهفت آفرید[2]

نطفے کے مرکز تکوین کو بیان کرتے ہوئے ارشاد ہے:

{فَلْیَنْظُرِ الإِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ خُلِقَ مِنْ مَاءٍ دَافِقٍ یَخْرُجُ مِنْ بَیْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ}[3]

"پس انسان کو دیکھنا چاہئے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا وہ اچھلنے والے پانی سے خلق کیا گیا ہے جو پیٹھ اور سینے کی ہڈیوں سے نکلتا ہے۔"

تو اگر آلوده گر پاک آمدی قطره‌ای آبی ک با خاک آمدی[4]

قرآن اور فلسفہ تاریخ

تاریخ کا بیان، فلسفہ تاریخ کی وضاحت اور انسانی معاشرے میں رائج طریقوں اور اصولوں کی وضاحت بھی قرآن کریم کے دلکش موضوعات میں سے ایک ہے۔ قرآن، تاریخ کی خاموش گہرائی میں مدفون اقوام، گذشتہ امتوں کے رازوں اور پہلے گزرے ہوئے افراد کے واقعات کی بند کتاب کے نامعلوم مناظر سے پردہ اُٹھاتا ہے۔ قرآن مجید کنویں اور زندان میں حضرت یوسف (ع) علیہ السلام کی سوچ، اصحاب کہف کی زندگی، حضرت موسی (ع)، حضرت

---

[1] زخرف (۴۳) آیت ۱۲۔

[2] ۔فردوسی۔

[3] ۔طارق (۸۶) آیت ۵۔۷۔

[4] ۔عطار نیشاپوری۔

خضر (ع)، حضرت ابراہیم (ع) و حضرت اسماعیل (ع) اور حضرت آدم و حوا علیہا السلام وغیرہ کی مخفیانہ گفتگو کو تربیتی اور عبرت آموز اثرات کی خاطر پیش کرتا ہے۔

{تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا أَنْتَ وَلا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هَذَا فَاصْبِرْ إِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِينَ} [1]

" یہ ہیں غیب کی کچھ خبریں جو ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں اس سے پہلے نہ آپ ان باتوں کو جانتے تھے نہ آپ کی قوم پس صبر کریں، بہترین انجام یقیناپرہیزگاروں کے لیے ہے۔ "

قرآن نے تاریخ میں پائے جانے والے غلط حقائق کی اصلاح کے علاوہ پاک و پاکیزہ افراد کی پیشانی پر ظالموں کی جانب سے دولت، دھمکی، دھونس اور دھوکے کے ذریعہ لگائے گئے الزامات کی حقیقت سے آگاہ کیا ہے اور انہیں ان الزامات سے بری الذمہ قرار دیا۔

{مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلا نَصْرَانِيًّا وَلَكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ} [2]

" ابراہیم نہ یہودی تھے نہ عیسائی بلکہ وہ یکسوئی کے ساتھ مسلم تھے اور مشرکین میں سے ہرگز نہ تھے۔ "

{وَإِذْ قَالَ اللهُ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ أَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَهَيْنِ مِنْ دُونِ اللهِ قَالَ سُبْحَانَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقٍّ إِنْ كُنْتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ إِنَّكَ أَنْتَ عَلامُ الْغُيُوبِ} [3]

---

[1] ۔ہود (۱۱) آیت ۴۹۔

[2] ۔آل عمران (۳) آیت ۶۷۔

[3] ۔مائدہ (۵) آیت ۱۱۶۔

" اور (وہ وقت یاد کرو) جب اللہ نے فرمایا: اے عیسی بن مریم (علیہا السلام) کیا آپ نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری والدہ کو خدا بناؤ؟ عیسی علیہ السلام نے عرض کیا: تو پاک ہے میں ایسی بات کیسے کہہ سکتا ہوں جس کا مجھے کوئی حق ہی نہیں؟ اگر میں نے ایسا کچھ کہا ہوتا تو مجھے علم ہوتا کیونکہ تو میرے دل کی بات جانتا ہے لیکن میں تیرے اسرار نہیں جانتا۔ یقینا تو ہی غیب کی باتیں خوب جاننے والا ہے۔"

قرآن کی نظر میں تاریخ بیان کرنے کا مقصد بادشاہوں اور شخصیات کے کا تعارف کروانا نہیں بلکہ صالحین اور ظالمین کی زندگی کی وضاحت، عادات و اعمال کی تشریح اور نیک و بد نمونوں کی پہچان کرانا ہے۔ قرآن نے اپنے نظریہ تاریخ میں ایک تازہ نکتے کا اضافہ کرتے ہوئے فلسفہ تاریخ کے قطعی اصولوں، انسانی تمدن کے عروج و زوال میں کارفرما اسباب و عوامل اور باطل پر حق کی دائمی فتح و کامیابی کو اپنی توجہ کا خاص محور قرار دیا ہے۔ یہ ایک ایسا رخ ہے جو کسی دانشور اور ماہر کے علمی و تجرباتی تجزیے میں نہیں آسکتا۔

یہی وہ بنیاد تھی جس کی بناء پر اپنے پیغمبر کو طاقتور دشمنوں کے مقابلے میں فتح کی نوید دی۔

{أَمْ يَقُولُونَ نَحْنُ جَمِيعٌ مُنْتَصِرٌ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ}[1]

" یا یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایک فاتح جماعت ہیں؟ (نہیں) یہ جماعت عنقریب شکست کھائے گی اور پیٹھ پھیر کر بھاگے گی۔"

{يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ}[2]

---

[1] ۔ قمر (۵۴) آیت ۴۴۔۴۵۔

[2] ۔ صف (۶۱) آیت ۸۔۹۔

" یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اپنے منہ (کی پھونکوں) سے اللہ کے نور کو بجھا دیں اور اللہ اپنے نور کو پورا کرکے رہے گا خواہ کفار برا مانیں۔ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا کہ اسے تمام ادیان پر غالب کردے خواہ مشرکین کو ناگوار گزرے۔"

چراغی را کہ ایزد، برفر وزد
ہر آن کس پف کند، ریشہ اش بسوزد

{إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الأَشْهَادُ}[1]

" ہم اپنے رسولوں اور ایمان لانے والوں کی دنیاوی زندگی میں بھی مدد کرتے رہیں گے اور اس روز بھی جب گواہ کھڑے ہوں گے۔"

{...كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً وَأَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الأَرْضِ...}[2]

" اسی طرح اللہ حق و باطل کی مثال بیان کرتا ہے پھر جو جھاگ ہے وہ تو ناکارہ ہو کر ناپید ہو جاتا ہے اور جو چیز اللہ کے فائدے کی ہے وہ زمین میں ٹھہر جاتی ہے۔"

{إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ}[3]

" اس ذکر کو یقینا ہم ہی نے اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔"

من کتاب و معجزات را رافعم بیش و کم کن را ز قرآن مانعم
کس نتاند بیش و کم کردن در او توبہ ازمن حافظی دیگر مجو

{...إِنَّ الأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَآءُ مِنْ عِبَادِهِ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ}[1]

---

[1] ۔ غافر (۴۰) آیت ۵۱۔

[2] ۔ رعد (۱۳) آیت ۱۷۔

[3] ۔ حجر (۱۵) آیت ۹۔

" بے شک یہ سر زمین اللہ کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے اور نیک انجام اہل تقوی کے لیے ہے۔"

برترین اور اعلیٰ اقدار

قرآن کی پیش کردہ اقدار، بہترین تعلیمات اور قرآن کے اعلی ولاثانی معارف کا ایک بہترین نمونہ ہیں ۔تاریخ اور حیات انسان، زمین پر بہت سارے مکاتب اور افکار کی گواہ ہے کہ جن میں سے اکثر صرف نظریہ پیش کرنے اور محض ذہنی غور و فکر میں ماہر تھے۔ ان میں عملی احکام و دستورات اور مناسب اقدار کا فقدان تھا۔ بہت سے مکاتب فکر، معقول اور پر مسرت زندگی کی ضروریات پورا کرنے اور خواہشات کی تسکین سے قاصر تھے۔ انسان اپنے مزاج اور ذات کے تقاضوں اور زندگی کے اسرار سے لاعلم ہونے کی وجہ سے زندگی کے لیے ایک جامع نظام پیش نہیں کر سکتا۔

مذکورہ نقائص اور ذاتی، انفرادی، خاندانی اور قومی رجحانات کے علاوہ انسان خود بھی انسانی زندگی کے لیے ایک عادلانہ نظام پیش کرنے میں بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ قرآن، ہدایت اور انسانی اصولوں کے دستور العمل کی کتاب ہے جو انسان کا اپنی ذات ، خداوند متعال ، ہم نوع افراد اور معاشرتی اکائیوں سے رابطہ برقرار کرنے میں مددگار ہے۔ قرآن کا کمال یہ ہے کہ حیات انسانی کے تمام روابط کو ایک عمومی اور مکمل ہم آہنگی کے ساتھ مورد توجہ قرار دیتا ہے۔ قرآن جو انسان کی معقول زندگی کی تمام حیثیتوں کو اپنے زیر نظر لیے ہوئے ہے اور کسی بھی جہت سے غافل نہیں ہے؛ انسان کی انفرادی، سماجی، اقتصادی، سیاسی اور دیگر طرح کی زندگی سے مربوط مختلف اخلاق اور قانونی نظام کو پیش کیا ہے۔ یہ کتاب ہزاروں نئی ابحاث کا موضوع اور سینکڑوں کتابوں کی کتابت کی بنیاد ہے۔ قرآن کے تشریعی قوانین میں جامعیت ہے جس نے عورتوں، مردوں، بچوں

---

[1] ۔اعراف (۷) آیت ۱۲۸۔

جوانوں اور بوڑھوں سمیت سبھی مخاطبین کی حقیقی مصلحتوں کو ایک عادلانہ اور حقیقی نگاہ سے دیکھا ہے۔

ان تمام نکات سے ہٹ کر ایک اور قابل توجہ چیز جس سے آسانی کے ساتھ گزرا نہیں جاسکتا وہ یہ کہ قرآن کے قانون سازی کے نظام میں خدا کی طرف دائمی توجہ کے علاوہ انسان انفرادی اور اجتماعی زندگی میں ہمیشہ خدا کے سامنے جوابدہ ہے۔ یہ ایک ایسا نکتہ ہے جس سے بشر کے بنائے ہوئے قوانین میں غفلت کی گئی ہے۔

طہارت، نماز، زکات، خمس، روزہ، حج، اعتکاف، جہاد و صلح، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، وراثت، قضاوت، شہادات، حدود و تعزیرات، قصاص، شفعہ، غصب، احیائے موات، اطعمہ واشربہ، تجارات، رہن، حجر، ضمانت، شراکت، مضاربہ، مزارعہ، مساقات، ودیعہ، عادیہ، اجارہ، وکالت، وقف، کنا، ہبہ، مسابقہ، وصیت، نکاح، طلاق، لعان، عتق، قسم ونذر وغیرہ جیسے مختلف عناوین جو اسلامی قوانین میں رائج ہیں۔اس نکتہ کے سچے گواہ ہیں کہ انسانی زندگی پر عظیم اور حیرت انگیز نگاہ ڈالی گئی ہے؛ حتی کہ جنین سے لے کر بلکہ اس سے بھی پہلے زوجہ کے انتخاب اور حقوق زوجیت کے طریقہ کار سے لیکر مرنے کے بعد اور آخرت کی زندگی کو بھی مد نظر رکھا گیا ہے۔

اسی طرح کتاب و سنت سے ماخوذ اخلاقی کتابوں میں اخلاقی عناوین کی جانب توجہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ بھی عظیم حقائق کو بیان کررہے ہیں۔عورت ، مرد، بچے جوان اور بوڑھوں سمیت تمام مخاطبین کو عادلانہ نگاہ سے مورد لحاظ قرار دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ الٰہی قانون سازی کے دائمی نظام میں حضور خدا کی طرف توجہ اور اس کے سامنے انسان کی ذمہ داری کو توجہ کا مرکز قرار دیا گیا ہے۔ یہ ایسا موضوع ہے جو بشر کے ہاتھوں بنائے گئے قوانین میں مورد غفلت قرار پایا ہے۔

اعلی ترین قرآنی اقدار کے چند نمونے

انسان کے لیے بعض اعلی ترین قرآنی اقدار کی چند مثالیں یہ ہیں:

نیک کاموں کی دعوت اور برے کاموں سے پرہیز

{...تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلا تَعَاوَنُوا عَلَى الإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ...}[1]

" اور (یاد رکھو) نیکی اور تقوی سے ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون نہ کیا کرو۔ "

عدل واحسان کی دعوت

{إِنَّ اللهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَى وَيَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ...}[2]

" یقینا اللہ عدل اور احسان اور قرابت داروں کو (ان کا حق) دینے کا حکم دیتا ہے۔ بے حیائی ،برائی اور زیادتی سے منع کرتا ہے۔ "

پائیدار اور برترین زندگی کی دعوت

{يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ...}[3]

"اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی پکار پر لبیک کہو جب وہ تمہیں حیات آفرین باتوں کی طرف بلائیں۔ "

تفکر، تدبر اور بیداری فکر کی دعوت

{...كَذَلِكَ نُفَصِّلُ الآيَاتِ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ}[4]

" غور و فکر سے کام لینے والوں کے لیے ہم اسی طرح اپنی نشانیاں کھول کر بیان کرتے ہیں۔ "

---

[1] ۔مائدہ (۵) آیت ۲۔

[2] ۔ نحل (۱۶) آیت ۹۰۔

[3] ۔انفال (۸) آیت ۲۴۔

[4] ۔یونس (۱۰) آیت ۲۴۔

{كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُوا الْأَلْبَابِ} [1]

"یہ ایک ایسی بابرکت کتاب ہے جو ہم نے آپ کی طرف نازل کی ہے تاکہ لوگ اس کی آیات میں تدبر کریں اور صاحبان عقل اس سے نصیحت حاصل کریں۔"

مصائب ومشکلات میں صبر واستقامت کی دعوت

{وَكَأَيِّنْ مِنْ نَبِيٍّ قَاتَلَ مَعَهُ رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا وَاللهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ} [2]

"اور کتنے ہی ایسے نبی گزرے ہیں جن کی ہمراہی میں بہت سے اللہ والوں نے جنگ لڑی لیکن اللہ کی راہ میں آنے والی مصیبتوں کی وجہ سے نہ وہ بددل ہوئے اور نہ انہوں نے کمزوری دکھائی اور نہ وہ خوار ہوئے اور اللہ تو صابروں کو دوست رکھتا ہے۔"

خدا پر توکل اور اعتماد کی دعوت

{إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ} [3]

"بتحقیق جو کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے، پھر ثابت قدم رہتے ہیں۔ ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں (اور ان سے کہتے ہیں) نہ خوف کرو اور نہ غم کرو اور اس جنت کی خوشی مناو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔"

{...فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ} [1]

---

[1] ۔ص (۳۸) آیت ۲۹۔

[2] ۔آل عمران (۳) آیت ۱۴۶۔

[3] ۔حم سجد (۴۱) آیت ۳۰۔

"پھر جب آپ عزم کرلیں تو اللہ پر بھروسہ کریں۔بے شک اللہ بھروسہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔"

امید ونشاط کی دعوت اور ناامیدی ومایوسی سے دوری کا حکم

{قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ لا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللهِ إِنَّ اللهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ} [2]

"کہہ دیجئے: اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا یقینا اللہ تمام گناہوں کو معاف فرماتا ہے۔ وہ یقیناً بڑا معاف کرنے والا مہربان ہے۔"

نفس پر قابو پانے اور اس کی حفاظت سے غفلت نہ برتنے کی وصیت

{يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ...} [3]

"اے ایمان والو! اپنی فکر کرو۔"

سعی وکوشش اور اپنی صلاحیتوں سے استفادہ کی دعوت

{يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللهَ إِنَّ اللهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ وَلا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللهَ فَأَنْسَاهُمْ أَنْفُسَهُمْ أُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ} [4]

---

[1] ۔آل عمران (۳) آیت ۱۵۹۔

[2] ۔زمر (۳۹) آیت ۵۳۔

[3] ۔مائدہ (۵) آیت ۱۰۵۔

[4] حشر (۵۹) آیت ۱۸۔۱۹۔

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور شخص کو دیکھنا چاہئے کہ اس نے (روزِ قیامت) کے لیے کیا بھیجا ہے اور اللہ سے ڈرو جو کچھ تم کرتے ہو اللہ یقیناً اس سے باخبر ہے اور ان لوگوں کی طرح نہ ہونا جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے انہیں خود فراموشی میں مبتلا کر دیا۔ یہی لوگ فاسق ہیں۔

{وَأَنْ لَيْسَ لِلإِنْسَانِ إِلاَّ مَا سَعَى وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُرَى} [1]

"اور یہ کہ انسان کو صرف وہی ملتا ہے جس کی وہ سعی کرتا ہے اور یہ کہ اس کی کوشش عنقریب دیکھی جائے گی۔"

والدین کے ساتھ نیکی کرنے کی بہت زیادہ تاکید

{...وبالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلاهُمَا فَلا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلا كَرِيمًا وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا} [2]

"اور والدین کے ساتھ نیکی کرو اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمہارے پاس ہوں اور بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں اف تک نہ کہنا اور انہیں نہ جھڑکنا بلکہ ان سے عزت و تکریم کے ساتھ بات کہنا اور مہر و محبت کے ساتھ ان کے آگے انکساری کا پہلو جھکائے رکھو اور دعا کرو پروردگارا! ان پر رحم فرما جس طرح انہوں نے مجھے بچپن میں (شفقت) سے پالا تھا۔"

اقتصادی اور معاشی اعمال میں میانہ روی کی دعوت

{وَلا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَى عُنُقِكَ وَلا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَحْسُورًا} [3]

---

[1] ۔ نجم (۵۳) آیت ۳۹۔۴۰۔

[2] ۔ بنی اسرائیل (۱۷) آیت ۲۳۔۲۴۔

[3] ۔ بنی اسرائیل (۱۷) آیت ۲۹۔

"اور نہ تو آپ اپنا ہاتھ اپنی گردن میں باندھ کر رکھیں اور نہ ہی اسے بالکل کھلا چھوڑ دیں ورنہ آپ ملامت کا نشانہ اور تہی دست ہو جائیں گے۔"

{وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا} [1]

"اور یہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل کرتے ہیں بلکہ ان کے درمیان اعتدال رکھتے ہیں۔"

جاہلانہ باتوں سے پرہیز

{لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا} [2]

"اور اس کے پیچھے نہ پڑ جس کا تجھے علم نہیں ہے کیونکہ کان، آنکھ اور دل سے یقینا باز پرس ہو گی۔"

دعا و مناجات اور خدائے احد کے ساتھ ارتباط کی نصیحت

{قُلْ مَا يَعْبَأُ بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا} [3]

"کہہ دیجئے اگر تمہاری دعائیں نہ ہوتیں تو میرا رب تمہاری پروا ہی نہ کرتا اب تم نے تکذیب کی ہے لہٰذا اس لیے (سزا) لازمی ہو گی۔"

خدائے احد کی عبادت اور شیطان کی پیروی سے پرہیز کی نصیحت

{أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَا بَنِي آدَمَ أَنْ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ وَأَنِ اعْبُدُونِي هَٰذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ} [4]

---

[1] ۔فرقان (۲۵) آیت ۶۷۔

[2] ۔بنی اسرائیل (۱۷) آیت ۳۶۔

[3] ۔فرقان (۲۵) آیت ۷۷

[4] ۔یس (۳۶) آیت ۶۰۔۶۱۔

''اے اولاد آدم ! کیا ہم نے تم سے عہد نہ لیا تھا کہ تم شیطان کی پرستش نہ کرنا؟ بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور یہ کہ میری بندگی کرنا یہی سیدھا راستہ ہے۔''

قرآنی معارف کی خصوصیات

قرآنی مفاہیم چاہے بنیادی معارف اور دقت نظری کے متعلق ہوں، چاہے اقدار اور سیرتی دستور العمل کے متعلق ہوں سب کے سب کچھ خصوصیات پر مشتمل ہیں جو قرآن کو مکتوبات بشر اور دیگر ادیان کی کتابوں سے ممتاز اور جدا کرتے ہیں۔

الف) عقل و منطق کے مطابق ہونا

قرآنی اصول و معارف اور مفاہیم، عقل و منطق پر مشتمل ہیں۔ اسلامی تعلیمات کی اساس جہالت کے خاتمہ، عقل کی اہمیت، [1] تقلید سے اجتناب، [2] غلط فکر سے پرہیز اور علم کے حصول [3] پر استوار ہے۔

توحید اور اس پر ایمان جو تمام انبیاء اور آسمانی شریعتوں کی دعوت کا حقیقی مقصد ہے۔ یہ قرآنی اقدار کے عقل کے مساوی ہونے کی وضاحت کرتا ہے اور اس نظام کی محکم بنیاد ہے۔ علم اخلاق اور قانون کی جانب سے پیش کی جانے والی اقدار اور اصول اگر قرآن، توحید اور اللہ پر ایمان کے ساتھ سازگار نہ ہوں تو ان کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

---

[1] ۔ حم سجد (۴۱) آیت ۳۷، یونس (۱۰) آیت ۱۰۰۔

[2] نحل (۱۶) آیت ۴۳۔

[3] انعام (۶) آیت ۱۱۶، مجادلہ (۵۸) آیت ۱۱۔

ب) فطرت سے ہم آہنگی

فطرت سے ہم آہنگی ،قرآنی معارف کی ایک اہم خصوصیت ہے ؛ اسی وجہ سے یہ مفاہیم عمومی اور جامع ہونے کے علاوہ ہر رنگ و نسل اور زمانے سے تعلق رکھنے والے انسانوں کی مستقل اور غیر مستقل ضرورتوں کے متعلق ہیں۔

{فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَةَ اللهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللهِ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لا يَعْلَمُونَ} [1]

"پس (اے نبی) یکسر ہو کر اپنا رخ دین (خدا) کی طرف مرکوز رکھیں۔ اللہ کی اس فطرت کی طرف جس پر اس نے سب انسانوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی تخلیق میں تبدیلی نہیں آتی۔ یہی محکم دین ہے؛ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔"

ج) حقیقت کی طرف رجحان اور میانہ روی

خواہشات کی پیروی لے کر مادہ پرستی تک ،کے تمام نظریات کے مقابلے میں قرآن جمالیاتی مسائل کو بہت خوبصورت انداز میں پیش کر رہا ہے۔ قرآن مجید ،انسان کی حقیقت اور خواہشات کو حقیقی نگاہ سے دیکھتا ہے اور اس کی زندگی کے اہداف کو ابتدائی، متوسط اور اعلی میں طبقہ بندی کرتا ہے تاکہ اس کی تمام ذاتی صلاحیتیں نکھر کر سامنے آسکیں اور اس کے وجود کی تمنائیں ایک معتدل اور ہم آہنگ طریقے سے پوری ہوں۔ اسی نگاہ کی بنیاد پر دنیا سے نفرت اور مادی رجحانات کو سرکوب کرنا قرآن کی نظر میں غلط اقدام ہے۔

{قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَذَلِكَ نُفَصِّلُ الآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ} [2]

---

[1] ۔روم (۳۰) آیت ۳۰۔

[2] ۔اعراف (۷) آیت ۳۲۔

''کہہ دیجئے: اللہ کی اس زینت کو جو اس نے اپنے بندوں کے لیے نکالی کس نے حرام کیا اور پاک رزق کو؟ کہہ دیجئے: یہ چیزیں دنیاوی زندگی میں بھی ایمان والوں کے لیے ہیں اور قیامت کے دن تو خالصتاً انہی کے لیے ہوں گی۔ ہم اہل علم کے لیے آیات کو اس طرح کھول کر بیان کرتے ہیں۔''

قرآن مجید میں دنیا پرستی اور حب دنیا کی بھی مذمت کی گئی ہے؛ کیونکہ یہ انسان کے اصلی اور جاودانی ہدف کی راہ میں رکاوٹ ہے۔

{وَمَا هَذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَهْوٌ وَلَعِبٌ وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ}[1]

''اور دنیاوی زندگی تو جی بہلانے اور کھیل کے سوا کچھ نہیں اور آخرت کا گھر ہی زندگی ہے اگر انہیں کچھ علم ہوتا۔''

قرآن مجید میں کائنات کی تمام مخلوقات اور مال و اسباب کو قدرت خدا کی نشانی اور انسان کے مفید استفادہ کا ذریعہ بتایا گیا ہے۔ دنیا، زندگی کا مقصد اور ٹھہرنے کی جگہ نہیں بلکہ تربیت کا مقام اور عبور کرنے کی جگہ ہے۔[2]

اسی وجہ سے قرآن ایک معتدل، حقیقت کی طرف مائل اور عقلمند امت کا چہرہ سامنے لاتا ہے جو دوسروں کے لیے نمونہ عمل ہو۔

{وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا...}[3]

---

[1] ۔ عنکبوت (۲۹) آیت ۶۴۔

[2] ۔ بقرہ (۲) آیت ۲۰۰۔۲۰۲۔

[3] ۔ بقرہ (۲) آیت ۱۴۳۔

''اور اس طرح ہم نے تمہیں امت وسط بنا دیا تاکہ تم لوگوں پر گواہ رہو اور رسول تم پر گواہ رہیں۔''

یہ تمام تعلیمات ایک ایسے انسان نے اپنی زندگی کے پر طلاطم اور کمترین عرصے میں انسانی معاشرے کو تعلیم دیں جس نے کسی مکتب و مدرسہ میں تعلیم نہیں پائی، جس نے کسی استاد کے سامنے زانوئے ادب تہہ نہیں کیے، جس نے ساری زندگی نہ کبھی شعر کہا اور نہ ہی کچھ لکھا۔

{وَمَا كُنْتَ تَتْلُو مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ إِذًا لَارْتَابَ الْمُبْطِلُونَ}[1]

'' اور (اے نبی) آپ اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ ہی اسے اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے اگر ایسا ہوتا تو اہل باطل شبہ کر سکتے تھے۔''

نگار من به که مکتب نرفت وخط ننوشت
به غمزه، مساله آموز صد مدرّس شد

اسی وجہ سے عقل و شعور رکھنے والا ہر انسان قرآن کی تلاوت سے اس نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے کہ یہ کلام، خدائی کلام ہے۔

این همه آوازها از شه بود گرچه از حلقوم عبدالله بود

۳۔ اختلاف اور تناقض سے دوری

تاریخ علم و تمدن اپنے دامن میں بے شمار علمی آثار اور اَن گنت شاہکار رکھتی ہے جو انسان کے تجرباتی اور عقلی تفکرات کا نتیجہ ہیں۔ سقراط، افلاطون، ارسطو، بطلمیوس، فیثاغورث، اکوینس، بو علی سینا، غزالی، فارابی، گلیلیو، کوپرنیک، نیوٹن، آئن سٹائن وغیرہ جیسے بے شمار دانشور کرۂ خاکی پر آئے اور منطق و فلسفہ، ہیئت و نجوم، ریاضی و فزکس کے متعلق گرانقدر تالیفات باقی چھوڑی ہیں۔ان تالیفات میں سے ہر ایک اپنے مصنفین کی معلومات اور آگاہی کی محدودیت اور کمی کی علامت ہے؛ کیونکہ ان آثار کو پیش کرنے والے افراد ایسے نظریات پر مصر رہے ہیں جن

---

[1] عنکبوت (۲۹) آیت ۴۸۔

تک وہ خود بھی نہیں پہنچ پائے۔البتہ ایک ایسی کتاب موجود ہے جو جامعیت ، عمومیت اور اپنے تمام مطالب بشمول توصیفی، اعتقادی، تاریخی، مادی وغیرہ کی حقانیت کا دعوی کرتی ہے:

{ذَلِكَ الْكِتَابُ لا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِلْمُتَّقِينَ}[1]

"یہ کتاب جس میں شبہے کی کوئی گنجائش نہیں۔"

حرف اور ریب نی، تبدیل نی آیہاش شرمندہی تاویل نی[2]

{وَبِالْحَقِّ أَنْزَلْنَاهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ...}[3]

"اس قرآن کو ہم نے حق کے ساتھ نازل کیا ہے اور اسی حق کے ساتھ نازل ہوا ہے۔"

یہ کتاب وہی قرآن مجید ہے جس کے نزول کو چودہ سو سال گزرنے کے باوجود دانشور اور دنیا بھر کے حکمت کے متلاشی افراد اس کی برتری اور شان کے بارے میں حیران ہیں۔ زمانہ گزرنے کے ساتھ اور بشری علوم و معارف کی روز بروز ترقی اس دعوی کی سچائی کو پہلے سے بھی زیادہ ثابت کر رہی ہے۔ قرآن اس حقیقت کو اپنی استدلالی آیات میں اس طرح بیان فرماتا ہے:

{أَفَلا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلافًا كَثِيرًا}[4]

"کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے ؟اور اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو یہ لوگ اس میں بڑا اختلاف پاتے۔"

---

[1] ۔بقرہ (۲) آیت ۲۔

[2] ۔مرحوم علامہ محمد اقبال۔

[3] ۔بنی اسرائیل (۱۷) آیت ۱۰۵۔

[4] ۔نساء (۴) آیت ۸۲۔

انسان اس عالم کی دیگر مادی موجودات کی طرح تدریجی رشد اور کمال کی طرف جارہا ہے اور زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ تجربہ اور مہارت حاصل کررہا ہے۔(تدریجی تکامل)اس کے باوجود ایسا کوئی انسان نہیں ملتا جو تمام مسائل پر احاطہ کیے ہوئے ہو اور تمام علوم کا ماہر ہو بلکہ ہر انسان میں جہالت کے بہت سے پہلو پائے جاتے ہیں (محدودیت اور قابل خطا ہونا)انسان عالم مادہ میں محصور ہونے کی وجہ سے لاشعوری طور پر زندگی کے نشیب وفراز سے متاثر ہوتا ہے اور زندگی کے اسباب سے مدد نہ ملنا، تلخ وشیریں واقعات، صحت وبیماری، تنگدستی وبے نیازی، جنگ وصلح۔۔۔ وغیرہ میں سے ہر ایک انسان کی روح پر مخصوص اثر ڈالتے ہیں ۔(متاثر ہونا)اب اگر کسی ایسے انسان کو دیکھیں جو اپنی زندگی کے تیئس سالہ عرصے میں تنہائی، اہانت، جسمانی و روحانی آزار واذیت، در بدری، اقتصادی بائیکاٹ، فقر، جنگ، شکست، عزیزوں اور دوستوں کا قتل، فتح، مقدس حکومت کی تشکیل جیسے پرتلاطم حالات کا تجربہ کرچکا ہو اور ان تمام حالات میں اس کی گفتگو مسلسل محکم، ہم آہنگ اور کامل ہو تو اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا کلام اس کے فکر و ارادہ کا نتیجہ نہیں ہے:

نوع انسان را پیام آخرین حامل او رحمة للعالمین[1]

قرآن مجید کافی طولانی عرصے میں اور مختلف سماجی حالات میں پیش کیا گیا جو انسان کی تکاملی زندگی کے بے حد وحساب مختلف زاویوں کے بارے میں گفتگو کرتا ہے۔ مگر اس کے باوجود قرآن کو تشکیل دینے والے دو رکن یعنی آیات اور سورتوں کا ترکیبی انداز اور بیانی اسلوب نیز اس کا عمیق مفہوم اور اس کے متن کے بے مثال عناصر نے اپنی سازگاری، ہم آہنگی اور ناقابل بدل ہونے کو ہمیشہ سے محفوظ رکھا ہے۔اسلوب اور مفہوم کی باہمی یکسانیت، بیرونی واقعات وحالات سے متاثر نہ ہونا اور اختلاف وتناقض سے پاک ہونا اس حقیقت کی علامت ہے کہ یہ پیغام، وحی الٰہی ہے نہ کہ کلام بشر، یہ کلام خدا کی تیسری خاصیت اور قرآن کے اعجاز اور چیلنج کا ایک دوسرا رخ ہے۔

هم بنده روی تو شود لاله‌ی خود رو

---

[1] ۔علامہ اقبال (رحمۃ اللہ علیہ)

هم حلقه به گوش تو شود لوٴلوٴ لالا
بر وجه کمال است جمال تو زخوبان
قد فضلک الله جمالاً و کمالاً[1]

[1] ۔ فیضی۔

چھٹا باب

اسلامی تاریخ میں معجزہ کا تصور

اس باب میں ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہم اپنے محترم قاری کو مسئلہ اعجاز قرآن کی تدریجی سیر، نشیب وفراز اور اس بارے میں سعی و کوشش کرنے اور اسلامی علوم کے ورثہ کی حفاظت کرنے والی اہم شخصیات کا تعارف کروائیں۔ مسئلہ اعجاز کے بارے میں منظّم تحقیق و کوشش اور پہلا علمی قدم تیسری صدی کے مفسرین، متکلمین اور ادیبوں نے اٹھایا جب مسلمانوں، ملحدوں اور دیگر فرقوں کے پیروکاروں کے درمیان علمی مباحثوں کا میدان بہت گرم تھا۔ اسی وجہ سے متکلمین کے ایک گروہ نے حقانیت قرآن کے دفاع کا بیڑا اٹھایا۔

''مجازات القرآن'' کے مؤلف ابو عبید معمر بن مثنی (۲۱۰ھ) اور ''معانی القرآن'' کے مؤلف فرّا (۲۱۷ھ) کے بعد ''البیان والتبیان'' اور ''الحیوان'' کے مؤلف اور نامور متکلم وادیب جاحظ کے نام سے معروف ابو عمر (۲۵۵ھ) کو اس دور کا اہم ترین مصنف کہا جاسکتا ہے کہ جنہوں نے ''نظم القرآن'' کو تحریر کیا۔ انہوں نے اپنے استاد نظام معتزلی کی آراء کو تنقیدی نظر سے دیکھتے ہوئے نظریۂ صرفہ کی نفی کی اور قرآن کے نظم و بلاغت کے بارے میں بحث اور قرآن کی ایجادات اور عجائب کی مختلف اقسام کی وضاحت کی جو بعد والے نظریات کے لیے بنیاد بن گئی ہے۔[443]

اسی زمانے میں اسلامی مفسر، مورخ، ادیب اور کتاب ''الامامة و السیاسة'' کے مولف ابن قتیبہ ابو محمد عبداللہ مسلم (۲۷۶ھ) کی کتاب ''تاویل مشکل قرآن'' کا نام لیا جاسکتا ہے۔ اس کتاب میں قرآن کریم پر ہونے والے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس خدا کا شکر و سپاس کہ جس نے قرآن کریم کے حیرت انگیز نظم و ترتیب کے ذریعے مخالفین کے مکر و فریب کو خاک میں ملا دیا۔

---

[443] فکرۃ اعجاز القرآن ص ۵۵

وہ مزید کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں غور و فکر، علمی وسعت اور عربی ادب کی شناخت کے بغیر قرآن کی بلاغت کی شناخت ناممکن ہے۔ قرآن کریم کی فضیلت کو صرف وہی شخص سمجھ سکتا ہے جو قرآن کریم میں بہت زیادہ غور و فکر کرے، علمی زاویوں سے آگاہ ہو اور عربی زبان کے اسلوب اور خصوصیات کو جانتا ہو۔ 444

چوتھی صدی ہجری میں بھی قرآن کریم کے مخالفوں کی کوششوں کے باوجود قرآن پر ایمان رکھنے والے مسلمانوں نے بھی اپنی اپنی طاقت کے مطابق قرآن کریم کی شان و شوکت اور اس کے اعجاز کا دفاع کرنے کی کوششیں کی ہیں۔

ابو علی جبائی کے شاگرد ابو عبداللہ محمد بن یزید واسطی (۳۰۶ھ) کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے کتاب "اعجاز القرآن البیانی" کی تالیف کی جس میں قرآن کے نظم و ترتیب کے بارے میں بحث کی ہے۔ اگرچہ یہ کتاب اس وقت موجود نہیں ہے لیکن یہ کتاب عبدالقاہر جرجانی کی شروح کا نقطہ آغاز اور پھر جرجانی کی مستقل تالیف کا سرچشمہ و ماخذ بن گئی۔ 445

متکلم اور ادیب علی بن عیسی رمانی (۳۸۴ھ): محققین کے بقول جاحظ اور واسطی کے بعد یہ تیسری شخصیت ہیں جنہوں نے قرآن کریم کے اسلوب اور نظم و ترتیب کا دفاع کیا ہے۔ 446 انہوں نے "النکت فی اعجاز القرآن" کو تحریر کیا ہے۔ 447

رمانی کی نظر میں اعجاز قرآن، الفاظ کے تناسب اور ملائمت پر استوار ہے۔ کتاب "سر الفصاحۃ" کے مولف ابن سنان خفاجی کے مطابق رمانی نے اپنی تالیفات میں مراتب کلام کو تین

444۔ تاویل مشکل القرآن، ص ۶۱۔

445 ۔ الاعجاز البیانی، عائشہ بن الشاطی، ص ۱۶۔

446 ۔ اعجاز القرآن رافعی، ص ۱۵۳۔

447۔ ثلاث رسائل فی اعجاز القرآن کا ایک رسالہ۔

قسموں میں تقسیم کیا ہے: متنافر، ملائم متوسط، ملائم اعلیٰ۔

رمانی کی نظر میں اعجاز قرآن ،الفاظ کے تناسب اور ملائمت پر استوار ہے ۔کتاب ''سر الفصاحۃ'' کے مولف ابن سنان خفاجی کے مطابق رمانی نے اپنی تالیفات میں مراتب کلام کو تین قسموں میں تقسیم کیا ہے: متنافر، ملائم متوسط، ملائم اعلیٰ۔

ان کا نظریہ ہے کہ قرآن کریم ،ملائمت کے اعلی درجہ پر فائز ہے اور قرآن کریم میں تدبر اور غور و فکر کرنے والے ہی اس فرق کو سمجھ سکتے ہیں۔448

ابو سلیمان محمد بن ابراہیم خطابی (۳۸۸ھ): رمانی کے ہم عصر ہیں اور اعجاز قرآن کے حامی نامور دانشوروں میں سے ایک ہیں۔ یہ اپنی کتاب ''بیان اعجاز القرآن'' میں کہتے ہیں۔ اعجاز قرآن اس کی بدیع اسلوب اور نظم و ترتیب کا پرتو ہے جس کا ہر لفظ انتہائی دقت کے ساتھ اپنے مناسب مقام پر قائم ہے اور اس کام کے لیے علمی احاطہ کی ضرورت ہے جس سے بشر خالی ہے۔ اسی وجہ سے قرآن کریم کے ہم عصر افراد نے اس کا منطقی مقابلہ کرنے کی بجائے خونخوار جنگوں اور لڑائیوں کی طرف رخ کیا۔ وہ صرفہ، غیب کی خبریں دینا، بلاغت اور نفوس میں تاثیر جیسے نظریات کو بیان کرنے کے بعد اپنے نظریہ کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

''کلام اور گفتگو کی خوبصورتی، دلنشینی اور مٹھاس کا باعث یہ ہے کہ گفتگو تین عناصر یعنی لفظ، معنی اور ان دونوں کے درمیان ارتباط ہے۔ ان امور میں فرق باعث بنتا ہے کہ کلام اور گفتگو، فصاحت بلاغت کے لحاظ سے مختلف مراتب پر مشتمل ہو۔ انسان اپنی ذاتی محدودیتوں، فراموشی اور غفلت کی بنا پر بے مثال اور لاثانی کلام پیش نہیں کر سکتا؛ لیکن جب ہم قرآن میں دقت کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ تین عناصر اپنی بہترین اور اعلی شکل و صورت میں نمایاں ہیں۔الفاظ کے لحاظ سے قرآن کے الفاظ سے زیادہ کوئی اور الفاظ اتنے فصیح، مستحکم و

448 فکرۃ اعجاز القرآن، ص ۶۰۔

پائیدار اور دلربا نظر نہیں آتے۔ اسی طرح ترکیب کی ملائمت، انسجام اور قرآنی جملوں میں الفاظ کی ہماہنگی بے نظیر ہے۔ توحید، ذات حق کا منزہ ہونا، اطاعت خدا کی دعوت، سیر وسلوک اور عبادت کے طریقوں، پسندیدہ اخلاق کی طرف راہنمائی، تمثیلات، گذشتہ لوگوں کی داستان زندگی کا تذکرہ اور استدلال وغیرہ کے بارے میں قرآن کے معانی بھی بے مثال ہیں۔ بنابریں اعجاز قرآن اس میں ہے کہ اس نے بہترین ترکیب اور اسلوب میں فصیح ترین الفاظ اور استوار ترین معانی کو خلق کیا ہے اور خداوند متعال کے علاوہ کوئی اور شخص ایسا کام کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ یہی وہ حقیقت تھی جو قرآن کریم کے ہٹ دھرم مخالفین نے بھی تسلیم کی تھی۔"[449]

پانچویں صدی ہجری

گذشتہ ادوار کی یہ اہم ترین صدی ہے جس میں علمائے اسلام نے اعجاز قرآن کے بارے میں بحث کی ہے اور بہت زیادہ تالیفات باقی چھوڑی ہیں۔ تحریک ترجمہ اور ابو العلاء جیسے افراد کے فلسفی نظریات اور بیرونی افکار کے منصوبے کے بعد اس دور میں ابوالعلاء جیسے افراد قرآن کا مقابلہ اور تنقید کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے اور مسلمان متکلمین نے بھی مقام قرآن کے دفاع اور اس کی وضاحت میں اپنا کردار ادا کیا۔ من جملہ ابن سراقہ (۴۱۰ھ)، شریف مرتضی (۴۳۶ھ)، مؤید الدین کے لقب سے معروف داعی الدعاۃ، کتاب "الفصل فی الملل والنحل" کے مؤلف اور متکلم ابن حزم اندلسی (۴۵۶ھ) جو اعجازِ قرآن پر تنقید کا مخصوص طریقہ کار رکھتے ہیں اور نظریہ صرفہ کی طرف تمایل رکھتے ہیں۔ مشہور شاعر، علوم بلاغت اور اعجاز قرآن کے اسباب کو بیان کرنے والی کتاب "سرّ الفصاحۃ" کے مؤلف ابن سنان خفاجی (۴۶۶ھ) بھی ان میں سے ایک ہیں۔[450]

ان کے علاوہ اس صدی کے نامور افراد مندرجہ ذیل ہیں:

449۔ ثلاث رسائل فی اعجاز القرآن، رسالہ اول، ص ۱۰۔

450 تاریخ فکرۃ اعجاز القرآن ص ۶۷

ابوبکر محمد بن طیب باقلانی (۳۳۸، ۴۰۳ھ) اشعری متکلمین میں سے ہیں اور اپنے زمانے کے فقیہ اور مختلف تالیفات کے مالک ہیں۔ معجزہ کے بارے میں ان کی مشہور کتاب ''اعجاز القرآن'' ہے۔ انکا عقیدہ ہے کہ قرآن خود بذات خود صحیح اور نبوّت کی نشانی ہے۔ اس میں شک وتردید کرنا بدیہیات اور واضح چیزوں میں شک کرنے کے مترادف ہے۔ انکے زمانے کے بعض افراد کا خیال تھا کہ قرآن فقط عصر پیغمبر اکرم ﷺ کے لیے معجزہ تھا اس بناء پر وہ تاکید کیساتھ کہتے ہیں کہ قرآن ہر دور کے لیے معجزہ ہے۔ 451

قرآن کی غیبی خبروں، پیغمبر اکرم ﷺ کے اُمّی ہونے، قصص القرآن، قرآن کے نظم، اسلوب اور بلاغت کو بیان کرتے ہوئے بہت زیادہ تشریح کرتے ہیں اور کہتے ہیں: ''عربوں میں ایک بھی ادبی اثر ایسا نہیں جو بلاغت میں قرآن کے ہم پلّہ اور مساوی ہو۔ اگرچہ قرآن امر، نہی، وعدہ وعید، داستان وغیرہ جیسے مختلف موضوعات پر مشتمل ہے۔ اس کے باوجود وہ ہر موضوع میں بہترین ہے۔'' وہ کہتے ہیں:

''کلام کی اقسام بہت زیادہ مختلف ہیں خاص طور پر جب ایک مصنف ایک موضوع سے دوسرے کی طرف منتقل ہوتا ہے تو اس کی گفتگو مختلف ہو جاتی ہے لیکن قرآن ایک حیران کن انسجام اور نظم کو بیان کرتا ہے قرآن نے ایک نئی سوچ کو ایسے طریقے سے پیش کیا ہے جو بشر اور غیر بشر دونوں کی طاقت سے بالاتر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب قرآنی جملہ دوسروں کے کلام میں لایا جاتا ہے تو اس کی برتری واضح طور پر ظاہر ہوتی ہے۔''452

انہوں نے عربوں کے اقوال حتی پیغمبرؐ اور اصحاب کے فرامین کے واضح نمونوں میں بلاغت کے مقامات کی نشاندہی کرتے ہوئے اسلوب قرآن کے ساتھ موازنہ کیا ہے اور قرآن کے مخصوص نظم اور اس کے برتر اسلوب کو ثابت کیا ہے اور آخر میں کہتے ہیں:

---

451 اعجاز القرآن تحقیق احمد صقر دار المعارف مصر، ص ۳۔

452۔ ایضاً، ص ۲۰۴

''ہم نے واضح کر دیا ہے کہ قرآن کا نظم ایسی بلاغت پر مبنی ہے جو اپنا ثانی نہیں رکھتی اور ایسا اسلوب ہے جو خاص شرف اور قدر و قیمت کا مالک ہے۔''[453]

بالفاظ دیگر اگرچہ مسئلہ نظم قرآن، ابو عبیدہ، ابن قتیبہ، جاحظ، واسطی اور خطابی کے زمانے سے ہی توجہ کا مرکز تھا لیکن باقلانی نے نظم قرآن کو دوسرے طریقے سے بیان کیا ہے:

«ولقد كان نظم القرآن معجزا ان نظمه خارج عن جميع وجوه النظم المعتادة فی كلامهم»[454]

معتزلی متکلم قاضی عبدالجبار بن احمد (۴۱۵ھ) نے بھی اپنے مقام پر اعجازِ قرآن کے بارے میں بہت غور و فکر کی ہے وہ کہتے ہیں: ''اعجازِ قرآن کی وجہ یہ ہے کہ اس نے عربوں کو چیلنج کیا ہے؛ اگرچہ وہ فصاحت کی بلندیوں کو چھو رہے تھے۔ان سب چیزوں کے باوجود قرآن تاکید کرتا ہے کہ وہ ہر گز قرآن کی مثل نہیں لا سکتے اور یہ چیز قرآن کے مقابلے میں ان کی عاجزی کے علاوہ کچھ نہیں تھا اور اسی وجہ سے وہ جنگ پر آمادہ ہو گئے۔''[455]

عبدالجبار نے کتاب ''المغنی فی ابواب التوحید والعدل'' کی سولہویں جلد جو قرآن کے ساتھ خاص ہے میں سب سے پہلے کلامی استدلال کے ذریعے نقل قرآن کی صحت اور اس کے تواتر کو ثابت کیا ہے اور پھر ''بیان الدلالة بانَّ القرآن معجز...'' کے باب کے ذیل میں اعجاز قرآن کی ابحاث کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ وہ اعجاز قرآن کو اُس کی غیر عادی فصاحت قرار

---

[453] ۔ایضاً، ص ۳۰۰، «وقد بيّنا فی نظم القرآن ان الجملة تشتمل على بلاغة منفردة والاسلوب يختص ببعض آخر من الشرف»

[454] ۔ایضاً، ص ۷۵۔

[455] ۔شرح الاصول الخمسہ، تعلیق احمد بن حسین بن ابی ہاشم، تحقیق و مقدمہ عبدالکریم عثمان، مصر، ص ۵۸۶ ۔ ۵۹۴۔

دیتے ہیں جو مخالفین کی ناتوانی اور عاجزی کا سر چشمہ ہے۔«لاختصاصه برتبة من الفصاحة خارجة عن العادة»[456] جو بہترین الفاظ اور اعلی معانی سے مخلوط ہے۔

«القرآن فی اعلی رتبة من الفصاحة الجامعة لشرف اللفظ وحسن المعنی»[457]

شیخ ابی جعفر محمد بن حسن طوسی رحمہ اللہ (۴۶۰ھ) اپنی کتاب ''الاقتصاد'' میں اعجاز قرآن کے بارے میں قاضی عبد الجبار معتزلی کے نظریے کے مشابہ رائے رکھتے ہیں۔اعجاز قرآن کے بارے میں پائے جانیوالے مختلف نظریات جیسے سید مرتضی کا نظریہ صرفہ (قرآن کے مقابلے میں وافر علم کا فقدان)، فصاحت اور خاص نظم واسلوب کا نظریہ، نظریہ نظم ،قرآن کی خاص ترکیب، علم غیب اور اختلاف وتناقض سے دوری کا نظریہ بیان کرنے کے بعد اعجاز قرآن کے بارے میں اپنا نظریہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''غیر معمولی فصاحت اور قرآن کریم کے خاص نظم واسلوب کا باہم ہونا ہی اعجاز قرآن ہے۔''

وہ اپنے اس نظریے کی دلیل کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں: ''تحدی کا معیار یہ ہے کہ خصوصیات اور نظم میں، ایک کلام دوسرے کلام کے مثل ہونا چاہیے۔اسی وجہ سے خطابت اور تقریر کو شعر کے ساتھ موازنہ نہیں کرتے حتی کہ اشعار میں بھی ان اشعار کو جو وزن، قافیہ اور رویّ کے لحاظ سے یکساں نہ ہوں باہم موازنہ نہیں کرتے۔ قرآن غیر معمولی اور بے مثل فصاحت کا مالک ہے،اس کا اثبات صرف ماہر خطباء کی گواہی سے ہی ممکن ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ ولید بن مغیرہ، اعشی، کعب بن زہیر، لبید بن ربیعہ، نابغہ جعدی جیسے نامور افراد قرآن کی فصاحت کے مقابلے میں عاجز ہو گئے۔اس وجہ سے جو قرآن کی فصاحت کو نہ سمجھ سکے اسے سخن شناس شمار نہیں کیا جاسکتا؛ لیکن قرآن کی بے مثل وبے نظیر نظم اور روش بھی ایسا موضوع ہے

456۔ المغنی فی الابواب التوحید والعدل تحقیق امین الخلولی، مصر، ج ۱۶، ص ۳۱۸۔

457۔ ایضاً، ص ۳۲۷۔

جسے عربی لغت اور زبان سے واقف شخص تشخیص دے سکتا ہے کہ قرآن کا طریقہ اور روش ایک مخصوص طریقہ ہے۔"[458]

عبدلقاہر جرجانی (۴۷۱ھ): علم معانی بیان کے بانیوں میں سے ہیں اور" اسرار البلاغۃ"، "دلائل الاعجاز" اور "الشافیۃ" جیسی اہم کتابوں کے مؤلف ہیں۔قرآن مجید کی غیر معمولی فصاحت ، حیران کن بلاغت ، اسلوب اور بے مثال روش کے معجزہ ہونے کو بیان کرتے ہوئے جس چیز کو مطلق قرآن اور خدا کی حیرت انگیز آیت کی برتری کا سبب مانتے ہیں وہ قرآن کا" مخصوص نظم واسلوب" ہے۔ انہوں نے پہلے خطابی کی آراء پر دو شرح لکھیں جو کہ ان کی تالیفات کی تحریر کا مقدمہ شمار ہوتی ہیں۔

عبد القاہر کے نظریہ کے مطابق قرآن کا اعجاز عام اور رائج صورت میں معانی بیان کرنے میں نہیں ہے؛ بلکہ عظمت قرآن اس میں ہے کہ وہ معانی کو حیران کردینے والے پیرائے اور ایک مخصوص شیرینی و زیبائی کے ساتھ بیان کرتا ہے جو روح کی گہرائی میں جا اترتے ہیں ۔[459]

عبد القاہر جرجانی قرآن کی حیران کردینے والی نظم وترتیب کی وضاحت کرتے ہوئے فقط لفظ پر ہی اکتفاء نہیں کرتے بلکہ ان کی بیشتر توجہ لفظ و معنی کے باہمی ارتباط پر تھی اور یہی وہ چیز ہے جسے خطّابی نے ان سے پہلے مجمل طور پر بیان کردیا تھا لیکن عبد القاہر نے اس راز کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

چھٹی ہجری

---

[458]۔الاقتصاد فی اصول الاعتقاد، ص ۱۶۶۔

[459]۔دلائل الاعجاز فی القرآن ص ۱۹۶، اس کتاب کا فارسی ترجمہ ڈاکٹر سید محمد راد منش نے کیا ہے اور آستان قدس نے شائع کیا ہے

چھٹی صدی ہجری بھی اس بات کی گواہ ہے کہ قرآن پر ایمان رکھنے والوں میں سے ہر ایک نے اس آسمانی اور الٰہی کتاب کے مختلف زاویوں کا تعارف کروانے کی کوششیں کی ہیں۔

حسین بن محمد المعروف راغب اصفہانی (۵۰۲ھ): ''المفردات فی غریب القرآن'' اور ''مقدمہ تفسیر'' کے مصنف ہیں۔ اعجاز قرآن کے باب میں عبد القاہر کی طرح کا عقیدہ رکھتے ہیں کہ " نظم وترتیب اور لاثانی اسلوب" میں قرآن کا معجزہ یہ ہے کہ یہ نثر اور شعر نہیں ہے لیکن شعر کی تاثیر رکھتا ہے یہ اسلوب پہلے بالکل رائج نہیں تھا۔ وہ اپنے نظریے کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: '' قرآن مجید لفظ، معنی اور مخصوص ترکیبی اسلوب جیسے تین پہلو رکھتا ہے اور ان تین کے درمیان دور کن لفظ اور معنی پہلے بھی موجود تھے لیکن جس چیز سے معجزہ کا قوام ہوتا ہے اور اعجاز قرآن تشکیل پاتا ہے وہ قرآن کا مخصوص نظم واسلوب ہے جو بے سابقہ ہے۔''[460]

اعجاز قرآن کی وجوہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''قرآن اپنے محدود حجم کے باوجود سرشار معانی پر مشتمل ہے جسے افکار واذہان شمار کرنے سے عاجز ہیں۔''[461]

ابو حامد غزالی (۵۰۵ھ): مشہور مسلم دانشور اور نقّاد ابو حامد غزالی اپنی کتاب ''احیاء العلوم'' میں کہتے ہیں: ''قرآن اس ہدف کے لیے نازل کیا گیا ہے کہ لوگ دنیا داری سے دین داری اور ایمان باللہ کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ ان کی نگاہ اس زاویہ سے ہے کہ قرآن میں تمام علوم پوشیدہ ہیں اور انہیں حاصل کرنا چاہیے۔[462]

460۔ مقدمہ تفسیر، ص ۱۰۴۔

461۔ المفردات، مقدمہ۔

462 احیاء العلوم چوتھا باب فہم قرآن میں

محمد بن عمر زمخشری (۵۳۸ھ): ادیب ، زبان شناس اور نامور معتزلی متکلم اور تفسیر "الکشاف عن حقائق التنزیل"،"عیون الاقاویل فی وجوہ التاویل"،"اساس البلاغہ"، "ربیع الابرار" اور "اعجاز القرآن فی سورۃ الکوثر" جیسی اہم کتابوں کے مصنف ہیں۔انہوں نے اپنی تفسیر میں جگہ جگہ پر قرآن کی والاترین عظمت ، خوبصورتی اور بہترین نظم و ضبط کو نمایاں کرنے کے طریقہ کو اپنایا ہے۔ وہ اعجاز قرآن کی مختلف صورتوں جیسے غیب نمائی وغیرہ کو بھی قبول کرتے ہیں لیکن نظم وترتیب قرآن کو تحدی (چیلنج) کی اساس سمجھتے ہوئے اسے معجزہ کا اساسی ترین رکن شمار کرتے ہیں۔ان کے نظریے سے آگاہی کے لیے مندرجہ ذیل کتابوں سے مدد لی جا سکتی ہے: درویش الجندی کی " النظم القرآنی فی کشاف الزمخشری"محمد ابو موسیٰ کی کتاب "البلاغۃ القرآنیہ فی تفسیر الزمخشری"اور مصطفیٰ الصاوی الجوینی کی کتاب" منہج الزمخشری فی تفسیر القرآن وبیان الاعجازہ"

ابن عطیہ اندلسی (۵۴۲ھ) "تفسیر المحرر الوجیز" کے مؤلف ہیں اعجاز قرآن کے بارے میں بیان کرتے ہیں: " محققین اور دانشوروں کی اکثریت کا عقیدہ ہے کہ قرآن کی تحدی نظم وترتیب اور غیر معمولی ارتباط کے سائے میں معانی کی پائیداری اور الفاظ کی فصاحت میں ہے جس کا سرچشمہ پروردگار کا بے حساب علم ہے۔" 463

قاضی عیاض (۵۴۴ھ) نے بھی اپنی کتاب" الشفا بتعریف حقوق المصطفی" میں اعجاز قرآن، تألیف کی زیبائی، فصاحت وایجاز اور قرآن کے توازن کے بارے میں لکھا ہے۔

ابوعلی فضل بن حسن طبرسی(۴۷۲،۵۵۲ھ) تفسیر"مجمع البیان" کے مؤلف ہیں۔ انہوں نے تفسیر کے متن اور مقدمہ میں اعجاز قرآن کے بارے میں مطالب تحریر کیے ہیں۔ وہ

---

463 المحرر الوجیز ج۱، ص۷۱۔

بلاغت ، غیب کی خبروں، معارف ، پائیداری اور تناقض و اختلاف سے منزّہ ہونے کو اعجاز قرآن سمجھتے ہیں۔ 464

انہوں نے سورہ بقرہ 465 کی تفسیر میں بہترین قرآنی نظم و ترتیب، الفاظ کی استواری و فصاحت اور غیب کی خبروں کے بارے میں گفتگو کی ہے؛ چنانچہ سورہ یونس اور ہود میں بلاغت قرآنی پر روشنی ڈالی ہےاوراسی طرح سورہ بنی اسرائیل کی تشریح میں فصاحت ، بلاغت ، نظم وترتیب، استواری بیان اور قرآن کے بلند و بالا معانی کے بارے میں تحریر کیا ہے۔

قطب الدین ابن الحسن سعید بن ہبۃ اللہ راوندی (۵۷۳ھ) اپنی کتاب ''الخرائج و الجرائح'' میں تحریر کرتے ہیں: ''قرآن صرف ایک معجزہ پر نہیں بلکہ بے شمار معجزات پر مشتمل ہے۔''

قطب الدین راوندی، شیخ طبرسی کی طرح اعجاز قرآن کے اثبات کے لیے پانچ مقدمات ذکر کرتے ہیں۔ من جملہ ان مقدمات میں سے پیغمبر ﷺ کی دعوت اور ظہور ، اللہ کی طرف سے نازل ہونے والے قرآن کے ذریعے چیلنج، قرآن کا ناقابل معارضہ اور مقابلہ ہونا ہے۔

ان امور کی تشریح ووضاحت کرنے کے بعد وہ اعجاز قرآن کی وجوہ کے بارے میں کہتے ہیں :

''متکلمین نے اس کی سات وجوہات ذکر کی ہیں :

ایک : قرآنی نظم و ترتیب اور فصاحت کو پیش کرنے کے لیے سید مرتضی کا نظریہ صرفہ (وافر علم کا فقدان) ۔

دو: شیخ مفید کا غیر معمولی فصاحت کا نظریہ۔

---

464 مقدمہ مجمع البیان۔

465 ایضاً ج ا ص ۶۲۔

تین: معانی کے صحیح ہونے اوران کے عقل کے ساتھ مطابق ہونے کے لحاظ سے معجزہ ہونا۔

چار: تناقص اور اختلاف سے دور ہونے کی جہت سے معجزہ ہونا،

پانچ: غیب کی خبریں دینے کے اعتبار سے معجزہ ہونا،

چھ: مخصوص نظم وترتیب کے لحاظ سے معجزہ ہونا،

سات: معتزلہ کا باہمی تألیف اور نظم وترتیب کا نظریہ۔

ان نظریات کو ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں:

'' بہتر یہ ہے کہ ہم ان تمام وجوہ کو اعجاز قرآن مانیں نہ کہ بعض وجوہات کو۔ پھر ان نظریات کے قائل افراد کے استدلال پر بحث کرتے ہیں اور آخر میں نظم وترتیب قرآن کی دس خصوصیات کے بارے میں چند نکات بیان کرتے ہیں۔''[466]

ساتویں ہجری

محمد بن عمر المعروف فخر رازی (۶۰۶ ھ) اشعری متکلم اور مفسر ہیں اُنہوں نے بھی اپنے مقام پر اعجاز کے بارے میں تفصیل سے گفتگو کی ہے۔[467]

اگرچہ تحقیقی نگاہ سے ''نهاية الايجاز فی دراية الاعجاز'' میں کوئی نیا مطلب پیش نہیں کیا گیا بلکہ یہ کتاب، جرجانی کی دو کتابوں'' دلائل الاعجاز'' اور'' اسرار البلاغہ'' کا خلاصہ ہے۔ فخر رازی اعجاز قرآن کا معیار فصاحت، روش اور تمام عیوب اور نقائص سے مبرا ہونا قرار دیتے ہیں۔ جس کی قرآن میں تحدی کی گئی ہے۔ اپنے مقصود کی وضاحت کے لیے کہتے ہیں:

'' مفروضے تین سے زیادہ نہیں ہیں: یا قرآن تمام فصحاء کے کلام کے ہم مرتبہ ہے یا ان کے کلام پر تھوڑی سی برتری رکھتا ہے جو خارق العادہ شمار نہیں ہوتا اور یا دوسروں کے کلام پر اس

---

[466]۔ الخرائج والجرائح، ج ۳، ص ۹۷۱؛ بحار الانوار، ج ۸۹، ص ۱۳۱۔

[467]۔ اس سے پہلے بھی ہم ان کی کتاب "المطالب العالیہ" سے مطالب ذکر کیے ہیں۔

قدر برتری رکھتا ہے کہ خارق العادہ شمار ہوتا ہے۔ پہلی دو قسم باطل اور تیسرا فرض درست ہے۔ پہلی دو قسموں کے بطلان کی دلیل یہ ہے اگر قرآن دوسرے کے کلام جیسا ہوتا تو مخالفین، قرآنی سورتوں کی مانند ایک سورہ بناڈالتے کیونکہ وہ لغت اور فصاحت کے قوانین پر دسترس رکھتے تھے اور متعصب قسم کے لوگ تھے جو قرآن کے مقابلے میں اپنی جان ومال کو میدان میں لے آئے تھے اور اس راہ میں انہیں بہت زیادہ دشواریوں کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ یہ سب قرآن کے مقابلے میں ان کے عجز کی دلیل ہیں۔ بنابریں واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن ان کے کلام جیسا اور اس کے ہم رتبہ نہیں بلکہ معجزہ الٰہی ہے۔

دوسری طرف بہت سارے عوامل پائے جاتے ہیں جو ظاہری طور پر قرآنی فصاحت وبلاغت میں کمی اور کاستی کے متقاضی ہیں اس کے باوجود قرآن فصاحت کے بلند ترین درجے پر فائز ہے من جملہ عوامل یہ ہیں:

پہلا: عربوں کی فصاحت غالبا مناظر کی توصیف جیسے اونٹ، گھوڑے، کنیز، بادشاہ، جنگ اور حملوں وغیرہ سے متعلق ہے اور قرآن نے ان امور کے بارے میں لب گشائی نہیں کی ہے (یعنی یہ قرآن کے اصلی اور مرکزی موضوعات میں سے شمار نہیں ہوتے) اس وجہ سے قرآن فصیح نہیں ہونا چاہیے لیکن ایسا نہیں ہے۔

دوسرا: خداوند نے قرآن میں صدق اور سچائی کے راستے کا انتخاب کیا ہے حالانکہ اگر ہر شاعر سچائی کا پابند ہو جائے تو اس کے کلام کی خوبصورتی کم ہو جائے گی لیکن اس کے باوجود قرآن زیبا اور فصیح ہے۔

تیسرا: فصاحت، فصیح کلام، شعر یا قصیدے کے ایک یا دو بیت میں یا کلام کے ایک حصہ میں واقع ہوتی ہے اور باقی کلام یا شعر اس درجے کے نہیں ہوتے لیکن قرآن سارا کا سارا فصیح ہے۔ اس طرح کہ پوری بشریت اس کے مقابلے میں عاجز ہے۔

چوتھا: ہر بلیغ شاعر جب کسی چیز کے وصف کا تکرار کرتا ہے تو اس کی دوسری توصیف پہلے کلام کے برابر اور ہم مرتبہ نہیں ہوتی لیکن قرآن میں ایک موضوع کے تکرار کے نمونے بہت

زیادہ پائے جاتے ہیں۔ اس کے باوجود مختلف مقامات پر ایک ہی موضوع کی وضاحت، قرآن کی فصاحت کو نہیں گھٹاتی اور سب کے سب فصاحت کی انتہا ہیں۔

پانچواں: قرآن دستور زندگی، حلال وحرام کا بیان، مکارم اخلاق، ترک دنیا اور انتخاب آخرت کی دعوت وغیرہ پر مشتمل ہے اور یہ امور، فصاحت کی کمی کا باعث ہیں جبکہ قرآن اس وصف کے ساتھ غیر معمولی فصاحت کا مالک ہے۔

چھٹا: شعراء میں سے ہر ایک، ایک زمانے اور ایک موضوع میں برتری رکھتے ہیں۔ کہا جاتا ہے: امرؤالقیس شادمانی، عورتوں اور گھوڑوں کی توصیف کے سلسلے میں بہترین گفتگو کیا کرتا تھا۔ نابغہ خوف وہراس کے موقع پر، اعشی ضرورت کے وقت اور شراب کی توصیف وغیرہ کے بارے بہترین کلام پیش کیا کرتے تھے اور ان میں سے ہر ایک اپنے مزاج کے برخلاف کچھ کہنے سے عاجز تھے لیکن قرآن اپنے تمام موضوعات میں غیر معمولی فصاحت کے ساتھ گفتگو کرتا ہے۔ مثال کے طور پر:

رغبت دلانے کے لیے

{فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ...} [468]

"اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا کیا کیا سامان پردہ غیب میں موجود ہے۔"

توجہ دلانے اور خبردار کرنے کے مقام پر:

{أَفَأَمِنتُمْ أَن يَخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ أَوْ...} [469]

"تو کیا تم اس بات سے خائف نہیں ہو کہ اللہ تمہیں خشکی کی طرف زمین میں دھنسا دے۔

{وَاسْتَفْتَحُوا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ} [470]

---

[468] سجدہ (۳۲) آیت ۱۷۔

[469] بنی اسرائیل (۱۷) آیت ۶۸۔

"اور انبیاء نے فتح و نصرت مانگی تو ہر سرکش دشمن نامراد ہو کر رہ گیا۔"

نصیحت کے مقام پر:

{أَفَرَأَيْتَ إِنْ مَتَّعْنَاهُمْ سِنِينَ} [471]

"تو کیا آپ نے دیکھا کہ اگر ہم انہیں برسوں سامان زندگی دیتے رہیں۔"

الٰہیات کے سلسلے میں فرماتا ہے:

{اللهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنْثَى وَمَا تَغِيضُ الأَرْحَامُ وَمَا تَزْدَاد} [472]

"اللہ ہی جانتا ہے کہ ہر مادہ (مونث) کیا اٹھائے ہوئے ہے اور ارحام کیا گھٹاتے اور کیا بڑھاتے ہیں۔"

ساتواں: یہ کہ قرآن نے تمام اسلامی علوم جیسے کلام، فقہ، اخلاق وغیرہ کے بارے میں گفتگو کی ہے اور انکی وضاحت میں بھی قرآن کی فصاحت کمال درجہ کی ہے۔ [473]

ابو یعقوب یوسف بن محمد بن علی سکاکی (۶۲۶ھ) کتاب "مفتاح العلوم" کے مؤلف ہیں اور اعجازِ قرآن کو قابل فہم امور میں سے قرار دیتے ہیں؛ لیکن صحیح طور پر ان کی تشریح اور توصیف نہیں کی جا سکتی۔ در حقیقت ان کی رائے کے مطابق زیبائی، جمال اور احساسات کو اُبھارنے کے باب پر مشتمل اعجاز قرآن کو کلام میں مجسم کرنے سے زبان عاجز ہے جیسے ملاحت اور طرز جو کہ قابل درک تو ہے لیکن قابل وصف نہیں ہیں اس کے ساتھ ساتھ علم معانی اور بیان

---

[470] ابراہیم (۱۴) آیت ۱۵۔

[471] شعراء (۲۶) آیت ۲۰۵۔

[472] رعد (۱۳) آیت ۸۔

[473]۔ تفسیر کبیر، ج ۲، ص ۱۱۵، نیز نہایۃ الایجاز فی درایۃ الاعجاز۔

کی مشق اور تمرین انسان کو ذوق اور ہنر کے ایسے مرتبہ پر پہنچادیتی ہے کہ قرآن کے بلند مرتبہ جمال اور اس کے اعجاز کو حاصل کرلیتا ہے۔ 474

ابن ابی الاصبع عبد العظیم بن عبدالواحد (۵۷۵، ۶۵۴ھ) زکی الدین اپنے زمانے کے شاعروں اور ادیبوں میں سے تھے انہوں نے اپنی مختلف کتابوں ''بدیع القرآن''[475]، ''تحریر التجبیر'' اور ''البرھان فی اعجاز القرآن'' میں اعجاز قرآن کو بیان، لفظ، اسلوب اور ترکیب قرآن میں نمایاں شمار کیا ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب ''بدیع'' میں (جو ایک قیمتی کتاب ہے) صنعت بدیع کے مقامات کو دوبارہ شمار کرتے ہوئے ہر ایک کے لیے آیات شریفہ سے چند مثالیں بھی ذکر کی ہیں۔ان کا عقیدہ ہے کہ قرآن اپنے خوبصورت موسیقائی سازوں اور بہترین شیوہ بیان کے ذریعے لوگوں کے وجود کی گہرائی میں اثر انداز ہوتا ہے اور انہیں اپنے سحر میں جکڑ لیتا ہے۔

علی بن میثم بحرانی (۶۹۹ھ) مشہور متکلم اور شرح نہج البلاغہ کے مؤلف ہیں۔ اعجاز قرآن کے بارے میں تین نظریات یعنی معتزلہ کا نظریہ فصاحت، جوینی کا فصاحت واسلوب کا نظریہ اور سید مرتضی کے نظریہ صرفہ کو ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں:

''حقیقت یہ ہے کہ اعجاز قرآن کی وجہ اس کی غیر معمولی فصاحت، اسلوب اور علوم شریفہ ہیں۔ وہ اپنے مقصود کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگرچہ عربوں کے بعض کلام میں قابل توجہ فصاحت پائی جاتی ہے لیکن وہ مناسب اسلوب سے خالی اور تکلّف پر مبنی ہیں اور تکلّف، فصاحت کو ختم کرنے کا سرچشمہ ہے۔ اسی وجہ سے ان دو خاصیات کو ایک مقام پر جمع نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے علاوہ قرآن اپنے محتوی کے لحاظ سے توحید، اخلاق، سیاست، معاشرہ کے امور

474۔ مفتاح العلوم، ص ۱۷۶، ص ۲۱۶؛ البرہان زرکشی سے منقول، ج ۲، مبحث اعجاز قرآن۔

475۔ حفنی محمد شرف کے توسط سے تحقیق اور مصر میں شائع ہوئی ہے۔ یہ کتاب فارسی میں بھی ترجمہ ہوچکی ہے۔

کی تدبیر ، سیر و سلوک کی کیفیت ، گذشتہ امتوں کے حالات اور آئندہ کے امور جیسے بہترین علوم پر مشتمل ہے جنہیں کسی بھی طور سے عام بشری اقوال اور کلام میں پیش نہیں کیا جا سکتا۔ پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا تھا اور اس کی فقط ایک وجہ ہے کہ اس فصیح ترین عبارت کے قالب اور بدیع ترین اسلوب پر مشتمل ان معارف کا سر چشمہ فقط وحی الٰہی کو قرار دیں۔'' [476]

کمال الدین عبد الواحد عبد الکریم زملکانی (۶۵۱ھ) (۷۲۷ھ) یہ بھی اعجاز قرآن کی نسبت مخصوص نظم و ترتیب اور تالیف سے دیتے ہیں کہ اعجاز قرآن کلمات کی ترکیب کے لحاظ سے اعتدال اور ہماہنگی پر مشتمل ہے اور معنی اور مفہوم کے لحاظ سے اعلی درجے کا مالک ہے۔ [477]

امیر یحییٰ حمزہ علوی زیدی (۷۴۹ھ) کتاب ''الطراز'' کے مؤلف ہیں۔ انہوں نے اپنی قابل توجہ ادبی تحقیق میں اعجاز قرآن کے سلسلے میں بہترین کلام پیش کیا ہے جو استفادہ کے لائق ہے۔ قرآن کو کلامی لحاظ سے پیغمبر اسلام ﷺ کا معجزہ اور ان کی نبوت کی نشانی اور رسالت کی دلیل مانتے ہیں۔ پہلے اس دعوی کی وضاحت کرتے ہیں کہ خدا نے عربوں کو قرآن کا مثل لانے کا چیلنج کیا، پھر دس سورتیں اور بالاخر ایک سورہ لانے کو کہا اور آخر میں فرمایا کہ ہر گز قرآن کی مثل نہیں لا سکتے۔ مشرکین قرآن کا مقابلہ کرنے کے لیے مختلف مقاصد رکھتے تھے اور مکی زندگی میں کوئی بھی ایسی قدرت موجود نہ تھی جو ان کے لیے رکاوٹ بنتی دوسری جانب اگر اس کام میں کامیاب ہو جاتے تو پیغمبر ﷺ کی رسالت کو باطل کر دیتے؛ ان تمام باتوں کے باوجود وہ اس کام میں کامیاب نہ ہوئے کیونکہ اس کی مثل لانے کی طاقت اور قدرت نہ رکھتے تھے اور یہی معجزہ ہے۔ اس کے بعد اعجاز قرآن کے متعلق مختلف دانشوروں کے نظریات بیان کرتے ہیں اور پھر

---

476 قواعد المرام فی علم الکلام ص ۱۳۲

477 البرہان الکاشف عن اعجاز القرآن ص ۵۳

ان نظریات اور دلائل پر تنقیدی نگاہ ڈالنے کے بعد اپنا نظریہ بیان کرتے ہیں۔ امیر حمزہ یحییٰ زیدی نے مندرجہ ذیل نظریات پر روشنی ڈالی ہے:

۱۔ ابی اسحاق نظام اور سید مرتضی وغیرہ کا نظریہ صرفہ۔

۲۔ اسلوب قرآن جو کہ عرب کے شعر، تقریر اور مکتوبات کے مخالف تھا۔

۳۔ تناقض سے خالی ہونا۔

۴۔ غیبی امور پر مشتمل ہونا۔

۵۔ فصاحت، یعنی الفاظ کا تعقید (پیچیدگی) سے سالم ہونا۔

۶۔ ایسے حقائق، اسرار، اور دقیق امور پر مشتمل ہونا جو ہمیشہ تر و تازہ اور نہ ختم ہونے والے ہیں۔

۷۔ بلاغت، یعنی قرآن، استعارہ و تشبیہ و فصل و وصل، تقدیم و تاخیر اور اضمار و اظہار وغیرہ پر مشتمل ہے۔

۸۔ نظم و ترتیب اور تالیف۔

۹۔ ان باہمی امور کا مجموعہ۔

۱۰۔ قرآنی سورتوں میں سے ہر سورہ کے آغاز و اختتام اور متن کا ظاہری زیبائی اور خوبصورتی اور غیر معمولی خلاقیت پر مشتمل ہونا۔

امیر یحییٰ زیدی اعجاز قرآن کے متعلق اپنا نظریہ اسی دسویں امر کو قرار دیتے ہیں اور اسکی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"آیات قرآن میں مندرجہ ذیل تین خصوصیات پائی جاتی ہیں:

پہلی: قرآن کے الفاظ کی فصاحت و بلاغت یعنی قرآنی الفاظ پیچیدگی سے خالی ہیں بلکہ بارش کی لطافت اور آبشاروں کی روانی اور شہد کی مٹھاس کی طرح ہیں۔

دوسری: قرآن کے معانی کی ہر موضوع کے مناسب فصاحت و بلاغت جیسے مثال، خبر و داستان وامر و نہی، نصیحت وغیرہ۔

تیسری: قرآن کا بہترین نظم و ترتیب اور اس کا سیاق ہے جن میں مناسب ترین ترکیب پائی جاتی ہے۔"

پھر وہ کہتے ہیں:

"ہمارے نظریہ کی دلیل یہ ہے کہ تحدی کی آیات نے ایک خاص جہت کا نام نہیں لیا بلکہ بطور مطلق کہا ہے: جیسے قرآن کی مثل لے آؤ اور مخاطبین بھی جب اپنی گفتگو میں ایک دوسرے کو چیلنج کرتے تھے تو انہی تین خصوصیات یعنی فصاحت، بلاغت اور حُسنِ نظم وترتیب کو توجہ اور آزمائش کا محور قرار دیتے تھے۔ بنابریں جب قرآن نے بھی بطور مطلق تحدی (چیلنج) کیا ہے تو سزاوار یہ ہے کہ اسے مخاطبین کے ذہن میں پائے جانیوالے معنی پر حمل کریں۔"[478]

کتاب کے آخر میں امیر یحییٰ زیدی نے بعض ممکنہ اعتراضات کو ذکر کرکے ان کا جواب دیا ہے۔

بدر الدین محمد بن عبد اللہ زرکشی (۷۹۴ھ) نے بھی اپنی جامع جاودانہ اور مشہور کتاب "البرھان فی علوم القرآن" میں قرآن مجید کو تمام معجزات کا جانشین اور آیت جاوید شمار کرنے کے بعد قرآن کی تحدی (چیلنج) اور قرآن کے مقابلہ میں عربوں کی ناتوانی کے بارے میں سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ عبد اللہ زرکشی نے اعجاز قرآن کے متعلق پائے جانیوالے مسلم دانشوروں کے مختلف نظریات پر ایک جامع نگاہ ڈالتے ہوئے مندرجہ ذیل اہم نظریات کی طرف اشارہ کیا ہے:

۱۔ نظّام کا نظریہ صرفہ (البتہ اس نظریہ پر زرکشی نے شدید تنقید کی ہے)۔

۲۔ عبد الکریم بن زملکانی کی کتاب "البرھان الکاشف فی اعجاز القرآن" میں پیش کیا جانے والا مخصوص تالیف" کا نظریہ۔

---

[478] ۔ الطراز لمتضمن لاسرار البلاغۃ وعلوم حقائق الاعجاز، ج ۳، ص ۳۶۷۔

۳۔ ۵۔ قرآن کی غیب سے آگاہی کا نظریہ، ماضی، آیندہ اور باطن سے آگاہی (زرکشی اس نظریہ پر بھی تنقید کرتے ہیں اور اپنے عقیدہ کے مطابق اسے ساری آیات کے لیے اعجاز شمار نہیں کرتے، کیونکہ ان کے گمان میں سب آیات غیب نما نہیں ہیں)

۶۔ ابن عطیہ کا نظریہ، نظم وترتیب، معانی کا استوار ہونا اور فصاحت جو کہ خداوند کے کلی علم سے ماخوذ ہے۔

۷۔ فصاحت، بدیع کا اسلوب، عیوب سے منزّہ ہونا اور تحدی کے ہمراہ ہونا جو کہ فخر رازی کا نظریہ ہے۔

۸۔ قاضی ابوبکر باقلانی کا نظریہ "غیر معمولی نظم وترتیب اور اسلوب"۔

۹۔ ایسی چیز جو قابل درک تو ہے لیکن قابل وصف اور قابل تعبیر نہیں ہے۔ سکاکی اور ابوحیان توحیدی، بندار بن حسین فارسی شافعی صوفی (۳۵۳ھ) کے قول سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا ہے کہ کیا یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ انسان کی انسانیت کہاں ہے؟ قرآن کے بارے میں بھی اسی طرح ہے اور بشر کی قدرت اس کتاب کے اسرار ورموز پر ہرگز احاطہ نہیں کر سکتی اسی وجہ سے قرآن کی عظمت کے مقابلے میں اذہان وافکار حیرت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

۱۰۔ ابن حازم قرطاجنی کا "منہاج البلغاء" میں پیش کردہ نظریہ کہ تسلسل زمان میں قرآن کی ہمہ جانبہ فصاحت وبلاغت کا استمرار، ایسی خصوصیت ہے جو کسی بھی شخص کے کلام میں نہیں پائی جاتی۔

۱۱۔ خطابی کا اعجاز قرآن کے متعلق غیر معمولی بلاغت کا نظریہ۔

۱۲۔ محققین کا نظریہ (بدر الدین کے خیال میں) اعجاز ان تمام امور پر مشتمل ہے اور ان میں کسی ایک کو تنہا اعجاز قرآن کا سرچشمہ اور راز قرار نہیں دیا جاسکتا بلکہ ان کے ساتھ دیگر امور کا بھی اضافہ کیا جاسکتا ہے۔ جیسے دلوں پر قرآن کی غیر معمولی تاثیر، خواہ قرآن پر ایمان رکھنے والوں پر یا اس کے منکرین پر۔ قرآن کی مسلسل شادابی اور طراوت جو کبھی بھی ماند نہیں پڑے گی۔ اسی طرح تلاوت قرآن کے موقع پر اس کے مقاصد کا دلوں میں آجانا، جو کوئی قرآن کی تلاوت کرتا ہے گویا خدا کی طرف سے قرآن کے مورد نظر معانی اس کے دل پر نازل ہوجاتے ہیں اور وہ وحی کا مخاطب قرار پاتا ہے۔ قرآن کے خاص امور میں سے یہ ہے کہ جزالت (قوت،

صلابت ، سختی) اور شیرینی اور لطافت ایک مقام پر جمع ہیں کہ ان دونوں کا ایک کلام میں اکٹھا ہونا ممکن نہیں اور آخر کار قرآن آخری آسمانی کتاب ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے ایک جدید وحی اور دوسری آسمانی کتاب کی ضرورت نہیں ہے۔

زرکشی کی وضاحتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ خود ان کا بھی یہ عقیدہ ہے کہ اعجاز قرآن کو ایک یا چند جہات کے ساتھ مخصوص یا ان میں منحصر نہیں کیا جاسکتا۔

دسویں ہجری

عبدالرحمٰن بن ابی بکر جلال الدین سیوطی (۸۴۹، ۹۲۱ھ) ان کی بہت زیادہ تالیفات ہیں من جملہ "الاتقان فی علوم القرآن"، "الدر المنثور فی تفسیر الماثور"، "الجامع الصغیر" اور "معترك القرآن فی اعجاز القرآن"[479] جو اعجاز قرآن کے ساتھ مخصوص ہے۔ انہوں نے بہت سارے معانی و بیان کے عناوین اور قرآن کے کلمات کی شناخت کے نظریات کو اعجاز قرآن کے نظریات کے طور پر شمار کیا ہے۔ انہوں نے کلمات کے تناسب، فصاحت ، غیر معمولی بلاغت ، ایجاز ، حیران کن اسلوب ، مخصوص نظم وترتیب، فاصلوں اور بند کا اختتام اور قرآن کی تصویر کشی کو قرآن کی خصوصیات میں سے قرار دیا ہے جیسا کہ سننے والوں کے دلوں پر تاثیر اور ہیشگی طروات وحلاوت کو فقط قرآن کی خصوصیات کے طور پر جانتے ہیں۔[480]

تیرہویں ہجری

اس صدی میں مشہور ومعروف شیعہ دانشور سید عبداللہ شبر کی کلامی تالیف کے علاوہ اعجاز قرآن کے متعلق کوئی مستقل اور معروف تحقیق سامنے نہیں آئی۔ البتہ تفسیر قرآن میں مشغول بہت سے مؤلفین نے اپنی تفسیر کے مقدمات یا تحدی کی آیات کی تفسیر میں اعجاز قرآن کے

---

[479]۔ یہ کتاب علی محمد بجاوی کی تحقیق کے ساتھ دار الفکر العربی قاہرہ میں شائع ہو چکی ہے۔

[480]۔ الاتقان فی علوم القرآن۔ قرآن کی بلاغی اور ادبی مختلف مباحث اور نیز اعجاز کا حصہ۔

بارے میں وضاحتیں کی ہیں۔ جیسے شوکانی ''فتح القدیر'' میں، آلوسی (۱۲۷۰) اپنی تفسیر میں اور شیخ اسماعیل حقی بورسی اپنی کتاب ''مفتاح التفاسیر'' میں بلند ترین بلاغت اور نمایاں نظم وترتیب اور معنی کی استواری واستحکام کو اعجاز قرآن کی نشانی قرار دیتے ہیں۔ اس صدی کے دیگر مؤلفین میں محمد بن احمد اسکندرانی کا نام لیا جاسکتا ہے کہ جنہوں نے اپنی فکر کے مطابق کوشش کی ہے کہ قرآنی مفاہیم، تجربی علوم اور طبیعات کے درمیان مطابقت کو سامنے لائیں اور اس طریقے سے غیر مستقیم انداز میں عظمت قرآن کو ثابت کریں ''کشف الاسرار النورانیّة''، ''تبیان الاسرار الربانیة فی النباتات والمعادن والخواص الحیوانیة'' اور ''البراهین البینات الربیة فی حقائق الحیوانات'' ان کی تالیفات ہیں اگرچہ ان کی یہ فکر سنجیدگی سے قابل غور ہے۔

سید عبداللہ شبر (۱۲۴۲ھ) نے اپنی کلامی کتاب ''حق الیقین'' میں اعجاز قرآن کے متعلق تفصیلی گفتگو کی ہے۔ وہ اعجاز کے نظریے کو ترجیح دینے اور صرفہ کی نفی کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ حق یہ ہے اعجاز قرآن کی مندرجہ ذیل مختلف صورتیں ہیں:

۱۔ بشر کے اختیار میں موجود منظّم حروف تہجی اور کلمات ہونے کے باوجود وہ ایسی حیرت انگیز ترکیب بنانے سے عاجز اور ناتوان ہے۔

۲۔ کلمات اور لغات جب فصیح ترین اور بلیغ ترین کلام میں واقع ہوتے ہیں تو اپنی برتری کو ظاہر کرتے ہیں اور ہر عقلمند اسے تشخیص دے سکتا ہے۔

۳۔ فصحاء کے مکتوبات، زبردست شعراء کے اشعار اور حکماء کے کلام میں قرآن کا اسلوب ونظم بدیع بے مثال ہے اور اتنی مقدار ہی کافی تھی کہ کفار نے اسے سحر کا نام دے دیا کیونکہ یہ دلوں کو اپنی طرف مائل کرلیتا ہے اور روح کی گہرائیوں میں اتر جاتا تھا۔

۴۔ لفظی اختلاف کا نہ ہونا اس کے موضوعات کے وسیع ہونے کے پیش نظر فصاحت اور بلاغت ..... یا معنویت کا پایا جانا جبکہ کوئی بھی بشری کلام مخصوصا اس وسعت کے باوجود اختلاف اور تناقض سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔

۵۔ قرآن، ذات وصفات الٰہی کے متعلق بلند مرتبہ معارف پر مشتمل ہے جو حکماء اور متکلمین کے افکار کو متحیر کردیتے ہیں۔

۶۔قرآن، بہترین آداب، پائیدار دستور، معاشرے کے انتظام اور لوگوں کی دنیا اور آخرت کی زندگی میں راہ راست پر مشتمل ہے۔

۷۔قرآن پوشیدہ اور مخفی رازوں کے متعلق خبریں بھی رکھتا ہے جن سے عام لوگ آگاہی نہیں رکھتے تھے۔ جیسے داستان اصحاب کہف، حضرت موسی و حضرت خضر، حضرت ذوالقرنین و حضرت ابراہیم و حضرت لوط و حضرت یوسف وغیرہ کے قصص۔

۸۔لوگوں کے سینوں میں چھپے رازوں سے پردہ اٹھانا کہ جن سے عالم الغیب پروردگار کے علاوہ کوئی نہیں جانتا تھا اور پیغمبر اکرمؐ کے متعلق منافقین اور کفار کے دلی مقاصد اور انکی سازشوں کو بے نقاب کرنا۔

۹۔ مستقبل میں رونما ہونے والے واقعات کے متعلق خبر دینا۔

۱۰۔زمانہ کے گذرنے کے باوجود قرآن کا ہمیشہ طراوت اور تازگی کا مالک ہونا اور اس کا پرانا نہ ہونا۔ 481

چودہویں ہجری

معجزہ سے مربوط مباحث کے حوالے سے چودہویں صدی ہجری کو تمام زمانوں سے بہترین اور ترقی یافتہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس موضوع کا مسلمانوں کی بیداری اور نئے شبہات پیش کرنے اور جدید دنیا میں علم و دین کے باہمی ارتباط سے گہرا تعلق ہے اور ان حالات میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ نئی فکر رکھنے والے مسلمانوں میں سے ہر ایک نے اپنی طاقت کے مطابق قرآن کی برتری کو نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے۔

ان میں سے ایک گروہ کی کوشش رہی ہے کہ سائنس اور قرآنی معارف کے درمیان مطابقت ثابت کرکے اعجاز کا موضوع سامنے لائے بغیر قرآن کی عظمت واضح کریں اس سلسلہ میں

---

481 حق الیقین فی معرفۃ اصول الدین ج ۱، ص ۱۱۲

قرآن اور جدید ہیئت و نجوم کے درمیان مطابقت ثابت کرنے کے لیے عبد اللہ فکری پاشا کی کتاب ، محمود صدقی کی کتاب "دروس سنن الکائنات" ، طنطاوی کی تفسیر " الجواھر فی تفسیر القرآن" ، علی فکری کی قلمی کاوش "القرآن ینبوع العلوم العرفان" ، مہدی استانبولی کی کتب "دین الغد" "معجزات القرآن الکریم فی العلم والسیاسة والاجتماع" اور موریس بوکائی وغیرہ کی کتب کا نام لیا جاسکتا ہے۔

اس صدی کے قرآنی محققین روش اور طریقہ کار کے لحاظ سے یکساں نہیں ہیں۔ بعض اہل افراط اور بعض دوسرے منطق اور علمی دلیل کے پابند ہیں۔ ان میں سے ایک گروہ نے نئے طریقے سے اعجاز کی مختلف آراء اور جوانب سے بحث کی ہے اور قرآن کی آیات پر تحلیلی نگاہ ڈالی ہے اور اس کی عظمت وشان کو ظاہر کیا ہے۔ جیسے صادق رافعی، امین خولی، سید ہبۃ الدین شہر ستانی، علامہ سید محمد حسین طباطبائی، علامہ مرتضی مطہری، سید قطب، ڈاکٹر عبداللہ دراز، ڈاکٹر محمد سعید رمضان البوطی، آیت اللہ معرفت وغیرہ۔"

مصطفیٰ صادق رافعی (۱۳۲۳ھ) اپنی کتاب "اعجاز القرآن والبلاغة النبویة"[482] میں اعجاز قرآن کے حوالے سے حیرت انگیز نظم وترتیب، کلمات کا تناسب اور قرآن کے سائنسی اعجاز کو مورد توجہ قرار دیتے ہوئے[483] لکھتے ہیں: "عربوں کی عادت تھی کہ مقابلہ کے وقت اپنے قصائد اور تقاریر میں ایک دوسرے کو چیلنج کرتے تھے۔ قرآن نے بھی انہی کے طریقہ کے مطابق انہیں چیلنج کیا ہے کہ قرآن جیسا یا حداقل قرآن کے ایک حصے جیسا بنالائیں پھر خبر دی ہے کہ وہ کبھی بھی ایسا کام انجام نہ دے سکیں گے اور پھر حق کے مقابلے میں ان کی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے انہیں عذاب کی دھمکی دی ہے۔ جب انہوں نے دیکھ لیا کہ ان کی ہمت اور طاقت، قرآن کے افق کی بلندیوں کو نہیں چھو سکتی تو اپنی تلواروں کو میدان میں لے آئے۔ جب مشرکین کا

---

[482] بیروت دار الکتاب العربی ۱۳۹۳ھ

[483] اعجاز القرآن، ص ۲۲۲

قرآن کے اسلوب سے واسطہ پڑا تو اگرچہ وہ کلام کے حروف اور کلمات سے واقف تھے پھر بھی اس کے مقابلے میں عاجز ہو گئے اور قرآن کے مقابلے میں انہیں اپنے بہترین شعراء کے کلام کی بلندی بھی حقیر اور ناچیز محسوس ہونے لگی۔ عرب سخن شناس افراد نے جب یہ دیکھا کہ اس کلام کی جنس اس قدر بے نظیر اور بے مثال ہے کہ روح و عقل پر حاوی ہو جاتی ہے تو قرآن کی برابری کرنے سے ناامید اور مایوس ہو گئے۔

بالآخر کیوں؟ اعجاز قرآن کا راز کیا تھا؟ حقیقت یہ ہے کہ اعجاز قرآن کو اتنی سادگی سے بیان نہیں کیا جا سکتا کیونکہ قرآن رمزِ حیات اور راز جاودانگی ہے۔ نظم و اسلوب کو اعجاز قرآن کے رازوں میں سے شمار کیا جاسکتا ہے۔ تین عناصر کے متعلق بحث: حروف، اصوات (آوازوں) سے بنتے ہیں؛ کلمات حروف سے بنتے ہیں۔ جملات کلام کی جنس سے ہیں یہ باہم مرکب ہوتے ہیں۔

جب قرآن عربوں کے سامنے پڑھا گیا تو انھوں نے اپنے اندر اس کے حروف، کلمات، جملات کو خاص قسم کی آواز، سر، تناسب اور باہمی ارتباط اور اسکی تاثیر کو اس طرح محسوس کیا کہ اسکے ہم پلہ کوئی ایسا کلام انہیں نہ مل سکا جو اس حد تک متناسب اور ہم آہنگ ہو۔

اس کے بعد وہ حروف کی خصوصیات اور ان کی مختلف آوازوں اور انکی باہمی ترکیب کو بیان کرتے ہیں۔ وہ اپنے کلام کے دوسرے حصے میں "قرآن کی دائمی تازگی" کو بیان کرتے ہیں کہ قرآن ہر گز باسی اور پرانا نہیں ہوگا اور اس نکتہ کو بھی نظم قرآنی اور قرآنی حروف کے تناسب اور مخصوص آواز کا مرہون منت سمجھتے ہیں۔ 484

رافعی کی باتوں کا محور انسانوں کے قلب و عقل میں قرآن کا بے مثل نفوذ قرار دیا جاسکتا ہے قرآن کی حیرت انگیز شان و شوکت اس میں ہے کہ روح کی گہرائی تک اثر انداز ہوتا ہے۔ البتہ یہ بات رافعی سے پہلے بھی بہت سارے افراد بشمول قرآن پر ایمان رکھنے والوں اور مخالفین، مختلف انداز میں کہہ چکے ہیں اور رافعی کے بعد بھی دیگر مفکرین نے بیان کیا ہے۔ فرید

---

484 اعجاز القرآن ص ۲۰۹

وجدی انہیں میں سے ایک ہیں وہ بھی اپنے مقام پر اس راز کو کشف کرنے کی جستجو میں لگے ہیں کہ ہر ایک کلام چاہے جس قدر فصیح اور گویا ہو تکرار سے اپنی پہلی طراوت اور مٹھاس سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے لیکن قرآن کیوں ہمیشہ سے اپنے مخاطبین کے دل ودماغ کو اپنا مغلوب کرکے اپنی طرف جذب کر لیتا ہے اس سوال کا جواب اس جملے میں سمجھتے ہیں کہ قرآن، کلام خدا اور ایسی رو ح ہے کہ جو اس کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔

{وَكَذٰلِكَ أَوْحَيْنا إِلَيْكَ رُوحاً مِنْ أَمْرِنا} [485]

"اور اسی طرح ہم نے اپنے امر میں سے ایک روح آپ کی طرف وحی کی ہے۔"

قرآن کی یہی روحانیت ہے جو انسانوں کے ضمیر کے سیاہ ترین نکتے کو تسخیر کر لیتی ہے اور انسان کی ساری زندگی، عواطف واحساسات اور اسکی نفسیات کو اپنے قبضے میں لے لیتی ہے اور انسان کی ایک جدید تخلیق کرتی ہے جیسا کہ اس نئی روح اور سرشار زندگی کے ذریعے عرب معاشرہ میں بے کار اور پسماندہ انسانوں کو زندگی کے بلند ترین مرتبے پر پہنچا دیتی ہے۔ [486]

علامہ شیخ محمد حسین کاشف الغطاء (۱۳۷۳ھ) عظیم شیعہ عالم دین نے بھی اعجاز قرآن کے حوالے سے بہترین کلام پیش کیا ہے جو قابل ملاحظہ ہے۔ وہ قرآن کے معجزہ ہونے اور اس کے چیلنج کو بیان کرنے سے پہلے اعجاز قرآن کے مختلف اسباب کو یوں بیان کرتے ہیں:

"بے مثل فصاحت و بلاغت، بے سابقہ اور نظم واسلوب، گذشتہ اور آئندہ کی غیبی خبر دینا یہ سب اعجاز قرآن کے اسباب میں سے شمار ہوتے ہیں۔" [487]

سید قطب (۱۳۸۶ھ) معروف مصنف ہیں اور تفسیر فی ظلال القرآن کے مؤلف ہیں اُنہوں نے اپنی دو کتابوں "التصویر الفنی فی القرآن" اور "مشاهد القيامة فی القرآن" میں

485۔ شوری (۴۲) آیت ۵۲۔

486۔ دائرۃ المعارف القرآن العشرین، ج ۷، ص ۷۷۹، مادہ "قراء"

487 الدین والاسلام ج ۲ ص ۵۳

عشق قرآن سے سرشار ہو کر قرآن کے اعجاز بلاغی کی نئی طرح سے وضاحت کی ہے جو بہت زیادہ دلکش اور پڑھنے کے لائق ہے۔ مؤلف محترم کا قرآن سے متعلق فہم یہ ہے کہ گویا قرآن، انسانوں کی روح سے ہم کلام ہوتا ہے۔ انہوں نے اس قرآنی صفت کی توصیف مختلف عبارات کے ذریعے کی ہے:

«هی طریقة التصویر التشخیص بواسطة التخییل والتجسیم»[488]

ان کے عقیدہ کے مطابق جمال قرآن ہی معجزہ کا ستون اور بنیاد ہے خلاقیت اور نمائش، زیبائی، صلابت و پختگی قرآنی کی صفات میں سے ہیں۔[489] یہ تینوں صفات قرآن کی جمالیاتی تخلیق سے پیدا ہوتی ہیں اور اس کے جادوئی اثر کا سرچشمہ ہیں۔[490] وہ کہتے ہیں:

''اس حقیقت سے چشم پوشی نہیں کی جاسکتی کہ قرآن بلند مرتبہ الٰہی معارف پر مشتمل اور انتہائی دقیق اور جامع ترین لیکن ان کے عقیدہ کے مطابق قرآن میں قابل توجہ نکتہ قرآن کا شیوہ تعبیر ہے جس کے قالب میں اپنے اہداف اور معارف کو پیش کرتا ہے۔ اس طریقے کی خاصیت یہ ہے کہ ذہنی معانی اور اندرونی حالات سبھی کو محسوس کیا جاسکتا ہے۔ قرآنی نمائش میں بلند مرتبہ حقائق، قدرتی مناظر، گذشتہ واقعات، داستانیں، قیامت کی منزلیں، مناظر، نعمتیں اور عذاب وغیرہ سب کے سب ظاہر ہو جاتے ہیں اور روح انسانی کے ساتھ مخلوط ہو جاتے ہیں۔''

اس شیوہ کا کمال یہ ہے کہ معانی انتزاعی اور ذہنی صورت میں انسان کے قلب و ذہن میں منتقل نہیں ہوتے بلکہ انسان کے وجدان اور احساس کو زیر اثر لے آتے ہیں اور مختلف مقامات سے نفس انسان پر عارض ہوتے ہیں۔ حس کے راستے سے انسانی قوت خیال و ادراک اور اپنی گونج

---

488 التصویر الفنی فی القرآن ص ۱۹۳

489 مشاہد القیامۃ فی القرآن ص ۲۳۵

490 التصویر الفنی فی القرآن ص ۱۷

وآواز اور رنگ کے ذریعے وجدان اور اندرون انسان کو مسخر کر لیتے ہیں اور یہ وہی جمال ہے جو وجدان کو سجیلا کر دیتا ہے اور لذت بخش ہوتا ہے۔

سید قطب اپنی تفسیر میں جگہ جگہ سعی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ قرآن کی بے ہمتائی کو شیوۂ بیان کے ذریعے وضاحت کریں جبکہ سید قطب کو قرآن کی خیال انگیز تصویر اور جمالیاتی ہنر کو کشف کرنے والا پہلا شخص قرار نہیں دے سکتے جیسا کہ خود انہوں نے بزرگوارانہ طور پر اس موضوع کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ان سے پہلے امین خولی نے قرآن کی اسی جہت کو توجہ کا محور قرار دیا ہے۔"[491]

سید قطب کہتے ہیں: "ان سے پہلے بھی گذشتہ صدیوں کے محنتی افراد جیسے زمخشری تفسیر سورہ فاتحہ اور آیت "ولما سکت من موسی الغضب" کی تشریح میں اور عبد القاہر نے قرآن کے اس تصویری جمال کی مختلف سطوح پر بحث کی ہے۔[492] لیکن یہ مطلب ان کے کام کی قدر و قیمت اور اہمیت اور جدید ترین تخلیق کے لیے ضرر رسان نہیں ہے۔"

سید ہبۃ الدین شہرستانی (۱۳۸۶ھ) نے قرآن کی عزت وعظمت کی حفاظت میں کتاب "المعجزۃ الخالدۃ" تحریر کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں: "قرآن اگرچہ ان الفاظ سے تشکیل پایا ہے جو لوگوں کے اختیار میں ہیں لیکن اس کے باوجود بہت سارے منافع اور صفات کا حامل ہے جن میں وہ لاثانی ہے جیسے:

۱۔ الفاظ قرآن کی فصاحت جو فصاحت کی تمام خصوصیات پر مشتمل ہے۔
۲۔ بلاغت اور مقتضائے حال و مقام کی مکمل رعایت۔
۳۔ قرآن کے اہداف و مقاصد اور معانی کا بلند مرتبہ ہونا۔
۴۔ غیبی خبریں اور عالم وجود کے علمی اسرار و رموز۔

491۔ التصویر الفنی فی القرآن، ص ۱۱۱۔

492۔ التصویر الفنی، ص ۲۷ تا ۳۱۔

۵۔ حکیمانہ قوانین اور پائیدار دستورات۔
۶۔ تعارض، تناقض اور اختلاف سے منزّہ ہونا۔
۷۔ ہر زمانے میں تازگی اور طراوت کا حامل ہونا۔
۸۔ استدلال کی قوت اور براہین وادلہ کا کامل ہونا۔
۹۔ حیرت انگیز رموز پر مشتمل ہونا۔
۱۰۔ روح کی تسخیر اور نفوس میں اس کی تاثیر۔

اختتام پر اپنے منظور نظر عقیدہ یعنی نفوس میں تاثیر اور روح کی تسخیر کے ساتھ ساتھ اسکی بلاغت کو بیان کرتے ہیں۔ انہوں نے اضافہ کیا ہے کہ یہ تاثیر ہر عقلمند انسان کے لیے ہر زبان واعتقاد کے ساتھ ایک محسوس حقیقت ہے اور یہ اس وجہ سے ہے کہ یہ کلام، انسانوں کے خالق پروردگار کا پیغام ہے۔ 493

استاد مصطفیٰ محمود کا بھی ایسے مصنفین میں شمار ہوتا ہے کہ جنہوں نے قرآن کی اندرونی اور بیرونی سر اور آواز کے متعلق گفتگو کی ہے انہوں نے کہا ہے کہ وزن، قافیہ، بحر اور دیگر امور سے تشکیل پانے والی ظاہری موسیقی اور ان کے بغیر حتی کہ چھوٹے چھوٹے کلمات کے سائے میں بننے والی اندرونی موسیقی کے درمیان بہت زیادہ فرق ہے۔ بعنوان مثال جب ہم آیت {والضحیٰ واللیل اذا سجیٰ} کی تلاوت کرتے ہیں تو ہر ہر حرف سے موسیقی کی آواز اور سر کی بارش برستی ہے در حالانکہ یہ چیز عمر بن ربیعہ جیسے شاعر کے کلام میں نہیں ملتی جیسے اسکا مشہور شعر جس میں وزن اور قافیہ اور بحر.....کے بغیر تان پیش کی گئی ہے۔ اور یہ فرق ایسا راز ہے جو قرآن کے خالق کی تخلیق کا شاہکار ہے کہ اس جہت سے کوئی بھی ادبی ترکیب اسکی برابری نہیں کر سکتی۔ وہ کہتے ہیں:

493۔ المعجزۃ الخالدۃ، ص ۸۔

"جب ہم اس قرآنی عبارت کو سنتے ہیں: {إِنَّهُ مَنْ يَأْتِ رَبَّهُ مُجْرِمًا فَإِنَّ لَهُ جَهَنَّمَ لاَ يَمُوتُ فِيهَا وَلاَ يَحْيَا} [494] "بے شک جو مجرم بن کر اپنے رب کے پاس آئے گا اس کے لیے یقینا جہنم ہے جس میں وہ نہ مرے گا اور نہ جیئے گا۔" ہر طرف سے اس کے کلمات کے اندر اور باہر سے سر اور موسیقی کی آواز ایسی حیرت انگیز صورت میں نکلتی ہے کہ جس کی توصیف نہیں کی جا سکتی جیسا کہ جب قرآن حضرت موسی علیہ السلام کی داستان نقل کرتا ہے اس کا مخصوص اسلوب ایسی حیران کن ساز موسیقی کو ظاہر کرتا ہے کہ جو دائرہ وصف میں سمٹ نہیں سکتی۔"

وَلَقَدْ أَوْحَيْنَا إِلَى مُوسَى أَنْ أَسْرِ بِعِبَادِي فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا لاَ تَخَافُ دَرَكًا وَلاَ تَخْشَى فَأَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُودِهِ فَغَشِيَهُمْ مِنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ وَأَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهُ وَمَا هَدَى} [495]

"اور بتحقیق ہم نے موسی کی طرف وحی کی کہ میرے بندوں کو لیکر رات کے وقت چل پڑیں اور انکے لیے دریا میں خشک راستہ بنا دیں پھر آپ کو (فرعون کی طرف سے) نہ پکڑے جانے کا خطرہ ہو گا اور نہ ہی (غرق کا) خوف پھر فرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ انکا تعاقب کیا اور پھر دریا ان پر ایسا چھایا کہ جس طرح چھا جانا چاہیے تھا اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کر دیا اور ہدایت کے لیے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی۔

اس عبارت میں کلمات انتہائی لطافت کے ساتھ آپس میں جڑے ہوئے ہیں گویا کہ یہ کلمات ایک قادر مطلق پروردگار کے ہاتھ کا کرشمہ ہیں اور اس کلام کے خالق نے انہیں ایک مخصوص لاثانی نظام میں نہ ٹوٹنے والے پیوند میں جوڑ دیا ہے جو کہ عربی شعر و نثر میں بے سابقہ ہے اور بہت زیادہ دشمنوں کے باوجود اسی طرح اپنی بلند مرتبہ عظمت کو محفوظ رکھے ہوئے ہے۔

مصطفیٰ محمود کے عقیدہ کے مطابق اندرونی موسیقی قرآن کی حقیقی خصوصیات شمار نہیں ہوتی ، بلکہ موسیقی کے علاوہ قرآن کا "جاہ و جلال" بھی ہے جسے محسوس کیا جاسکتا ہے۔ بعنوان مثال

---

[494]۔ طہ (۲۰) آیت ۷۴۔

[495]۔ طٰہ (۲۰) آیت ۷۷،۷۹۔

جب طوفان نوح علیہ السلام کی داستان میں پانی نیچے جانے کا فرمان حادثہ کے اختتام کو بیان کرتا ہے:

{وَقِيلَ يَا أَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكِ وَيَا سَمَاءُ أَقْلِعِي وَغِيضَ الْمَاءُ وَقُضِيَ الأَمْرُ} [496]

"اور کہا گیا اے زمین! اپنا پانی نگل لے اور اے آسمان! تھم جا اور پانی خشک کر دیا گیا اور کام تمام کر دیا گیا۔"

ہر کلمہ پہاڑوں جیسی سنگینی اور کڑکتی آسمانی بجلی کی سی آواز لے کر نازل ہوتا ہے اور اپنے ساتھ خاموشی اور دنیا کے آرام و سکون اور عالمگیر حادثہ کے اختتام کا خاکہ بنا کر لاتا ہے۔ ان عبارتوں میں انسان، بشریت سے ہٹ کر ایک نمائش کے مدمقابل آ کھڑا ہوتا ہے کہ ان میں سے کسی ایک حرف یا کلمہ کو اپنے مقام سے ہلا نہیں سکتا اور نہ ہی اس کے قائم مقام کر سکتا ہے لیکن در عین حال وہی نغمہ اور اثر کی تاثیر باقی رہے اور اسی عظمت و شکوہ کی وجہ سے زبان کی تیزی رکھنے والے دشمن بھی عظمت قرآن کے سامنے اپنی حیرانی کو مخفی نہ رکھ پائے اس لیے اس کا نام جادو رکھ دیا جو باطن کو تسخیر کر لیتا ہے۔ [497]

ڈاکٹر عبداللہ درازی نے بھی اپنے قابل مطالعہ اور خوبصورت کتاب میں قرآن کی خوبصورتیوں اور دلچسپ چیزوں کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ خدائے حکیم و جمیل نے انمول گوہروں اور نفیس مطالب کو جاذب نظر اور دلربا صدفوں کی آغوش میں چھپا رکھا ہے کہ ہر صاحب ذوق انسان ناخواستہ اور مجبوراً ان جادوئی کلمات سے مسحور ہو جاتا ہے

---

[496] ۔ ہود (۱۱) آیت ۴۴۔

[497] ۔ القرآن، محاولۃ لفہم عصری، مصر، دار المعارف، ص ۱۲۔

اوران کے معانی کی جانب کھنچا چلا جاتا ہے اور دشمنوں کے باوجود قرآن کی بقاء کا اصلی ترین سبب یہی زیبائی اور لطافت ہے۔[498]

مذکورہ بالا مطالب کے علاوہ ڈاکٹر دراز فصاحت کے سبب جن نمایاں نکات کو قابل توجہ قرار دیتے ہیں وہ پورے قرآن میں وحدت موضوع ہے جو ہر ایک سورہ میں موجود ہے اگرچہ قرآنی آیات، نجومی مہینوں کے لحاظ سے بیس سال سے زائد عرصہ میں نازل ہوئی ہیں اور اُنہوں نے اگرچہ قرآن کی سب سے بڑی سورہ بھی بقرہ میں اس موضوع کو دکھانے کی کوشش کی ہے:

«وشیء آخر عجیب یدلّ انّ القرآن معجزٌ و انّه من لدن الله ذلك هو طریقة نزول القرآن و طریقه جمعه، فقد نزل القرآن نجوماً بحسب الحوادث و کان النجم منها یوضع فی مکان کذا من سورة کذا، و لایراعی فیه التتالی التاریخی للنزول. فقد ینزل نجمٌ متأخر یوضع قبل نجمٍ متقدم، و لم تکن الحوادث الاّ طارئة و لم تکن مرسومة و لا مخطّطا لها الاّ من قبل الله خالق کل شیءٍ، فکیف تکون من المجموع علی هذه الصورة سور متکاملة فی المعانی منسجمة فی المبانی دون ان یکون فیها خلل، و دون ان تغیّر فیها المواقع او یعاد فیها النظر لولا ان یکون الذین أنزل القرآن و حدَّد لکلّ نجمٍ مکانه هو خالق الأکوان و مقدّر الاحداث...»

شیخ محمد جواد بلاغی، انتہائی محنتی دانشور اور ''تفسیر آلاء الرحمن'' کے مصنف ہیں۔ انہوں نے اعجاز قرآن پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ وہ اعجاز قرآن کے اسباب کو مندرجہ ذیل امور میں قرار دیتے ہیں:

۱۔ گذشتہ تاریخی حوادث اور واقعات کا صحیح بیان جو کہ موجودہ دینی کتابوں میں تحریف کی صورت میں ہیں۔

۲۔ واضح اور حکیمانہ استدلال جو حقیقت کو ضلالت سے ممتاز کرتا ہے۔

---

[498] ۔ النباء العظیم، نظرات جدیدہ فی القرآن، ص ۹۵۔

۳۔ قرآنی معارف کی بہت زیادہ موضوعات میں وسعت کے باجود بیان میں استواری و پائیداری اور تناقض و اختلاف سے دوری، جیسے الٰہیات، اخلاق و آداب، شہری قوانین، معاشرہ کو چلانے والے نظام وغیرہ کو مناسب ترین اسلوب اور استوار ترین شیوہ و روش اور خوش گفتار بیان کے ذریعے پیش کرنا۔

۴۔ عادلانہ قانون سازی اور پیشرفتہ شہری نظام کے حوالے سے معجزہ ہونا۔

۵۔ اخلاقی فضائل اور حسن آداب کے اصولوں کو شامل ہونا۔

۶۔ غیبی خبروں اور آئین حق اور اعلائے ''کلمۃ اللہ فی الارض'' کی نسبت سے شعور دینا۔[499]

گرانقدر تفسیر ''المیزان'' کے مؤلف اور عصر حاضر کے ماہر قرآن علامہ سید محمد حسین طباطبائیؒ نے بھی بحث اعجاز قرآن کے متعلق ظریف اور قیمتی نکات بیان کیے ہیں اور بڑے خاص اہتمام سے قرآن کی اس خصوصیت کو پیش کیا ہے۔ان کی رائے میں قرآن کی تحدی اور رقابت فقط بلاغت قرآنی یا قرآن کی دیگر خصوصیتوں میں سے ہر ایک سے الگ طور پر مختص نہیں ہے، بلکہ ساری جہات کو شامل ہے۔ قرآن بلغاء کے لیے بلاغت الٰہی کی نشانی اور حکماء کے لیے حکمت کانشان اور علماء کے لیے علم کی نشانی، قانون دانوں کے لیے قانون سازی کی آیت ہے۔ بالآخر یہ سب علماء کے لیےاُن تمام معارف میں آیت ہے۔ جنہیں مکمل طور پر اپنے اندر جمع نہیں کر سکتے۔ جیسے غیب کی خبر دینا، تمام واقعی امور کا علم، بلیغ اور کامل بیان اور اختلاف کا نہ ہونا۔

وہ کہتے ہیں:

'' کس عقل مند میں جرات ہے کہ ایسی کتاب پیش کرے اور اس میں دعویٰ کرے کہ یہ کتاب ساری بشریت کی راہنما، غیب نما اور مختلف معارف پر مشتمل ہے جس میں کسی قسم کا کوئی

---

[499] ۔ تفسیر آلاء الرحمٰن، ص ۳۔

اختلاف اور تناقض نہیں پایا جاتا؟ ناگزیر طور پر کوئی بھی صاحب عقل و شعور یہ کہنے میں تردید نہیں کرے گا کہ یہ سارے کے سارے کمالات بشر کی طاقت و قدرت سے بالاتر ہیں۔ وہ قرآن کی تحدی (چیلنج) کو عمومی شمار کرتے ہوئے کہتے ہیں: قرآن کبھی معرفت کے حوالے سے تحدی کرتا ہے: {تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ} [500] "ہر چیز کو بڑی وضاحت سے بیان کرنے والی۔"

کبھی اپنی وحی کے لحاظ سے چیلنج کرتا ہے:

{قُلْ لَوْ شَاءَ اللهُ مَا تَلَوْتُهُ عَلَيْكُمْ وَلا أَدْرَاكُمْ بِهِ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِنْ قَبْلِهِ أَفَلا تَعْقِلُونَ} [501]

"کہہ دیجئے: اگر اللہ چاہتا تو میں یہ قرآن تمہیں پڑھ کر نہ سناتا اور نہ ہی اللہ تمہیں اس سے آگاہ کرتا۔ اس سے پہلے میں تمہارے درمیان ایک عمر گزار چکا ہوں، کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔"

کبھی غیب کے حوالے سے تحدی (چیلنج) کرتا ہے:

{تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا أَنْتَ وَلا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هَذَا فَاصْبِرْ إِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِينَ} [502]

"یہ ہیں غیب کی کچھ خبریں جو ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں۔ اس سے پہلے نہ آپ ان باتوں کو جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم۔"

کبھی اختلاف سے منزّہ اور خالی ہونے کے بارے میں تحدی (چیلنج) کرتا ہے:

{أَفَلا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلافًا كَثِيرًا} [503]

---

[500] ۔ نحل (۱۶) آیت ۸۹۔

[501] ۔ یونس (۱۰) آیت ۱۶۔

[502] ۔ ہود (۱۱) آیت ۴۹۔

"کیا یہ قرآن میں تدبر نہیں کرتے ؟اور اگر یہ اللہ کے سواء کسی اور کی طرف سے ہوتا تو یہ لوگ اس میں بڑا اختلاف پاتے۔"

کبھی بلاغت قرآن کے لحاظ سے چیلنج کرتا ہے:

{أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِثْلِهِ مُفْتَرَيَاتٍ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِنْ دُونِ اللهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ فَإِنْ لَمْ يَسْتَجِيبُوا لَكُمْ فَاعْلَمُوا أَنَّمَا أُنْزِلَ بِعِلْمِ اللهِ} [504]

"کیا یہ کہتے ہیں کہ اس نے (قرآن کو) خود بنایا ہے؟ کہہ دیجئے: اگر تم سچے ہو تو اس جیسی خود ساختہ دس سورتیں بنالاؤ اور اللہ کے سوا جس جس کو بلا سکتے ہو بلا لاؤ پھر اگر وہ تمہاری مدد کو نہ پہنچیں تو جان لو کہ یہ اللہ کے علم سے نازل ہوا ہے۔"[505]

آیت اللہ سید ابوالقاسم خوئیؒ نے بھی اپنی خوبصورت کتاب "البیان" میں بحث اعجاز کو بڑی خوبصورتی سے بیان کیا ہے اور علامہ طباطبائیؒ کے مشابہ عقیدہ پیش کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

"قرآن، بلاغت اور اسلوب کے لحاظ سے الٰہی معجزہ ہے، جس طرح دیگر جہات سے بھی معجزہ ربّانی اور صدق نبوت کی دلیل ہے۔ جیسے اوہام و خرافات سے دوری، حقیقی معارف پر مشتمل ہونا، بہت زیادہ وسیع مفاہیم پر مشتمل ہونے کے باوجود بیان میں استواری اور اختلافات سے پاک ہونا، حکیمانہ قانون سازی کے نظام پر مشتمل ہونا جو کہ یقین اور پائیدار معانی اور مستحکم اصولوں پر مبنی ہے، غیب کی خبر دینا اور خلقت کے رازوں سے پردہ اُٹھانا اور کائنات میں رائج طریقوں اور ایسی معلومات جو علم بشری کی حدود سے خارج ہیں، بیان کرنا وغیرہ۔"[506]

---

503 ۔نساء (۴) آیت ۸۲۔

504 ۔ ہود (۱۱) آیت ۱۳۔۱۴۔

505 ۔ تفسیر المیزان، ج۱، ص ۸۷۔

506 ۔البیان فی تفسیر القرآن، ص ۴۳۔

علامہ مرتضی مطہریؒ ایک ہم عصر شیعی مفکر، دقیق اور گہری نگاہ رکھنے والے محقق اور قرآن کے عاشقوں میں سے ہیں۔ ان کے تمام آثار کے باہمی رابطے کا مرکزی نقطہ قرآن کے اہداف و مقاصد اور اس کی حقانیت کا دفاع کرنا ہے۔ نبوت کی بحث میں نسبتاً تفصیل کے ساتھ اعجاز قرآن پر توجہ مبذول کرتے ہیں اور اس کی تشریح کرتے ہیں۔ وہ بہترین مقدمات کی تمہید کے بیان کے بعد اعجاز کے مفہوم اور اس کے اثبات کے دلائل اور ان کی حدود کے حوالے سے اعجاز قرآن اور اس کی وجوہ و نظریات کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"اعجاز قرآن کو کسی بھی جہت میں محصور اور محدود نہیں کیا جاسکتا لیکن اسے لفظی اور محتوائی پہلوؤں میں تلاش کیا جاسکتا ہے۔ قرآن زیبائی، خوبصورتی اور جمال کے لحاظ سے آیت ہے، ظاہرہ انیق اور فکری و علمی لحاظ سے بھی آیت ہے۔ باطنہ عمیق خوبصورتی کی جہت سے قرآن کی روش، عربی زبان میں سابقہ نہیں رکھتی اور کبھی بھی کسی میں اتنی جرات نہیں ہوئی کہ قرآن کی برابری کا دعویٰ کرسکے۔ اسی روش کے اثرات میں سے قرآن کا ایک موزوں اور رسیلی آوازوں پر مشتمل ہونا ہے جبکہ معمولی قسم کی تحریریں ایسی مناسب آوازوں کو شامل نہیں ہوتیں اور نہ ہی ان کو خوبصورت آواز اور تان کے ساتھ پڑھا جاسکتا ہے؛ لیکن قرآن کی ایک مناسب، موزوں تان اور آواز مختلف موضوعات کی مناسبت سے خوشی و غمی، سخت و نرم و لطیف آوازوں وغیرہ پر مشتمل ہے۔ اسی وجہ سے فرمایا ہے: "تغنوا بالقرآن" قرآن کی خوبصورت آواز میں تلاوت کرو۔

قرآن کی دیگر مخصوص خصوصیات میں سے حلاوت و شیرینی اور دلربائی ہے کہ یہ حلاوت قرآن، زبانی خوبصورتی، واضح استدال اور روح انسانی کے ساتھ قرآن کے تناسب سے پیدا ہوتی ہے اور اسی کی وجہ سے دلوں کو مسخر کرلیتی ہے اور اپنے زیر اثر لے آتی ہے۔ ماضی قدیم سے لے کر آج تک کے زبان شناس افراد جیسے میخائیل نعیمہ، جبران خلیل، جارج جرداق وغیرہ قرآن کے عاشق اور دلدادہ تھے۔ جبکہ قرآن نے ہمیشہ سے اپنے مخالفین کو چیلنج کیا ہے۔

اپنے معنی اور مفہوم کے لحاظ سے بھی قرآن مختلف پہلوؤں جیسے شناخت وجود، اخلاق و تربیت، قوانین وغیرہ میں بلند ترین معانی اور افکار کو پیش کرنے کے ساتھ ساتھ علمی پیشرفت کے عمل سے کسی قسم کا سلسلہ وار رابطہ اور سابقہ نہیں رکھتا۔ اس کے برعکس تاریخ علم کے مطابق بشر کے نابغہ افراد کی علمی تحقیقات ایک سلسلہ وار باہمی ارتباط رکھتی ہیں۔ مثال کے طور

نیوٹن کے قانون کو علم تجربہ کے طریقہ کے مطابق کشف ہونا چاہئے۔ یعنی بشریت اپنی علمی کاوشوں کی ایسی شاہراہ پر گامزن ہوچکی تھی کہ ضروری تھا کہ اس مقام پر اس قانون کو کشف کرسکے؛ لیکن مختلف موضوعات و معارف قرآنی کا ایک اُمّی شخص کی طرف سے بیان کیا جانا، اس زمانے کے علمی حالات و شرائط میں اور حتی کہ آج بھی بشری علم کے طریقہ تکامل کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا۔ جس طرح قرآن کی حیرت انگیز ایجادات میں سے ایک انسان کے لیے فکری خطاؤں سے بچنے کے لیے منطق کے ذریعے فکری اصول پیش کرنا ہے اسی طرح قرآن بے ظن و گمان کی پیروی، اسلاف کی تقلید، فیصلہ میں عجلت، خواہشات نفسانی کی پیروی، بزرگوں اور معاشرے کی برگزیدہ ہستیوں کی پیروی کو فکری پاکیزگی کے عناصر کے طور پر ان حالات میں تشریح کی جب کسی نے بھی اس بارے میں کوئی بات نہیں کہی تھی اور بہت صدیوں بعد بیکن اور ڈیکارٹ جیسے دانشوروں نے منطق صورت اور فکری تکنیک کے ساتھ ساتھ فکری خطا سے بچنے کے لیے منطق مادہ کے محدود عناصر کو بیان کیا۔"[507]

آیت اللہ محمد ہادی معرفت دور حاضر کے عظیم قرآنی محققین میں سے ہیں کہ جنہوں نے علوم قرآن کے بارے میں بہت ہی گرانقدر تحقیقات انجام دی ہیں۔ اپنی سلسلہ وار علوم قرآن کے متعلق کتابوں میں سے "التمہید فی علوم القرآن"[508] کا ایک قابل توجہ حصہ (جلد چہارم و پنجم) اعجاز قرآن کے ساتھ مختص کیا ہے۔ انہوں نے مسئلہ اعجاز قرآن پر تاریخی نگاہ ڈالتے ہوئے گذشتہ علماء کے نظریات اور جدید دانشوروں کی آراء کو جمع کیا ہے اور عظمت قرآن کے متعلق غیر مسلموں کی گواہیوں اور قرآن کے مد مقابل اس کا مثل لانے کی مثالیں بھی ذکر کی ہیں اور آخر میں اعجاز قرآن کے پہلوؤں میں سے اپنے منظور نظر تین پہلوؤں کو ذکر کیا ہے یعنی اعجاز

---

507 ۔ مجموعہ آثار، ج ۴، بحث نبوت۔

508 ۔ طبع جامعہ مدرسین۔

بیانی، اعجاز علمی اور اعجاز تشریعی۔انہوں نے ان تینوں میں سے اعجاز بیانی کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

موریس بوکائے، یہ دور حاضر کے مغربی مصنف ہیں آسمانی کتابوں کی باہمی تطبیق اور مقائسہ کے عنوان سے ایک کتاب تصنیف کی ہے[509] جس میں انہوں نے قرآن کے علمی مفاہیم اور ان کا دانشوروں کی جدید علمی آراء سے موازنہ کیا ہے اور اس ترتیب سے انہوں نے قرآنی وحی کی حقانیت اور اس کی خوش گفتاری کو ثابت کیا ہے۔ ان کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کی سند قطعی ہونے کے علاہ یہ اپنے محتویٰ کے لحاظ سے بھی انسان کو ہمیشہ علم و عقل اور ہوش مندی کی دعوت دیتا ہے اور خود قرآن نے ایسے واقعات کو بیان کیا ہے جو الٰہی اور دینی ہونے کے ساتھ ساتھ علمی معلومات فراہم کرنے کا بھی پہلو رکھتے ہیں۔ جیسے عالم مادہ کی پیدائش کی خبر دینا، نظام کائنات کی کیفیت، جنین انسانی کی پیدائش اور اس کے رشد کے مراحل وغیرہ اور یہ سب اس زمانے میں بیان کئے گئے ہیں کہ زمانے کے بشری علوم ایک اُمّی شخص کی زبان سے اس قسم کے نتیجے کے خواہاں نہیں تھے۔ دوسری جانب یہ قرآنی الہامات مسلمہ علمی مکاشفات سے ناسازگاری بھی نہیں رکھتے اور یہ حقیقت ہمیں مجبور کرتی ہے کہ ہم قرآن کو خداوند اور اسرار ہستی سے آگاہ خالق کا کلام جانیں۔

عبدالرزاق نوفل، عصر حاضر میں قرآن کے اعجاز عددی کی طرف توجہ کی ہے اور "الاعجاز العددی للقرآن الکریم"[510] نامی کتاب تحریر کی ہے۔ وہ اس کتاب میں کہتے ہیں کہ قرآنی کلمات سے ایک خاص عددی تناسب ظاہر ہوتا ہے۔ جیسا کہ حکم دنیا وآخرت ۱۱۵ مرتبہ آیا ہے اور نفع و فساد اپنے تمام مشتقات کے ساتھ ۵۰ مرتبہ اور یوم مفرد صورت میں ۳۶۵ مرتبہ، ایک

---

[509] یہ کتاب بنام "توریت، انجیل، قرآن اور علم کے درمیان ایک موازنہ؛ دفتر نشر فرہنگ اسلامی اور دراستہ الکتب المقدسہ فی ضوء المعارف الحدیثہ کے عنوان سے دار المعارف قاہرہ سے شائع ہوئی ہے۔

[510] ۔قرآن میں اعجاز عددی (مترجم مصطفی حسینی)

سال کے دنوں کی تعداد کے برابر اور لفظ "شَھر" ۱۲ مرتبہ، مہینوں کی تعداد کے برابر اور اسی طرح موت و حیات و شیاطین و ملائکۃ وغیرہ کے کلمات۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کے نتائج کے حوالے سے مثبت اور علمی آزمائش کے لیے غور و فکر کا وسیع میدان چاہئے اور ان ناقص اور مشکل اطلاعات کی معرفت کی قدر و قیمت ہمیں قرآن کے حوالے سے علمی نتائج کے لیے رہنمائی کر سکتی ہے۔

رشاد خلیفہ، مصری نژاد امریکی شہری ہیں۔ اُنہوں نے بھی قرآن کے حروف مقطعات کا تجزیہ کیا ہے اور کمپیوٹر کی مدد سے اس بارے میں تحقیق پیش کی ہے جس کے مطابق وہ سورتیں جن میں حروف مقطعات پائے جاتے ہیں وہ حروف اس سورہ میں دوسرے حروف سے زیادہ استعمال ہوئے ہیں۔ اگر سورہ بقرہ میں الف لام میم بعنوان حروف مقطعہ استعمال ہوئے ہیں تو یہ حروف دیگر حروف سے زیادہ استعمال ہوئے ہیں۔ اسی طرح الف، لام سے زیادہ اور لام، میم سے زیادہ استعمال ہوا ہے۔ وہ اس اعجاز کی چابی "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" کو سمجھتے ہیں کہ جس کے حروفِ کلّی تعداد ۱۹ ہے اور عدد ۱۹ کو تمام قرآن کے نظام ریاضی کا مشترک مخرج شمار کرتے ہیں۔ اس دعویٰ کے دلائل یہ ہیں کہ پہلی آیت یعنی بسم اللہ ۱۹ حروف ہیں۔ قرآن کی سورتوں کی تعداد (۱۱۴) ہے یعنی (۱۹×۱۱۴) آیات قرآنی کا مجموعہ (۶۳۴۶) آیات ہے۔ جو کہ (۱۹×۳۳۴) بنتا ہے بسم اللہ کی تعداد قرآن میں ۱۱۴ مرتبہ تکرار ہوئی ہے۔ یعنی (۱۹×۶) وغیرہ۔ [511]

لیکن کیا یہ استقرائی دلائل اس دعویٰ کے کلی اثبات کے لیے کافی ہیں؟

اعجاز قرآن کے متعلق دیگر تالیفات جو قابل استفادہ اور مفید ہو سکتی ہیں۔ مندرجہ ذیل مؤلفین کی ہیں:

آیت اللہ جعفر سبحانی، ہم عصر شیعہ مصنفین میں سے ہیں جنہوں نے بہت کتابیں تالیف کی ہیں جن میں سے ایک "برہان رسالت" ہے اس کتاب میں مفہوم معجزہ کی تشریح کے بعد

---

[511] ۔ رجوع کریں: ترجمہ قرآن، بہروز مفیدی شیرازی، ضمیمہ شمارہ ا۔

اعجاز قرآن کی وجوہ کو فصاحت، بلاغت، اسلوب میں ہم آہنگی، مضمون میں ہم آہنگی، تاریخ، قانون ، غیبی خبروں ، جدید معلومات اور عقلی معارف کے لحاظ سے بحث کی ہے۔

صلاح عبدالفتاح الخالدی اردنی نے بھی اعجاز قرآن کے متعلق کتاب بنام "البیان فی اعجاز القرآن" لکھی ہے۔ اس کتاب میں اعجاز قرآن کی مختلف وجوہ کے بارے میں بحث کی گئی ہے لیکن کوئی نیا نظریہ پیش نہیں کیا گیا ہے۔

حسن ضیاء الدین عتر: ہم عصر عرب مصنفین میں سے ہیں جو علوم قرآن کے بارے میں بہت ساری تالیفات کے مالک ہیں۔ انہوں نے بھی اعجاز قرآن کے متعلق "بیّنات المعجزۃ الخالدہ" نامی ایک کتاب تحریر فرمائی ہے۔ انہوں نے مفہوم معجزہ کی تشریح کرنے کے بعد معجزہ کا دیگر خارق عادات کاموں سے فرق، معجزات کی انواع، معجزہ کے دلائل اور مناسب بیان کے ذریعے اعجاز قرآنی کی مختلف وجوہ جیسے فصاحت، بلاغت، غیبی اخبار ، علمی اعجاز، نفسی اعجاز اور سماجی اعجاز قرآن کو بیان کیا ہے اور اختتام پر قرآن کے بارے میں مستشرقین کے اعتراضات پر تنقید کی ہے۔

محمد ابوزہرہ، عصر حاضر کے مصری محقق قرآن کتاب "المعجزۃ الکبریٰ" میں مختلف عناوین جیسے اعجاز قرآن کا راز، اعجاز کی وجوہات، اسلوب قرآن، حقیقت و تشبیہ و استعارہ، نظم و ترتیب قرآن، فواصل آیات اور غیب کی خبروں وغیرہ کو مورد توجہ قرار دیا ہے۔

حفنی محمد شرف نے اپنی تالیف "اعجاز القرآن البیانی بین النظریہ و التطبیق" میں قرآن کے اعجاز زیبائی پر بحث کی ہے اور دانشوروں کی آراء کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ بلاغت، قرآن کے معانی اور بیان کے انداز اور نظم و ترتیب قرآن کو بھی اہتمام کے ساتھ پیش کیا ہے۔

ڈاکٹر عائشہ بنت الشاطی، معروف مصنفہ ، عصر حاضر کی ادیب اور علوم قرآن کی استاد ہیں۔ اپنی کتاب "الاعجاز البیانی و مسائل ابن ازرق" میں اعجاز بیانی اور اسلوب قرآن کو بہت خوبصورتی کے ساتھ بیان کیا ہے۔

ڈاکٹر منیر سلطان نے ایک کتاب "اعجاز القرآن بین المعتزلة و الاشاعرة" کے عنوان سے تحریر کی ہے اور اس میں انہوں نے کوشش کی ہے کہ اس اہم مسئلہ میں ان دو فرقوں کی آراء اور ان کے باہمی اختلافات کو توجہ کا محور قرار دے کر ان کی دستہ بندی کریں۔

علی مہدی زیتون عصر حاضر کے مصنف ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب "اعجاز القرآن و اثرہ فی تطور النقد العربی"[512] میں عربی زبان کے ادب اور بلاغت میں قرآن کی حیران کن تاثیر کو پیش کیا ہے اور مختلف زمانوں کے دانشوروں اور ادیبوں کے نظریات کا جائزہ لیا ہے اور دیگر کتابوں کی طرح بہترین اثر کے طور پر سامنے لائے ہیں۔ جو" اثر القرآن فی تطور النقد العربی" ڈاکٹر محمد زغلول سلام کے نام سے موسوم ہے۔[513]

اس کے علاوہ سزاوار یہی ہے کہ چند دیگر کتب جو اعجاز قرآن کے مصادر کے طور پر شمار ہوتی ہیں اشارہ کیا جائے من جملہ کتابوں میں سے ڈاکٹر علی شواخ اسحاق کی کتاب "معجم مصنفات القرآن الکریم" کا نام لیا جاسکتا ہے۔[514]

اسی طرح عصر حاضر کے مصنف عبدالجبار الرفاعی نے اپنی کتاب "معجم الدراسات القرآنیہ"[515] میں اعجاز قرآن سے متعلق سات سو کے نزدیک مقالات کا تعارف کروایا ہے۔

ابتسام مرہون الصفار نے بھی "معجم الدراسات القرآنیہ" میں قرآنی تحقیقات کے متعلق مختلف عناوین سے مربوط کتابوں کو جمع کیا ہے۔

---

512 ۔ مطبوعہ بیروت، دار المشرق، ۱۹۹۲م۔

513 ۔ قاہرہ، دار المعارف۔

514 ۔ ریاض، دار الرفاعی للنشر طبعہ اول ۴، ۱۴۰۳ جلد۔

515 ۔ دفتر تبلیغات اسلامی، حوزہ علمیہ قم۔

ہم عصر عربی مصنف **نعیم الحمصی** نے "فکرۃ اعجاز القرآن"[516] میں اعجاز قرآن سے مربوط مآخذ کو بیان کیا ہے یہ ایک بہترین کتاب ہے۔

ڈاکٹر یوسف عبد الرحمٰن مرعشی اور ان کے ساتھیوں نے زرکشی کی "البرھان فی علوم القرآن"[517] پر اپنی بہترین تحقیق میں اعجاز کے باب میں اعجاز قرآن سے متعلق کتب اور مقالات کو اکٹھا کیا ہے۔

محمد علی رضائی کرمانی نے M.A. کے تحقیقی مقالہ میں اعجاز قرآن سے مربوط کتب کو بالترتیب پیش کیا ہے محمد علی رضائی کے تحقیقی مقالہ کا عنوان "کتاب شناسی اعجاز قرآن" ہے۔

---

[516] ۔ دمشق، مطبعۃ الترقی، ۱۹۵۵۔

[517] ۔ دار المعارف، بیروت۔

کتابیات

کتابیات

1. انسان موجود ناشناختہ، کارل آلکسیس.

2. غایۃ المرام، سیف الدّین آمدی.

3. غرر الحکم و درر الکلم، سیف الدّین آمدی.

4. معلقات سبع، عبد المحمد آیتی.

5. البدیع، عبد العظیم ابن ابی الاصبع.

6. المغنی فی ابواب التوحید و العدل، قاضی عبد الجبّار ابن احمد.

7. مقدّمه، عبد الرحمان ابن خلدون.

8. مقائیس اللّغة، احمد ابن فارس.

9. تأویل مشکل القرآن، عبد الله بن مسلم ابن قتیبیة.

10. السیرة النبویّة، عبد الملك ابن هشام.

11. المعجزة الکبری، محمّد ابوزهرة.

12. مجاز القرآن، معمر بن المثنی ابوعبیدة.

13. من بلاغة القرآن، احمد بدوی.

14. التبصیر فی الدّین، یعقوب ابن اسحاق اسفرایینی.

15. مقالات الاسلامیین و اختلاف المصلین، ابوالحسن اشعری.

16. المفردات، راغب اصفهانی.

17. نظم آیات الهی در نگارش، عباس اعرابی هاشمی.

18. دیوان، علامه محمد اقبال لاهوری.

19. فلسفه نظری، ترجمه منوچهر بزرگمهر، توماس اکویناس.

20. لمع الادّلة فی قواعد اهل السنة و الجماعة، امام الحرمین عبد الملك الجوینی.

21. البیان فی اعجاز القرآن، صلاح عبد الفتاح خالدی.

22. فخر الدین الرّازی و آراءهُ الکلامیة و الفلسفیة، محمد صالح الرزکان.

23. ثلاث رسائل فی اعجاز القرآن، الرمانی و الخطابی و عبد القاهر.

24. تناقض نمایا غیب نمون، محمد امین احمدی.

25. المحرر الوجیز، ابن عطیه اندلسی.

26. الفصل فی الملل و الاهواء و النحان، علی بن محمد اندلسی.

27. تداوی روحی، کاظم زادہ ایرانشهر.

28. ایان، علم و دین، ترجمه بهاء الدین خرمشاهی با ربور.

29. مجموعه آثار، بازرگان، مهدی.

30. ابوبکر محمد باقلانی.

31. قواعد المرام فی علم الکلام، ابن میثم بحرانی.

32. الفرق بین الفرق و عبدالقادر بن طاهر بغدادی.

33. التعبیر الفنی فی القرآن، بکری، شیخ امین.

34. تفسیر آلاءُ الرحمان، محمد جواد بلاغی.

35. الاعجاز البیانی، عایشه بنت الشاطی.

36. مقایسه ای میان تورات، انجیل، قرآن و علم، موریس بوکای.

37. دیوان، ملك الشعراء بهار.

38. الاعجاز و الایجاز، ثعالبی.

39. البیان و التبیین عمرو بن بحر جاحظ.

40. الحیوان، عمرو بن بحر جاحظ.

41. البلاغة الواضحة، علی جدامر.

42. شرح مواقف، سید شریف الدین جرجانی.

43. التعریفات، سید شریف الدین علی بن محمد جرجانی.

44. دلائل الاعجاز القرآن، عبدالقاهر جرجانی.

45. وحی و رهبری، عبدالله جوادی آملی.

46. الارشاد، عبدالملك جوینی.

47. دین و روان ترجمه مهدی قائنی، ویلیام جیمز.

48. قاموس کتاب مقدّس، هاکس جیمز.

49. کشف الظنون، خلیفه حاجی.

50. مرآة الاسلام، حسین طه.

51. الطراز و المتضمّن لاسرار البلاغه و علوم حقائق الاعجاز، امیریحیی حمزه علوی.

52. اعجاز القرآن البیانی بین النظریه و التطبیق، محمد شرف حنفی.

53. ترجمه ی قرآن، برگردان فارسی: بهروز مفیدی، رشاد خلیفه.

54. البیان فی تفسیر القرآن، سید ابوالقاسم خویی.

55. النبأ العظیم (نظرات جدیدة فی القرآن)، عبدالله دراز.

56. لغتنامه، علی اکبر دهخدا.

57. اعلام النبوة، ابوحاتم رازی.

58. الاربعین، فخر الدین رازی.

59. البراهین، فخر الدین رازی.

60. المطالب العالیه، فخر الدین رازی.

61. تفسیر کبیر، فخرالدین رازی.

62. تلخیص المحصّل، فخرالدین رازی.

63. سرّ المکتوم، فخرالدین رازی.

64. اعجاز القرآن و البلاغة النبویة، صادق رافعی.

65. الخرائج و الجرائح، قطب الدین راوندی.

66. تفسیر المنار، محمد رضا رشید.

67. کتاب شناسی اعجاز محمد علی رضایی کرمانی.

68. البرهان فی علوم القرآن، بدرالدین زرکشی.

69. اثر القرآن فی تطور النقد الادبی، محمد سلام زغلول.

70. کشّاف عن حقائق التنزیل و عیون الاقاویل فی وجوه التأویل، محمود بن عمر زمخشری.

71. البرهان الکاشف عن اعجاز القرآن، عبدالواحد کمال الدین زملکانی.

72. اعجاز القرآن و اثرہ فی تطوّر النقد العربی، علی مهدی زیتون.

73. تاریخ التمدّن الاسلامی، جرجی زیدان.

74. روح فلسفه در قرون وسطی، ترجمه ی شهرام پازوکی، اتین ژیلسون.

75. الالهیات، جعفر سبحانی.

76. برهان رسالت جعفر سبحانی.

77. عند تقصیربه پیشگاه محمد و قرآن، سید غلام رضا سعیدی.

78. اعجاز القرآن بین المعتزله و الاشاعرة، منیر سلطان.

79. شهاب الدّین، مجموعه مصنفات، سهرو ردی.

80. مشاهد القیامه فی القرآن، سید قطب.

81. النجات، بوعلی سینا.

82. الهیات شفا، بوعلی سینا.

83. الاتقان فی علوم القرآن، جلال الدین عبدالرحمان سیوطی.

84. معترك الأقران فی اعجاز القرآن، ، جلال الدین سیوطی.

85. الآمدی و آراوہ الکلامیة، حسن شافعی.

86. حق الیقین فی معرفة اصول الدین، سید عبدالله شبّر.

87. معجم مصنفات القرآن الکریم، علی شواخ.

88. سید هبة الله، الملل و النحل، شهرستانی.

89. محمدبن بابویه، الامالی، صدوق.

90. محمدبن علی، عیون اخبار الرّضا صدوق.

91. تفسیر المیزان، سید محمدحسین طباطبایی.

92. مجمع البیان، امین الاسلام طبرسی.

93. تفسیر طبری، محمدبن جریر طبری.

94. الاقتصاد فی الاصول الاعتقاد، ابو جعفر محمد حسن طوسی.

95. شرح اشارات بوعلی، خواجہ نصیر الدین طوسی.

96. تمہید الاصول فی علم الکلام، محمد بن حسن طوسی.

97. کشف المراد فی شرح تجرید الاعتقاد، محمد بن حسن طوسی.

98. شرح اصول الخمسة، قاضی عبد الجبار.

99. بینات المعجزة الخالدة، حسن ضیاء الدین عتر.

100. فرید الدین، دیوان، نیشابوری عطّار.

101. احیاء العلوم، ابو حامد غزالی.

102. الاقتصاد، ابو حامد غزالی.

103. تهافت الفلاسفة، ابو حامد محمد بن محمد غزالی.

104. مقاصد الفلاسفة، ابو حامد غزالی.

105. شرح فصوص الحکمة، فارابی.

106. المباحث المشرقیه فی علم الالهیات و الطبیعیات، محمد بن عمر فخر رازی.

107. معانی القرآن ابو زکریا الدیلمی فراء یحیی.

108. التصویر الفنی فی القرآن، سید قطب.

109. شیخ محمد حسین، الدین و الاسلام، کاشف الغطاء.

110. خدا محوری، قاسم کاکایی.

111. در کوی بی نشان ها، مصطفی تژاد کرمی.

112. صوفی گری، احمد کسروی.

113. الکافی، محمد بن یعقوب کلینی.

114. گلدزیهر، العقیده و الشریعة فی الاسلام، محمد یوسف موسی، علی حسن عبد القادر، عبد العزیز.

115. بحار الانوار محمد تقی مجلسی.

116. القرآن محاولة لفهم عصری، مصطفی محمود.

117. معجم الدراسات القرآنیة، مرهون الصفار، ابتسام.

118. آموزش عقاید، محمد تقی مصباح.

119. راهنماشناسی، محمد تقی مصباح یزدی.

120. مجموعه آثار، مرتضی مطهری.

121. التمهید فی علوم القرآن، محمد هادی معرفت.

122. دروس مسائل جدید کلامی، مصطفی ملکیان.

123. مثنوی معنوی، جلال الدین مولوی.

124. مخزن الاسرار، گنجوی نظامی.

125. فکرة اعجاز القرآن، نعیم الحمی.

126. اعجاد عددی در قرآن، ترجمه مصطفی حسینی، عبدالرزاق نوفل.

127. اسلام از دیدگاه دانشمندان غرب، نصر الله نیك بین.

128. دایرة المعارف القرآن العشرین، فرید وجدی.

129. فلسفه دین، جان هاسپرز.

130. تفسیر بیان الفرقان، سر سید احمد خان هندی.

131. فلسفه دین، ترجمه بهرام راد جان هیك.

ہمارے تراجم

تحریک ترجمہ کے احیاء ، اسلامی مفاہیم و نظریات کے تعارف اور اسلامی تعلیمات کے مختلف گوشوں سے عالمی معاشرے کو آگاہ کرنے اور اسلامی فکر و ثقافت ریسرچ یونیورسٹی کے آٹھ سو سے زائد علمی آثار کا دنیا کی گیارہ زندہ زبانوں میں ترجمہ کرنے کے ذریعہ ہیومنزم اور اس کے دامن میں پرورش پانے والے اکانومک اینڈ کلچرل لبرلزم اور پولیٹیکل سیکولرزم جیسے مکاتب فکر کی جانب سے اٹھائے جانے والے اعتراضات کے جوابات دینے کے لیے ۲۰۰۸ء میں "بین الاقوامی ادارہ برائے ترجمہ و طباعت" کا قیام عمل میں آیا۔ اس سلسلہ میں ملکی سطح پر انگریزی، عربی ، فرنچ ، جرمن، ملائشیائی، اردو، تاجک، آذری، روسی، ترکی اور ہسپانوی زبانوں کی مختلف علمی انجمنیں تشکیل دی گئیں۔ ہر انجمن سربراہ ، علمی ایڈیٹر ، ادبی ایڈیٹر ، مترجم اور ثقافتی ماہر پر مشتمل ہے۔ مذکورہ علمی انجمنیں علاقائی اور ثقافتی ضرورتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے ترجمہ ، تصحیح اور اشاعت کے فرائض انجام دیتی ہیں۔ قارئین کو مطلع کیا جاتا ہے کہ ادارے کی مندرجہ ذیل کتب ترجمہ ہو چکی ہیں اور عنقریب زیور طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آیا چاہتی ہیں:

انچارج ترجمہ وطباعت : سیاوش نادری فراسانی

تحقیقاتی مرکز برائے اسلامی افکار و ثقافت

ردیف	۲۰۱۰ء میں زیر طبع مطبوعات	مؤلف	مترجم
۱	قرآن اور نفسیاتی دباؤ	سید اسحاق حسین کوہساری	غلام جابر محمدی
۲	قرآن اور پلورلزم	محمد حسن قدردان ملکی	سید سجاد حسین کاظمی
3	اخلاق الٰہی جلد ۴	مجتبیٰ تہرانی	ادریس احمد علوی
۴	فقہ اور عقل	ابوالقاسم علی دوست	ذاکر حسین طاہری
۵	سول سوسائٹی	دکتر حمید مولانا	ادریس احمد علوی
۶	اسلامی معیشت میں بچت اور سرمایہ کاری	سید عباس موسویان	سید سجاد حسین کاظمی
۷	فقہ اور عرف	ابوالقاسم علی دوست	سید سجاد حسین کاظمی
۸	حجاب	مہدی مہریزی	شیخ عبدالستار
۹	مترقی سماج، دینی سماج	احمد واعظی	عون علی جاڑوی
۱۰	قرآن اور سیکولرزم	محمد حسن قدردان ملکی	سید سجاد حسین کاظمی

نور الہدیٰ مرکز تحقیقات (نمت)

کی مطبوعات

ردیف	کتاب کا نام	مترجم	ایڈیشن	طبع/زیر طبع
۱۔	حیات فاطمہؑ	حجۃ الاسلام سید حسنین عباس گردیزی	چہارم	طبع
۲۔	انوار فاطمیہ	حجۃ الاسلام سید ثمر علی نقوی	اول	طبع
3۔	تعلیم الاحکام	حجۃ الاسلام منیر حسین خان	اول	طبع
۴۔	سول سوسائٹی	حجۃ الاسلام ادریس احمد علوی	اول	طبع
۵۔	امام خمینیؒ کی مغربی دانشور سے ایک ملاقات	ملک اعجاز حسین	اول	طبع
۶۔	اسلامی پردہ (اعتراضات وجوابات)	حجۃ الاسلام ضیغم ہمدانی	اول	طبع
۷۔	حضرت زینبؑ، تاریخ کا ایک ناگزیر کردار	ملک اعجاز حسین	اول	طبع
۸۔	امام خمینیؒ کا سیاسی نظریہ	شیخ عبد الستار	اول	طبع
۹۔	قرآن اور نفسیاتی دباؤ	حجۃ الاسلام غلام جابر محمدی	اول	طبع
۱۰۔	معجزہ کی شناخت	حجۃ الاسلام ادریس احمد علوی	اول	زیر طبع
۱۱۔	اخلاق الٰہی	حجۃ الاسلام ادریس احمد علوی	اول	زیر طبع